کلامِ نبوت

سوم

ترجمہ وتشریح

محمد فاروق خاں

ترتیب

کچھ ضروری پابندیاں

تعلقات کے وسیع دائرے

کمزوروں کے حقوق : ۱۸۷

باب دوم

سماجی زندگی کے کچھ احکام و آداب : ۲۱۱

اجتماعی مصالح : ۲۳۳

باب سوم
اسلامی تہذیب وثقافت

کچھ ثقافتی اور سماجی مسائل : ۳۲۷

تصویر کا مسئلہ : ۳۴۹

غنا اور موسیقی : ۳۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

کلام نبوت جلد سوم پیش کرتے ہوئے ہمیں دلی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ ہم خدائے بزرگ و برتر کے بے حد شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنے ایک حقیر بندے کو اپنے دین کی اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔

کلام نبوت جلد اول میں عقائد اور عبادات اور جلد دوم میں اخلاقیات سے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ کلام نبوت جلد سوم کا تعلق معاشرت سے ہے۔ اس میں ان احادیث کا انتخاب اور ان کی تشریح کی کوشش کی گئی ہے، جو سماجی امور و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں۔ چناں چہ اس جلد میں اجتماعیت، سماجی قدریں، خاندان کی تاسیس، تعلقات کے وسیع دائرے، اجتماعی مصالح، سماجی زندگی کے آداب اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے متعلق احادیث کا مطالعہ کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں تصویر، موسیقی، علم نجوم اور علاج و معالجہ وغیرہ کے مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ کلام نبوت کی دوسری جلدوں کی طرح تیسری جلد کو بھی ہمارے قارئین پسند کریں گے اور اسے مفید پائیں گے۔

معیشت و سیاست اور دعوتِ وغیرہ سے متعلق احادیث اور ان کی تشریحات ان شاء اللہ تعالیٰ کلامِ نبوت جلد چہارم و پنجم میں پیش کی جائیں گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔

خاکسار

محمد فاروق خاں

۵۴ ۱۳ - چتلی قبر، دہلی-۶

یکم اپریل ۲۰۰۱ء

باب اوّل

اسلامی معاشرت

ہر انسان کی حیثیت کسی نہ کسی معاشرہ کے ایک رکن کی ہوتی ہے۔ اور کسی بھی معاشرہ کی تشکیل میں عقائد ونظریات کا اہم حصہ ہوتا ہے۔ کسی مادہ پرست معاشرہ کے افراد پر مادّہ پرستی کا غلبہ ایک فطری بات ہے۔ پھر اس کے جو نتائج سامنے آتے ہیں ان کا خمیازہ ہر ایک کو بھگتنا پڑتا ہے۔ لارڈ اسنل (Lord Snell) نے ۱۹۴۷ میں لکھا تھا کہ اس وقت تہذیب ایک ایسے دوراہے پر کھڑی ہے کہ یہاں سے ایک قدم بھی اگر وہ غلط سمت میں مڑی تو پھر بربادی اور ہلاکت مقدر ہے۔ اسنل کہتا ہے کہ یوں تو انسان کی تاریخ حوادث سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن موجودہ صورتِ حال سب سے زیادہ پریشان کن ہے۔ اس کی ظلمت کو قلوبِ انسانی کی گہرائیوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ نسلی افتخار، تغلب وتسلط کے جذبات اور مملکت کے متعلق غلط فلسفہ کسی بھی ظلمت سے کم نہیں۔ منظّم شر کی قوتیں سب سے زیادہ اس موجودہ دور میں زور آور ہوئیں ہیں، اور نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی۔ اسنل نے آگے چل کر لکھا ہے کہ اگر ہم نے اپنی زندگیوں کی شکستہ عمارت کو محکم بنیادوں پر استوار نہ کیا تو ہماری تقدیر بد سے بدتر ہوتی چلی جائے گی۔

ایک مثالی معاشرہ وہ ہرگز نہیں ہے، جس میں مادّی سامانِ تعیش کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے۔ اور جہاں زندگی کی معراج یہ تصور کی جاتی ہے کہ آدمی کی مادی ضروریات وخواہشات پوری ہوتی ہوں، بلکہ مثالی معاشرہ اسے کہا جائے گا، جس میں انسانیت مادّی چار دیواری کے اندر مقید ہوکر نہ رہے، بلکہ وہ اس چار دیواری سے آگے بڑھ چکی ہو۔ صرف مادّی ضروریات کا حصول ہی اسے تسکین دینے کے لیے کافی نہ ہو، بلکہ اس کے سامنے زندگی کی وہ قدریں بھی ہوں، جو اسے مادیت کی سطح سے بلند رکھتی ہوں۔

ایک مثالی معاشرہ کی کیا خصوصیات ہوتی ہیں، اس سلسلے میں مغربی مفکرین کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مثالی معاشرہ اسی معاشرہ کو کہا جاسکتا ہے، جس کے افراد میں باہم تعاون کا جذبہ، کارفرما ہو اور جن کے پیش نظر ایک ایسا نصب العین ہو، جس کی بنیادیں خالص مادّیت پر استوار ہونے کے بجائے ایمان باللہ پر استوار ہوں۔ چناں چہ برائٹ مین (Bright Man) نے اس معاشرہ کے متعلق واضح الفاظ میں لکھا ہے:

''یہ معاشرہ ایسے آزاد لوگوں پر مشتمل ہوگا، جو ایک معقول اور قابل قدر واحد نصب العین کے حصول کے لیے باہم تعاون و تناصر سے کام لیتے ہوں۔ ایک ایسے نصب العین کے لیے، جس کی بنیادیں ایمان باللہ پر استوار ہوں۔''(۱)

مثالی معاشرہ کے خدوخال کو نمایاں کرتے ہوئے جوڈ (Joad) نے لکھا ہے:

''مثالی معاشرہ اسے کہیں گے، جس معاشرہ کے افراد وہ کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں، جس کو وہ حق سمجھتے ہوں۔ اور معاشرہ کا ہر فرد اسی کو حق سمجھتا ہو جو حقیقت میں حق ہے۔ دوسرے الفاظ میں مثالی معاشرہ وہ ہے، جس کے افراد ان کاموں کو حق سمجھیں اور ان پر کار بند ہوں جو بہترین نتائج کے ضامن ہوں۔ یعنی جو حسن، صداقت، انبساط اور اخلاقی خوبیوں وغیرہ مستقل اقدار کے مظہر ہوں۔ جس معاشرہ کے لوگ بھی ان قدروں کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیں گے اور اپنے اعمال و کردار میں ان کا پاس و لحاظ رکھیں گے وہی معاشرہ بہترین معاشرہ کہلانے کا مستحق ہوگا۔''(۲)

مفکرین نے افراد کے باہمی تعلقات کی درستی کے لیے جذبات کی ہم آہنگی کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ چناں چہ اوسپنسکی (Ouspensky) نے لکھا ہے:

''لوگ مختلف جذبات کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے ایک دوسرے کو سمجھنے میں غلط فہمیاں لاحق ہوتی ہیں۔ اگر ان کے جذبات میں

---

(۱) دیکھیں A Philosophy of Religion P.146

(۲) دیکھیں Guide to the Philosophy of Morals and Politics. P.467-469

ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کو صحیح طور پر سمجھنے کی پوزیشن میں ہو جائیں۔"(۱)

مفکرین کے یہ خیالات و تاثرات میں نے اس لیے نقل کیے ہیں تاکہ اس بات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکے کہ آج دنیا کو انسانیت کے دکھ کے جس درماں کی تلاش ہے وہ کماحقہٗ اسلام کی تعلیمات میں موجود ہے۔ وحی الٰہی نے اس سلسلے میں ہماری پوری رہ نمائی کی ہے۔

اسلام خدا پرستی کا وہ نظام پیش کرتا ہے، جس میں صرف یہی نہیں کہ انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لیے واضح اور مبنی برحق احکام دیے گئے ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کے سارے ہی احکام خواہ ان کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو باہم ایک دوسرے سے پوری طرح ہم آہنگ بھی ہیں۔ اور پورے ہی نظام زندگی میں خدا پرستی اور خدا طلبی کی روح ٹھیک اسی طرح کارفرما نظر آتی ہے، جس طرح کسی زندہ جسم میں روح کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ اس کے علاوہ اسلام، معاشرہ میں پیدا ہونے والی ساری ہی خرابیوں اور فتنوں کا سد باب بھی کرتا ہے۔ وہ ان کو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کرتا۔

اسلام کی نگاہ میں انسان اور انسان کے تعلق کی اصل بنیاد رنگ، نسل، زبان، قومیت اور وطنیت نہیں بلکہ تعلق کی اصل اور حقیقی بنیاد خدائے واحد پر ایمان اور ایک مومنانہ اخلاقی ضابطہ ہے۔ یہ اخلاقی ضابطہ ایمان سے الگ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ اخلاقی ضابطہ درحقیقت ایمان کے ایک ناگزیر تقاضے کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور اس ضابطۂ اخلاق کا ربط و تعلق زندگی کے کسی مخصوص دائرے تک ہی محدود نہیں رہتا بلکہ یہ انسانی زندگی کو اس طرح اپنے دائرے میں لے لیتا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ بھی اس سے الگ ہو کر نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ انسان کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ ہر معاملے میں اور ہر حالت میں خدا ہی کا بندہ بن کر رہے۔ اس سے انحراف اس کے لیے گمراہی، ضلالت اور تباہی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ ضابطۂ اخلاق اپنے اندر یہ خوبی بھی رکھتا ہے کہ اس کے تحت دنیا کے سارے انسان ایک ہو سکتے ہیں۔ اور اس طرح انسانوں کی ایک عالم گیر برادری کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو اس ضابطے کو جس کی بنیاد خدا پرستی و خدا طلبی ہے نہ مانیں تو اسلامی معاشرہ

---

(۱) دیکھیں Tertium organum P.198

میں وہ شامل تو نہیں ہو سکتے لیکن انسانیت کے حقوق سے انھیں محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ مشترک انسانیت کی بنیاد پر اسلامی معاشرہ نے غیر اسلامی معاشرہ کے جو حقوق تسلیم کیے ہیں ان میں تنگ نظری کے بجائے کشادہ دلی ہی دیکھی جا سکتی ہے۔

کسی بھی معاشرہ کا بنیادی ادارہ درحقیقت خاندان ہوتا ہے۔ مرد اور عورت کے ملاپ سے ہی ایک نسل وجود میں آتی ہے۔ اور پھر اس سے مختلف رشتے اور کنبے کے مختلف تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر یہی چیز پھیل کر ایک معاشرہ کو وجود بخشتی ہے۔ تمدن کی جڑ خاندان ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام خاندان کے ادارے کو صحیح اور مضبوط بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا ہے۔ وہ نکاح کو ایک نیکی اور عبادت قرار دیتا ہے۔ رہبانیت اس کی نگاہ میں فطرت اللہ کے خلاف ایک بدعت کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ پھر خاندانی نظام کو ایک انضباط عطا کرنے کی غرض سے شوہر کی حیثیت ایک ذمہ دار ناظم کی قرار دی گئی ہے۔ بیوی کو شوہر کی اطاعت گزار ہونا چاہیے اور اولاد کا فرض ہے کہ وہ ماں اور باپ دونوں کی خدمت اور اطاعت کو اپنے لیے باعث شرف و افتخار تصور کرے۔ اسلام محبت و رحمت کو ازدواجی زندگی کی اصل روح قرار دیتا ہے۔ زن و شو کے تعلق میں محبت و رفاقت کا جذبہ کارفرما ہو، یہ اس رشتے کا فطری تقاضا بھی ہے۔

پھر خاندان سے باہر قریب کے رشتے دار ہوتے ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ وہ باہم ایک دوسرے کے ہم درد اور غم گسار ہوں۔ رشتے داروں کے تعلق کے بعد ہم سائگی کے تعلق کو بھی اسلام نے خصوصی اہمیت دی ہے۔ ہمسایہ اپنا رشتہ دار بھی ہو سکتا ہے اور اجنبی بھی۔ ایک ہم سایہ وہ بھی ہے، جس کی ہم سائگی عارضی ہوتی ہے، جیسے کسی کے ساتھ کچھ دیر کے لیے بیٹھنا ہوا یا سفر میں کسی کے ساتھ چلنے کا اتفاق ہو جائے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہمارے سارے ہی ہم سائے خواہ وہ کسی قسم کے ہوں، ہمدردی اور نیک سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔

جو چیزیں معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرنے والی ہیں معاشرہ کے لیے ان کی حیثیت مہلک روگ کی ہے۔ ان روگوں سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کی طرف اسلام خصوصی توجہ دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حسد و بغض، غیبت، بدگمانی اور تجسس وغیرہ سے پرہیز کرنے کی تاکید کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کے افراد خدا کے بندے اور باہم ایک دوسرے کے ہمدرد و غم گسار بھائی بن کر رہیں۔ اسلام میں مطلوب یہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونے کے بجائے ایک

دوسرے کے ہم درد، معاون اور شریک رنج وراحت بن کر رہیں۔ ایک کو دوسرے پر بھروسہ ہو۔ اور وہ باہم ایک دوسرے کو اپنی جان و مال اور عزت وآبرو کا محافظ تصور کریں۔

قریبی معاشرتی رابطوں کے بعد اجتماعی زندگی کا وہ وسیع دائرہ ہمارے سامنے آتا ہے، جس کا تعلق پورے ہی معاشرے سے ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے جو ہدایات دی ہیں وہ انتہائی فطری اور مبنی بر عدل ہیں اور ان میں انسانیت کے شرف ومجد کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اہلِ عالم کی بھلائی کی فکر اور نیکی کے کاموں میں تعاون، بدی سے عدم اشتراک اور باہم منافرت کے بجائے قرب ومحبت کی فضا پیدا کرنی اور اسے برقرار رکھنے کے لیے سرگرم عمل رہنا وغیرہ ایسے اصول ہیں، جن کو ہمیشہ مدنظر رکھنا اسلامی معاشرہ کے افراد کا اوّلین فرض ہے۔

معاشرت

معاشرت کی اصل بنیاد

〈۱〉 عَنْ اَنَسٍؓ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالاَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔ (البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: ''مخلوق خدا کا کنبہ ہے لہٰذا مخلوق میں خدا کے نزدیک بہترین شخص وہ ہے، جو خدا کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا نے انسان کو مکرم بنایا ہے۔ خدا کی نگاہ میں بہترین لوگ وہی ہوسکتے ہیں، جو خدا کے بندوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں اور ان کے ساتھ نیک سلوک اختیار کریں۔ اس حدیث اور آگے آنے والی دوسری احادیث سے ان اصل بنیادوں کا سراغ ملتا ہے جن پر قائم معاشرہ ہی ایک مثالی معاشرہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ بنیادیں درحقیقت زندگی کی وہ اعلیٰ قدریں ہیں جن کے بغیر زندگی حقیقی سکون وراحت سے کبھی ہم کنار نہیں ہوسکتی۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ: مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَنْسُبُ اَحَدًا اِلاَّ اِلَی الدِّیْنِ۔ (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ''میں نے رسولِ خدا ﷺ کو کبھی دین کے سوا کسی دیگر چیز سے کسی کو نسبت دیتے ہوئے نہیں سنا۔''

تشریح: انسان کو شرف ومجد عطا کرنے والی چیز اصل میں دین ہی ہے۔ حقیقت کی نگاہ میں آدمی

صرف اسی وقت بلند تسلیم کیا جاسکتا ہے جب کہ دینی نقطۂ نظر سے کوئی مرتبہ ومقام حاصل کرنے میں اس نے کام یابی حاصل کی ہو۔

نبی ﷺ کسی کا انتساب اس کے باپ دادا یا اس طرح کی دوسری چیزوں سے کرنے کے بجائے ہمیشہ دین کی نسبت دیتے۔ جو شخص دین میں فوقیت رکھتا آپ ﷺ کے یہاں اسی کو فوقیت حاصل ہوتی خواہ دوسرے پہلوؤں سے وہ کم تر ہی کیوں نہ ہوتا۔ آپ ﷺ عملی طور پر جاہلی فکر ونظر کو بے وقعت ٹھہراتے اور لوگوں کے دلوں میں اصلاً دین کی عظمت قائم کرنے کا فرض انجام دیتے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ يَوْمَ لَاظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ قیامت کے روز فرمائے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جو میری بزرگی کی وجہ سے باہم ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے؟ آج میں انھیں اپنے سایہ میں رکھوں گا۔ آج میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں۔''

تشریح: یہاں یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ دوستی اور محبت کی بنیاد گہری سے گہری ہونی چاہیے۔ معلوم ہوا کہ وہی محبت معتبر، پائدار اور صحیح معنی میں خوش گوار نتائج کی حامل ہوتی ہے، جس کے پیچھے خدا طلبی اور عظمتِ خداوندی کا احساس کارفرما ہو۔ سوسائٹی میں اگر کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جن سے محبت رکھنا خود خدا کی عظمت کا تقاضا ہے تو اس تقاضے کو نظر انداز کرنا خدا فراموشی کے ہم معنی ہوگا۔ مثال کے طور پر سماج میں اگر کچھ لوگ ایسے ہیں جو چاہتے ہیں کہ سماج ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہو اور معاشرہ کی تعمیر خدا پرستانہ بنیادوں پر ہو اور وہ اس کے لیے کوشاں ہیں تو ایسے پاک باز لوگوں سے بے گانگی و بے تعلقی اور کارِ خیر میں ان کے ساتھ تعاون نہ کرنا دینی بے حسی اور بے غیرتی قرار پائے گی۔ جو لوگ دنیا کی زندگی میں خدا کی عظمت اور اس کی بزرگی کا احترام کرتے ہیں خدا بھی انھیں محشر میں نظر انداز نہیں کرے گا۔ وہ یقیناً انھیں اپنی رحمت کے سایہ میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطٰی لِلّٰهِ وَ مَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے محبت

کی تو اللہ ہی کے لیے اور بغض اور عداوت رکھی تو اللہ ہی کے لیے اور دیا تو اللہ ہی کے لیے اور روکا تو اللہ ہی کے لیے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کر لیا۔"

تشریح: یہ حدیث بھی بتاتی ہے کہ ہماری زندگی میں اصل محرک شے خوش نودی رب کے حصول کی تمنا کے سوا کچھ اور نہیں ہونا چاہیے۔ ہماری پسند اور ناپسند، اور دوستی اور دشمنی، ہمارے دینے اور روکنے اور کچھ کرنے یا نہ کرنے کے پیچھے اصل محرک رضائے حق کے حصول کی آرزو ہو۔ دوسرے لفظوں میں ہماری زندگی اور زندگی کی تمام سرگرمیوں میں محض خدا طلبی کا جذبہ کام کر رہا ہو۔ ایمان درحقیقت اسی کا متقاضی ہے۔ ایمان کے تقاضے کو پورا کیے بغیر ایمان میں کسی درجۂ بلند کا حصول کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے۔ ایمان انسان کی زندگی کو ایک مخصوص قسم کے سانچے میں ڈھال دینا چاہتا ہے۔ جب تک ہم اس سانچے میں ڈھل جانے کو آمادہ نہیں ہوتے، ایمان کا ہماری زندگی سے زندہ اور مستحکم رشتہ استوار نہیں ہوتا۔ ایمان کے تقاضوں کو فراموش کرنے کے بعد تو ایمان کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی کجا یہ کہ کوئی اس صورت میں خود کو ایمان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے وہم میں مبتلا ہو۔

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "سب سے افضل عمل یہ ہے کہ (کسی سے) محبت ہو تو اللہ ہی کے لیے ہو اور بغض و عداوت ہو تو وہ بھی اللہ ہی کے لیے۔"

تشریح: دین میں یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ ہمارے ہر عمل کے پیچھے خدا کی رضا اور اس کی خوش نودی کی طلب ہی کارفرما ہو۔ اس لیے لازماً ایسا عمل حقیقت کی نگاہ میں افضل قرار پائے گا، جو خدا ہی کے لیے کیا گیا ہو۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: وَ فِیْ حَدِیْثِ ابْنِ حَاتِمٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا قَاتَلَ اَحَدُکُمْ اَخَاهُ فَلْیَجْتَنِبِ الْوَجْهَ فَاِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا اور حضرت ابن حاتمؓ کی حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے لڑے تو اس

کے منہ کو بچائے (منہ پر چوٹ نہ کرے) کیوں کہ اللہ نے آدمی کو اپنی صورت پر بنایا ہے۔"

تشریح: یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ انسان کا مرتبہ اللہ نے نہایت بلند رکھا ہے۔ انسان کو اس نے اپنی صفات کا مظہر بنایا۔ اسے شعور و علم اور ارادہ و اختیار وغیرہ صفات سے نوازا۔ انسان کی شخصیت کا اصل مظہر اس کا اپنا چہرہ ہوتا ہے۔ اس چہرے میں خدا نے اپنی خبر رکھ دی ہے اس لیے اس کا ہر حالت میں احترام لازم ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَ الظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بدگمانی سے بچو، کیوں کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ کسی کی بھلائی برائی پر مطلع ہونے کے طالب نہ ہو، نہ ٹوہ میں پڑو، نہ دوسرے سے بڑھ کر بولی بولو، نہ باہم حسد کرو، نہ آپس میں بغض رکھو، نہ باہم دشمنی یا قطع تعلق کرو، اور خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔"

تشریح: اس حدیث میں معاشرتی حقوق کا ذکر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ لوگوں کو باہم بھائی بھائی بن کر رہنا چاہیے۔ سب ہی ایک خدا کے بندے ہیں۔ اس رشتہ کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں میں آپس میں کسی قسم کی منافرت نہ ہو بلکہ ان میں یگانگت ہونی چاہیے۔ اگر کوئی شخص لوگوں کے حقوق کو نظر انداز کرتا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ اسے خدا کا بندہ بننے سے انکار ہے۔ خدا کے سچے بندے وہی ہوتے ہیں جن کی نظر خدا ہی پر نہیں ہوتی بلکہ وہ خدا کے بندوں کے حقوق پر بھی نگاہ رکھتے ہیں۔

〈۸〉 وَ عَنْ اُسَامَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَ اِنَّمَا یَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "اللہ اپنے رحم دل بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔"

تشریح: آدمی کی سُرخ روئی اور کامیابی کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ خدا کی ذات اس پر مہربان ہو۔ اور وہ اس کے غضب سے مامون و محفوظ ہو۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ خدا کی رحمت کا

استحقاق ان کو ہی حاصل ہو سکتا ہے جن کے قلوب جذبۂ رحمت سے معمور ہوں۔ اس کے برخلاف جو لوگ خود جذبۂ رحم سے خالی ہوں وہ آخر رحمتِ خداوندی اور خدا کی نوازشات کے مستحق کیوں کر ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ بخاری ہی کی حدیث ہے: مَنْ لَّا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ ''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

﴿۹﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّنْفَعَ اَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ۔ (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے جس کسی میں اس کی استطاعت ہو کہ وہ اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکے تو اسے یہ کام کرنا چاہیے۔''

تشریح: اسلام مثالی انسان اسی شخص کو قرار دیتا ہے جو معاشرہ کے جملہ افراد کو اپنا بھائی سمجھتا ہو۔ ان سے قلبی لگاؤ رکھتا ہو اور حتی الامکان انھیں فائدہ پہنچانے سے گریز نہ کرتا ہو۔

اجتماعیت کی اہمیت

﴿۱﴾ عَنْ اَبِىْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ۔ (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے الگ ہوا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔''

تشریح: اسلام میں اجتماعی زندگی کی کیا اہمیت ہے؟ اس کا بہ خوبی اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے زندگی میں اجتماعیت لازمی ہے۔ اجتماعیت کے بغیر صحیح معنی میں اسلامی احکام کی پابندی ممکن نہیں ہے۔ اسلام اپنی فطرت کے لحاظ سے اجتماعیت پسند ہے۔ نظمِ جماعت سے ذرا بھی انحراف ایک نہایت سنگین بات ہے۔ کیوں کہ یہ انحراف اسلام کے اعلیٰ مقاصد سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔ اجتماعیت سے اپنے کو الگ کرنے والا درحقیقت اسلام کے واضح احکام کی پابندی سے گریز کرتا ہے، جو اسلام کی نگاہ میں کسی جرمِ عظیم سے کم نہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ اُمَّتِىْ اَوْ

قَالَ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ عَلٰی ضَلَالَۃٍ۔ (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ میری امت کو یا یہ فرمایا کہ امت محمدؐ کو گم راہی پر متفق نہیں کرے گا۔''

تشریح: اس لیے ضروری ہے کہ اہل ایمان ایک امت اور ایک منظم جماعت کی صورت میں دنیا میں رہیں۔ کوئی شخص بھی سوادِ اعظم سے الگ ہو کر خدا کی حفاظت سے خود کو محروم نہ کرے۔

〈۳〉 وَ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ الشَّیْطَانَ ذِئْبُ الْاِنْسَانِ کَذِئْبِ الْغَنَمِ یَاْخُذُ الشَّآذَّۃَ وَ الْقَاصِیَۃَ وَالنَّاحِیَۃَ وَ اِیَّاکُمْ وَالشِّعَابَ وَ عَلَیْکُمْ بِالْجَمَاعَۃِ وَالْعَامَّۃِ۔ (احمد)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درحقیقت شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے، جس طرح بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے۔ جو اس بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو، اور ریوڑ سے دور پڑ گئی ہو اور ریوڑ سے جدا ہو کر ایک گوشہ میں ہو۔ اور تم پہاڑ کی گھاٹیوں سے بچو اور جماعت اور اجتماع کے ساتھ رہنے کو اپنے لیے لازم قرار دے لو۔''

تشریح: جس طرح ریوڑ سے الگ ہونے پر بکری کو وہ تحفظ حاصل نہیں رہتا، جو ریوڑ کے ساتھ مل کر رہنے میں اسے حاصل ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اہل خیر کے گروہ سے کسی کے الگ ہوتے ہی اس کا امکان بڑھ جاتا ہے کہ شیطان، جو انسان کے لیے ایک بھیڑیا کے مانند ہے بہ آسانی اسے اپنا شکار بنا لے اور گم راہیوں کی ہلاکت خیز وادیوں میں اسے پھینک دے۔

جس طرح منزل سے ہم کنار کرنے والے سیدھے اور صاف راستے کو چھوڑ کر پہاڑی درّوں اور گھاٹیوں کو عبور کرنے کی کوشش بالعموم ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کے دکھائے ہوئے واضح شاہ راہ اور صراطِ مستقیم کو چھوڑ کر دوسری جانی اَنجانی راہوں کو اختیار کرنے کے بعد تباہی اور ہلاکت ہی آدمی کی تقدیر ثابت ہوتی ہے، اس لیے اس سے حذر لازم ہے۔

حقیقی اجتماعیت

〈۱〉 عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَرَاحُمِہِمْ وَ تَوَادِّہِمْ وَ تَعَاطُفِہِمْ کَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکٰی مِنْہُ عُضْوٌ تَدَاعٰی

لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى. (بخاری)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''باہم ایک دوسرے پر مہربان ہونے اور محبت و شفقت کرنے میں مومنوں کو تم ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو اس کا سارا ہی جسم بے خوابی اور بخار میں اس کا شریکِ حال ہو جاتا ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کا باہمی تعلق و رشتہ کوئی رسمی قسم کا نہیں ہوتا بلکہ ترحم و محبت اور شفقت کا جذبہ انھیں آپس میں اس طرح جوڑے رکھتا ہے گویا وہ الگ الگ نہیں ہیں بلکہ جسمِ واحد کی طرح ہیں۔ جسم کے کسی حصے میں بھی تکلیف ہوتی ہے تو اس سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے شریکِ رنج و راحت رہتے ہیں۔ اپنے کسی بھائی کو فراموش کر کے اور اسے نظر انداز کر کے زندگی گزارنا ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔

〈۲〉 وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَ اِنِ اشْتَكٰى رَأْسُهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تمام مومن، شخصِ واحد کے مانند ہیں۔ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا ہی جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اس کے سر میں تکلیف ہوتی ہے تو بھی اس کا سارا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح آنکھ یا سر کی تکلیف صرف آنکھ اور سر کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ یہ تکلیف پورے جسم کو بے چین اور مضطرب رکھتی ہے۔ ٹھیک یہی حال معاشرہ میں اہلِ ایمان کا ہونا چاہیے کہ ایک مومن کی تکلیف اور درد کو سارے ہی مومن اپنے اندر محسوس کریں اور اسے دُور کرنے کے لیے فکر مند ہوں۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: اِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومن مومن کے لیے ایسا ہے جیسے ایک عمارت، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا ہے۔'' پھر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔

تشریح: جس طرح کسی عمارت کی اینٹیں یا اس میں لگے ہوئے پتھر باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرے سے برابر قوت ملتی رہتی ہے۔ اس طرح پوری عمارت مضبوط و مستحکم دکھائی دیتی ہے۔ اسی طرح اہل ایمان کو بھی باہم ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اس کے بغیر کسی مستحکم اور پائیدار معاشرہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

سماجی قدریں

﴿۱﴾ عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ اَوْحٰى اِلَيَّ: اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ وَلَا يَبْغِيَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عیاض بن حمار مجاشعیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تواضع اختیار کرو، یہاں تک کہ کوئی کسی شخص کے مقابلے میں فخر نہ کرے، اور نہ کوئی شخص کسی پر ظلم وزیادتی کرے۔''

تشریح: یعنی یہ حکم خداوندی ہے کہ باہم تواضع اختیار کیا جائے۔ یہ کریمانہ روش کے خلاف ہے کہ کوئی شخص سوسائٹی میں متکبر بن کر رہے۔ تواضع اس حد تک مطلوب ہے کہ کوئی بھی شخص کسی کے مقابلے میں فخر نہ جتائے اور نہ کسی پر کسی قسم کے ظلم اور زیادتی کو روا رکھے۔ گھمنڈ اور غرور کی وجہ سے کسی کے مقابلے میں فخر کے جواز کی اسلامی معاشرہ میں کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُسْرٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ جَعَلَنِيْ عَبْدًا كَرِيْمًا وَ لَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا عَنِيْدًا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''خدا نے مجھے متواضع بندہ بنایا ہے، سرکش اور ضدی نہیں بنایا۔''

تشریح: یہ ایک لمبی روایت کا ایک حصہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا نے مجھے بندۂ متواضع اور کریم (Generous) بنا کر بھیجا ہے۔ ضد اور سرکشی کی روش مجھے کسی صورت میں بھی زیب نہیں دے سکتی۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''لوگوں میں پائی جانے والی دو باتیں کفر کی ہیں: نسب کے سلسلے میں طعن وطنز کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔''

تشریح: اپنے نسب پر فخر کرنا عرب جاہلیت کے مفاخر میں شامل تھا۔ دوسروں کے نسب اور خاندان پر طعن وطنز کرنا شعارِ کفر میں سے ہے، اس کا اسلامی شعار سے کوئی تعلق نہیں۔

نوحہ بھی عرب جاہلیت میں شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک معروف طریقہ تھا۔ کسی کے مرنے پر رنج اور غم ہونا ایک فطری بات ہے لیکن فطری غم سے آگے بڑھ کر بین اور نوحہ وغیرہ کرنا اسلام میں روا نہیں۔ اس طرح کی چیزیں اہل کفر کو تو زیب دے سکتی ہیں۔ لیکن کسی مسلمان شخص کے لیے ان کو کسی حال میں درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

〈۴〉 وِ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لاَ یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِہٖ. (بخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

تشریح: یعنی یہ آدمی کے اپنے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ جن چیزوں کو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے، اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے بھی ان ہی چیزوں کو پسند کرے۔ وہ اگر دنیا وآخرت کی فلاح اور کامیابی کا خواہاں ہے تو اپنے دوسرے بھائیوں کے لیے بھی اس کے دل میں یہی تمنا موجزن ہونی چاہیے کہ انھیں بھی دنیا وآخرت میں کامیابی اور سرخ روئی حاصل ہو۔

اسی طرح جو چیزیں اسے خود اپنے لیے پسند نہیں ہیں، دوسروں کے لیے بھی وہ ان کو ہرگز پسند نہ کرے۔ یہ ذوق اور مزاج اگر اس کا نہیں ہے تو حقیقت میں ایمان کی کیفیت سے ابھی اس کا دل آشنا نہیں ہو سکا ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: اَلْمُسْلِمُ اَخُ الْمُسْلِمِ لاَ یَظْلِمُہٗ وَلاَ یَخْذُلُہٗ وَلاَ یَحْقِرُہُ التَّقْوٰی ھٰھُنَا وَ یُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہٗ وَ مَالُہٗ وَ عِرْضُہٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کی مدد و اعانت سے ہاتھ کھینچے اور نہ اس کو حقیر سمجھے، تقویٰ یہاں ہے۔'' آپؐ نے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کر کے یہ بات فرمائی۔ ''آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر حرام ہے، مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت وآبرو۔''

تشریح: یہ ایک جامع حدیث ہے، جس کے ذریعے سے ایک اسلامی معاشرہ کی سچی تصویر نگاہوں میں ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے۔ مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو غیر نہیں اپنا بھائی سمجھے۔ ایک حدیث میں ہے: المؤمنُ مِرأةُ المؤمنِ (احمد، ابوداؤد) ''مومن، مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔'' آئینہ میں کسی اور کی نہیں اپنی ہی تصویر نظر آتی ہے۔ بھائی میں اگر کوئی خوب صورتی ہے تو اس سے اسی طرح خوشی ہونی چاہیے، جس طرح آئینے میں اپنی اچھی صورت پر نگاہ پڑنے سے فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر بھائی میں کوئی کمزوری اور عیب دکھائی دے تو سمجھے یہ عیب گویا خود ہمارے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ اور پھر اپنے بھائی کی اصلاح کے لیے اسی طرح فکر مند ہونا چاہیے، جس طرح ہمیں اپنی درستی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

بھائی کا یہ حق ہے کہ ہم اس پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے دیں اور نہ کبھی اسے بے چارگی کی حالت میں بے یار و مددگار چھوڑیں۔ بھائی کی تحقیر کسی صورت میں جائز نہیں ہو سکتی۔ ہمیں کیا خبر، جس کی ہم تحقیر کرنے چلے ہیں وہ ہم سے بہتر ہو۔ کسی کے اچھے ہونے کا اصل فیصلہ تو تقویٰ کرتا ہے، جس کی اصل جگہ انسان کا دل ہے جو بالعموم لوگوں کی نگاہ میں نہیں ہوتا۔

سیرت وکردار کا معاملہ کتنا نازک ہوتا ہے ارشاد ہوتا ہے: آدمی کے برے ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو بہ نظرِ حقارت دیکھتا ہو۔ مسلمان کا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ بھائی کی عزت وآبرو، اور اس کی جان اور اس کے مال، ہر چیز کا محافظ ہو۔ وہ غارت گر ہرگز نہ ہو۔ وہ اپنے بھائی کی کسی چیز کو بھی نقصان نہ پہنچنے دے۔ بھائی کا احترام اور اس کی توقیر کا ہر پہلو اس کے لیے لازم ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اِجلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیرَ الْغَالِیْ فِیْہِ وَ لَا الْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامُ

السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ابو داؤد، البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''کسی بوڑھے مسلمان کی تعظیم وتوقیر اور ایسے حاملِ قرآن کی جو اس میں افراط وتفریط سے کام نہ لیتا ہو درحقیقت اللہ کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اور اسی طرح عادل حاکم اِس کی تعظیم وتوقیر بھی (من جملہ تعظیم خداوندی کے ہے)۔''

تشریح: اسلامی معاشرہ اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ معاشرے کے افراد کا حسبِ مراتب لحاظ رکھا جائے۔ معاشرہ کا کوئی فرد بھی اپنا حق پانے سے محروم نہ رہے۔ حقوق کا تعلق صرف جان و مال اور حصہ اور جائداد سے ہی نہیں بلکہ حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ معاشرے کے لوگوں میں جو ہماری تعظیم کے مستحق ہیں ان کی تعظیم کی جائے، جو ہمدردی اور غم خواری کا حق رکھتے ہیں، ہم ان کے غم گسار ہوں، جو ہماری شفقتوں اور محبتوں کے مستحق ہیں انھیں ہماری شفقت ومحبت حاصل ہو۔ اس حدیث میں بطور مثال تین ایسے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے، جو ہماری تعظیم وتکریم کا حق رکھتے ہیں۔ ایک بوڑھا شخص، وہ اپنی بزرگی کے باعث اس کا مستحق ہے کہ اس کا ادب ولحاظ رکھا جائے۔ دوسرا حاملِ قرآن، یعنی وہ شخص جو قرآن کا علم رکھتا ہو اور قرآن کے حقوق کو پہچانتا ہو۔ حاملِ قرآن کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے معاملے میں افراط وتفریط سے پرہیز کرے۔ وہ قرآن کی تلاوت بھی کرے اور اس کے احکام وقوانین کی اشاعت کے لیے بھی کوشاں رہے۔ اور اس سلسلے میں راہِ اعتدال سے کبھی تجاوز نہ کرے۔ قرآن نے جس صراطِ مستقیم کی طرف رہ نمائی کی ہے، اس پر گامزن رہے۔ فاسد رجحانات کے زیر اثر وہ قرآن میں غلط تاویلات سے ہرگز کام نہ لے۔

پھر حاکم اگر عادل ہے اور وہ عدل وانصاف کو قائم کرنے والا ہے تو اس کا بھی یہ حق ہے کہ اس کی تکریم کی جائے اور اس کے کام کو بہ نظرِ استحسان دیکھا جائے۔

❀❀

خاندان کی تاسیس

نکاح کی ترغیب

〈۱〉 عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ یَقُوْلُ: جَاءَ ثَلٰثَۃُ رَھْطٍ اِلٰی بُیُوْتِ اَزْوَاجِ النَّبِیِّ ﷺ یَسْئَلُوْنَ عَنْ عِبَادَۃِ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا کَاَنَّھُمْ تَقَالُّوْھَا فَقَالُوْا وَ اَیْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِیِّ ﷺ قَدْ غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ وَمَا تَاَخَّرَ. قَالَ اَحَدُھُمْ اَمَّا اَنَا فَاِنِّیْ اُصَلِّی اللَّیْلَ اَبَدًا وَّ قَالَ اٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ الدَّھْرَ وَلاَ اُفْطِرُ وَ قَالَ اٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَآءَ فَلاَ اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: اَنْتُمُ الَّذِیْنَ قُلْتُمْ کَذَا وَکَذَا اَمَا وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ وَ اَتْقَاکُمْ لَہٗ لٰکِنِّیْ اَصُوْمُ وَ اُفْطِرُ وَ اُصَلِّیْ وَ اَرْقُدُ وَ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبیؐ کی ازواج کے گھر نبی ﷺ کی عبادت کا حال دریافت کرنے آئے۔ جب انھیں اس کے بارے میں بتایا گیا تو اُنھیں آپ کی عبادت بہت کم محسوس ہوئی۔ انھوں نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کی برابری کیوں کر کرسکتے ہیں۔ آپ ﷺ کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیے گئے ہیں۔ ایک نے کہا: میں تو رات بھر نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ اور روزہ توڑوں گا نہیں۔ اور تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے ہمیشہ الگ رہوں گا۔ میں کبھی بھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ’’تم ہی لوگ ہو جنھوں نے ایسی اور ایسی بات کہی ہے؟ ___ بخدا میرے اندر تم سے کہیں بڑھ کر خشیت ہے اور میں تم سے بڑھ کر اللہ کا ڈر رکھتا ہوں۔ پھر بھی میں روزہ بھی رکھتا

ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یاد رکھو جو میری سنت سے اعراض کرے گا اور اسے ناپسند کرے گا، وہ میرے طریقے پر ہرگز نہیں ہے۔"

تشریح: معلوم ہوا کہ علم باللہ (خدا کو جاننا) جس کے نتیجے میں دل میں خشیت الٰہی اور خدا کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ دین کی اصل بنیاد ہے۔ چناں چہ بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: اِنِّیْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَ اَشَدُّهُمْ لَهٗ خَشْيَةً "میں ان لوگوں سے بڑھ کر اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر اللہ کی خشیت میرے اندر ہے۔"

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ خدا کا خوف وخشیت مجھ میں سب سے زیادہ ہے پھر بھی خدا کی عبادت کے علاوہ میں آرام بھی کرتا ہوں، اور شادی بھی کرتا ہوں، جو دین لے کر میں آیا ہوں اور رہبانیت کا دین ہرگز نہیں ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے اور سماجی اور گھریلو ذمے داریوں کو قبول کرتے ہوئے پاکیزہ اور خدا ترسی کی زندگی گزارنا ہی اللہ کو پسند ہے۔ جو شخص میرے طریقے کو ترک کر کے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرے گا وہ میرا پیرو ہرگز نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِى النِّصْفِ الْبَاقِىْ. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "جب بندے نے نکاح کیا تو اس نے نصف دین کی تکمیل کر لی اب اسے چاہیے کہ باقی نصف (دین کی تکمیل) کے سلسلے میں خدا کا تقویٰ اختیار کرے۔"

تشریح: دین حقیقت میں خدا کے حق کے پہچاننے اور اسے ادا کرنے کا نام ہے۔ لیکن یہ حق اس طرح ہرگز ادا ہونے کا نہیں کہ آدمی اپنے نفس کے تقاضوں کو فراموش کر کے زندگی گزارے۔ اپنی ذات کو پامال کرنے کے بعد آدمی کی شخصیت مجروح ہو کر رہ جاتی ہے۔ مجروح شخصیت کا حامل انسان اس موقف میں نہیں رہتا کہ اس کی زندگی سے خدا کی عظمتوں کا پورا اظہار ہو سکے۔ اس لیے اپنی زندگی میں دین کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنی شخصیت کو مجروح نہ ہونے دے۔ نکاح کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان نے اپنے نفس کے حقوق کو نظر انداز نہیں کیا۔ اس نے اپنے فطری جذبات کو تسکین دینے کے لیے جائز صورت اختیار کی۔ شیطان کے لیے اب یہ کوئی آسان

بات نہیں کہ وہ اسے ذہنی انتشار یا جنسی بے راہ روی کی راہ پر ڈالنے میں کامیاب ہو سکے۔ اب اس کا قلب بھی پاک رہ سکے گا اور اس کی نگاہ کی پاکیزگی کو بھی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ اس کے بعد اس کے لیے اب ضرورت صرف اس بات کی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خدا کو داخل و شامل کر لے۔ خدا سے ڈرتا رہے اور بندگیِ رب کے تقاضوں کو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہ ہونے دے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو چاہتا ہو کہ وہ خدا سے پاک اور پاکیزہ حالت میں ملاقات کرے اسے چاہیے کہ وہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔''

تشریح: لونڈی کے مقابلے میں آزاد عورتوں سے پاکیزگی، بلندی اور وقار و شرافت کی زیادہ توقع ہوتی ہے۔ بیوی اگر مہذب، شریف اور بااخلاق ہے تو لازماً اس کا اثر شوہر پر بھی پڑے گا اور ایسی عورت اپنی اولاد کو بھی ادب و تہذیب اور پاکیزگی کی تعلیم دے گی۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اَنَّهُ يَقُوْلُ: مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا لَّهُ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِنْ نَظَرَ اِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَ اِنْ اَقْسَمَ عَلَيْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَ مَالِهٖ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے تقویٰ کے بعد سب سے بہتر چیز جو مومن اپنے لیے منتخب کرتا ہے وہ صالح بیوی ہے کہ وہ اسے حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کا دل خوش کر دے۔ اس کو قسم دے تو وہ اسے پورا کرے، اور اگر وہ موجود نہ ہو تو وہ اپنے نفس کے معاملے میں اور اس کے مال کے سلسلے میں اس کی خیر خواہ ثابت ہو۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ زندگی میں دو چیزیں بہترین سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پہلی چیز تو اللہ کا تقویٰ ہے کہ آدمی خدا کو کسی حال میں بھی فراموش نہ کرے بلکہ اپنی زندگی میں ہمیشہ اس کے ڈر اور خوف کو قائم رکھے۔ اس کے بعد دنیا کی چیزوں میں سب سے بہتر چیز صالح اور نیک بیوی ہوتی ہے۔ نیک بیوی کی پہچان یہ بتائی گئی ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت گزار ہو، اسے دیکھ کر شوہر کو مسرت ہو، شوہر کے خوش رکھنے میں اسے خوشی حاصل ہوتی ہو۔ شوہر کی جائز خواہش کو مقدم

رکھے۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کام کے لیے اسے قسم دے تو وہ اس کو پورا کرے۔ اور پھر یہ بھی کہ وہ شوہر کے مال کو ضائع نہ ہونے دے اور اپنے نفس کے معاملے میں کسی خیانت کی مرتکب نہ ہو۔ فحش کاری اور زنا کے وہ قریب بھی نہ جائے۔ آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ ایسی صالح اور نیک بیوی شوہر کے لیے قدرت کا ایک بہترین عطیہ ہے، جس کو دیکھ کر اسے راحت وسکون اور خوشی اور مسرت ہی حاصل ہوگی۔

(۵) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم نے نکاح کے مثل کوئی دوسری ایسی چیز نہ دیکھی ہوگی جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان اس درجہ محبت کا سبب ہو۔“

تشریح: یعنی نکاح ایک ایسی چیز ہے، جو دو دلوں کو ایک کر دیتی ہے اور اس کے سبب ان کے مابین ایسی گہری اور قوی محبت پیدا ہو جاتی ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوجین کا باہمی رشتہ درحقیقت محبت والفت کا رشتہ ہوتا ہے، اس کو محض ایک قانونی رشتہ تصور کرنا اس کی لطافت وپاکیزگی سے بے خبری کے سوا اور کچھ نہیں۔

(۶) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ وَابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهٗ وَ اَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ. (البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو سعیدؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی کے یہاں بچہ پیدا ہو تو اسے چاہیے کہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے ادب سکھائے پھر جب وہ سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کر دے۔ اگر شادی کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی اس نے اس کی شادی نہیں کی اور وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس کا باپ اس کے گناہ کا ذمے دار ہوگا۔“

تشریح: اولاد کے سلسلے میں باپ پر کیا ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، اس حدیث سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ایک صالح اور مثالی معاشرہ میں بچوں اور نوخیز ذہنوں کی پرورش والدین کے آغوشِ شفقت ومحبت میں ہوتی ہے۔ والدین یہ آرزو رکھتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک سیرت، باکردار اور خوبیوں کی حامل ہو سکے۔ لیکن جس معاشرہ میں باپ اپنے بچہ کا اچھا نام بھی نہ

رکھ سکے اس سے مزید کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ باپ کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کا اچھے سے اچھا نام رکھے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ نام کا اثر پوری زندگی پر مرتب ہوتا ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت کی طرف سے صرفِ نظر کرنا بھی رَوا نہیں۔ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں زندگی کے اعلیٰ اصول اور اسلامی آداب و تہذیب سے روشناس نہ کرانا ان کو ہلاکت کے سپرد کرنا ہے۔

لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کی فوراً فکر ہونی چاہیے۔ وقت پر شادی کرنے کی وجہ سے اگر لڑکا جنسی بے راہ روی کا شکار اور بدکاری میں مبتلا ہو گیا تو باپ اس گناہ کے وبال سے بچ نہ سکے گا۔ لڑکے کے علاوہ لڑکی کے بارے میں بھی یہی تاکید ہے کہ شادی کے لائق ہونے کے بعد اس کی شادی میں تاخیر روا نہیں۔

〈۷〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا اَلْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''دنیا کی حیثیت ایک متاع کی ہے اور متاعِ دنیا میں بہترین چیز نیک عورت ہے۔''

تشریح: ابوداؤد میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لَاُ اُخْبِرُکَ بِخَیْرِ مَا یُکْنَزُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. ''کیا میں تجھے بتاؤں جو سب سے بہتر خزانہ ہے، وہ نیک عورت ہے۔'' ایک حدیث میں نیک عورت کو انسان کی خوش بختی قرار دیا گیا ہے: مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ. (احمد)

عورت کو بہترین متاع قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اسے اس لیے ہرگز نہیں پیدا کیا کہ اس کی ناقدری کی جائے۔ اسے اس کے اپنے جائز حقوق سے محروم رکھا جائے۔ مرد خود کو اس سے برتر سمجھ کر اس پر ظلم ڈھائے اور اس کے ساتھ بے انصافیاں کرتا رہے۔ عورت کو قابلِ نفرت شے تصور کرنا نادانی ہے۔ وہ مرد کی رفیقۂ حیات اور زندگی میں غم گسار ساتھی ہے۔ کسی معاشرے میں عورت، اگر زبردست فتنہ بنتی ہے تو یہ عورت کا قصور نہیں بلکہ اس تہذیب و ثقافت اور نام نہاد کلچر کا قصور ہے، جس میں عورت کو بے پردہ، نیم برہنہ اور رونقِ محفل بنا کر رکھا جاتا ہے تاکہ ہوس کاری کے جذبہ کو تسکین حاصل ہو۔ حالاں کہ عورت کا اصل میدانِ کار اس کا اپنا گھر ہے، نہ کہ کہیں اور۔

نکاح کا مقصد

〈۱〉 عَنْ عُتْبَةَ بْنِ النُّذَرِؓ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَءَ طٰسٓمّٓ حَتّٰى بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى قَالَ: اِنَّ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ اٰجَرَ نَفْسَهٗ ثَمَانَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرًا عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهٖ وَ طَعَامِ بَطْنِهٖ. (احمد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن منذرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؐ نے طٰسٓمّٓ (سورۂ قصص) پڑھی یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا: ''موسیٰؑ نے اپنی شرم گاہ کو (حرام فعل سے) بچانے کی غرض سے اور اپنے پیٹ کو (حلال کھانے سے) بھرنے کے لیے آٹھ یا دس برس تک مزدوری کی۔''

تشریح: یہ قصہ سورۃ القصص میں بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کس طرح مدین پہنچے اور وہاں ایک بزرگ کی بیٹی سے آپ نے اس شرط پر نکاح کر لیا کہ آپ ان کی خدمت ۸ یا ۱۰ سال تک کریں گے۔ (سورۃ القصص: ۲۳-۲۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں بے یار و مددگار پہنچے تھے۔ آپ نے وہاں آٹھ یا دس برس مزدوری کرنی اس لیے قبول فرمائی تاکہ وہ اپنا پیٹ حلال کمائی سے بھر سکیں اور نکاح کر کے جائز طریقے سے اپنی فطری خواہش پوری کر سکیں۔ معلوم ہوا کہ عفت و عصمت اور پاکیزہ زندگی کو وہ اہمیت حاصل ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے اگر محنت و مزدوری بھی کرنی پڑے تو اس میں کسی قسم کا عار محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَآءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَاِنَّهٗ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَ اَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّهٗ لَهٗ وِجَآءٌ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اے نوجوانو! تم میں سے جس کسی کو نکاح کی ذمے داریوں کا بار اٹھانے کی سکت حاصل ہو اسے شادی کر لینی چاہیے۔ کیوں کہ شادی نگاہ کو بچاتی اور شرم گاہ کو محفوظ رکھتی ہے۔ اور جس کسی کو نکاح کی ذمے داریوں کا بار اٹھانے کی سکت حاصل نہ ہو، وہ روزہ رکھے کیوں کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں نکاح کی ایک اہم خوبی وخاصیت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ نکاح کو انسان کی عفت مآبی اور اس کی نگاہ کی پاکیزگی میں بڑا دخل ہے۔ اگر آدمی چاہتا ہے کہ اس کی عفت برقرار رہے اور اس کی نگاہیں پاک رہیں تو اسے شادی سے گریز ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ بصورتِ دیگر وہ ہمیشہ خطرے میں گھرا رہے گا۔ اس صورت میں اس کا اندیشہ باقی رہے گا کہ وہ کسی وقت خواہشِ نفس سے مغلوب ہوجائے اور غلط سمت میں اس کا قدم اٹھ جائے۔ بیوی کی موجودگی میں اپنی عفت کی حفاظت کرنی اور اپنی نگاہوں کو آوارگی سے بچانا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا۔ کسی وجہ سے اگر کسی شخص کو نکاح کی استطاعت حاصل نہ ہو تو اس صورت میں بھی اسے پاکیزگیِ نفس کی فکر تو کرنی ہی ہوگی۔ نکاح نہ کرنے کی صورت میں وہ روزے رکھنے کا اہتمام کرے۔ روزے کے ذریعے سے وہ جذبات، وخواہشاتِ نفس پر قابو پاسکتا ہے۔ روزے سے شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور اس طرح آدمی بہ آسانی اپنے آپ کو بے راہ روی سے بچا سکتا ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَيْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَآءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِیْ صِغَرِهٖ وَ اَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِیْ ذَاتِ يَدِهٖ

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں (عرب عورتوں) میں بہترین عورتیں قریش کی صالح عورتیں ہیں، جو چھوٹے بچوں پر نہایت شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی محافظ وامین ہوتی ہیں۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہترین بیوی اسے کہیں گے جو بچوں پر شفیق ہو اور شوہر کے مال کو ضائع نہ ہونے دے۔ قریش کی عورتوں میں یہ خوبی پائی جاتی تھی اس لیے آپؐ نے ان کی تعریف وتحسین فرمائی۔

(۴) وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُكَاتَبُ الَّذِیْ يُرِيْدُ الْاَدَآءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِیْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ وَ الْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے: ایک تو وہ مکاتب غلام جو اپنا بدل کتابت

ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ دوسرا نکاح کرنے والا، جس کی نیت حرام کاری سے بچنے کی ہو اور تیسرا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا۔"

تشریح: مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں، جس کے آقا نے یہ کہا ہو کہ اگر تم اتنی رقم ادا کر دو تو تم آزاد ہو جاؤ گے۔ اس طرح حصول آزادی کے لیے اسے جو رقم ادا کرنی پڑے گی اسے بدل کتابت کہتے ہیں۔

غلامی سے آزادی کی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔ باحوصلہ اور زندہ دل انسان کبھی بھی غلامی کی زندگی بسر کرنا پسند نہیں کر سکتا۔ اللہ بھی انسان کی اس فطری خواہش کا قدرداں ہے۔ اس لیے وہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ لازماً مکاتب کی مدد فرمائے گا۔ یعنی وہ ایسا سامان بہم کرے گا کہ مکاتب مطلوبہ رقم ادا کر کے آزادی حاصل کر سکے۔ اسی طرح وہ شخص جو حرام کاری سے بچنے کے ارادہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ اللہ کو اتنا پسند ہے کہ وہ اس کی مدد اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ اور اس کی دشواریوں کو دور فرماتا ہے۔ تیسرا شخص جس کا ذکر اس حدیث میں فرمایا گیا ہے وہ مردِ مجاہد ہے، جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کی آرزو میں اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر راہِ خدا میں سرگرمِ جہاد ہوتا ہے۔ اللہ اس کی مدد سے بھی ہرگز غافل نہیں ہو سکتا۔

(۵) وَ عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّىْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ. (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "تم ایسی عورت سے شادی کرو، جو (اپنے خاوند سے) زیادہ محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو، کیوں کہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمھاری کثرت پر فخر کروں گا۔"

تشریح: نکاح کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے آدمی کی نسل دنیا میں باقی رہتی ہے۔ نیک اولاد سے آدمی کو زندگی ہی میں نہیں مرنے کے بعد بھی نفع پہنچتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اولاد ہی نہیں محبت کا حصول بھی نکاح کا ایک اہم مقصد ہے۔ جس کسی کو بیوی کی محبت حاصل نہ ہو اس کی زندگی کی بے کیفی کا اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

نبی ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میں تمھاری کثرت پر فخر کروں گا تو اپنی امت کی تعداد کی کثرت پر خوشی اور مسرت کا ہونا ایک فطری بات ہے۔

آدابِ نکاح

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: تُنْکَحُ الْمَرْأَۃُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِھَا وَ لِحَسَبِھَا وَلِجَمَالِھَا وَ لِدِیْنِھَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاکَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورت سے چار باتوں کے پیشِ نظر نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال کے پیشِ نظر، اس کے حسب کے باعث، اس کے حسن کی خاطر اور اس کے دین کے باعث، تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں تجھے تو دین دار (عورت) کو حاصل کرنا چاہیے۔''

تشریح: اصل دولت دین و اخلاق کی دولت ہے۔ مال دار، خوب صورت اور حسب والی عورت سے نکاح کیا اور یہ نہ دیکھا کہ اس میں دین و اخلاق بھی ہے یا نہیں۔ اب اگر وہ بدخو اور غیر دین دار نکلی تو یہ کامیابی نہیں ناکامی کی بات ہوگی۔ زندگی پرلطف ہونے کے بجائے تلخیوں سے بھر جائے گی۔ ایسی بیوی سے اس کی بھی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ دین کی راہ میں آپ کی معاون ثابت ہوگی۔

دین و اخلاق کے زیور سے آراستہ ہونے کے ساتھ اگر عورت مال دار، شریف گھرانے کی اور حسین و جمیل بھی ہو تو کیا کہنا۔ لیکن اگر مال و نسب، حسن اور دین داری میں ترجیح دینی ہو تو ہمیشہ بے جھجک دین و اخلاق کو ترجیح دینی چاہیے۔ یعنی اس عورت سے نکاح کرے، جو دین دار اور نیک ہو۔ مال اور ظاہری حسن کی کمی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ دین سے سب کی تلافی ہو جاتی ہے لیکن دین کی تلافی نہ حسب سے ممکن ہے اور نہ مال اور نہ حسن سے یہ کمی کبھی پوری ہوسکتی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ اَحْسَابَ اَھْلِ الدُّنْیَا الَّذِیْ یَذْھَبُوْنَ اِلَیْہِ الْمَالُ (نسائی) ''دنیا داروں کا حسب جس کی طرف وہ دوڑتے ہیں مال ہے۔'' یعنی مال اور سرمایہ ہی ان کی نگاہ میں حسب ہے۔ حالاں کہ حقیقی حسب تو وہ اخلاق اور اعلیٰ کردار ہے، جو کسی گھرانے میں پایا جاتا ہو خواہ وہ گھرانہ دولت و ثروت میں ممتاز نہ ہو۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ کَانَ یَقُوْلُ نَھَی النَّبِیُّ ﷺ اَنْ یَّبِیْعَ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّلَا یَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَۃِ اَخِیْہِ حَتّٰی یَتْرُکَ الْخَاطِبُ قَبْلَہٗ اَوْ یَاْذَنَ لَہُ الْخَاطِبُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ تم ایک دوسرے کے سودے پر سودا کرو اور کوئی شخص اپنے بھائی کی منگنی پر منگنی کا پیغام نہ بھیجے جب تک کہ پہلا منگیتر اپنی منگنی چھوڑ نہ دے یا اسے اس کی اجازت نہ دے دے۔"

تشریح: یعنی ایک دوسرے کے گاہک سے اپنے سودے کی بات نہ کرو۔ کسی کے کاروبار میں خلل اندازی کسی طرح جائز نہیں۔

اسی طرح جب ایک مسلمان نے شادی کا پیغام کہیں دیا ہو تو وہاں پیغام دینا درست نہیں۔ کیوں کہ اس سے اپنے بھائی کی صریحاً حق تلفی ہوتی ہے، جو درست نہیں۔ اس کے علاوہ یہ مروت اور شرافت کے بھی منافی ہے کہ کوئی شخص ایسی جگہ پیغام بھیجے جہاں کسی بھائی کا پیغام پہنچ چکا ہے۔ البتہ اگر وہ پیغام کسی وجہ سے قبول نہ کیا جائے تو پھر دوسرا شخص پیغام دے سکتا ہے۔ یا منگیتر خود دست بردار ہو جائے اور اس کی طرف سے اجازت مل جائے تو وہاں پیغام دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(۳) وَ عَنْ عُقْبَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَحَقُّ مَا اَوْفَيْتُمْ مِنَ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهٖ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عقبہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تمام وہ شرطیں جو تمھیں پوری کرنی ہوتی ہیں ان میں سب سے زیادہ پورا کرنے کا حق تم پر اس شرط کا ہے، جس کے ذریعے سے شرم گاہوں کو تم نے اپنے لیے حلال کیا ہو۔"

تشریح: یوں تو سارے ہی مطالبات جو کسی انسان کے ذمہ ہوں پورے کرنے کے لیے ہوتے ہیں لیکن شوہر بیوی سے جس شرط پر اس کی قربت حاصل کرتا ہے وہ بعض پہلوؤں سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی کا احساس دلانے کی غرض سے حضور ﷺ نے یہ الفاظ استعمال فرمائے ہیں: "جس کے ذریعے سے شرم گاہوں کو تم نے اپنے لیے حلال کیا ہو۔" اس لیے مہر کے ادا کرنے میں کسی قسم کا تساہل درست نہیں اور نہ بیوی کے دوسرے حقوق کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

مرد اور عورت کی حیثیت حقیقت میں متکامل اجزا کی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہوتے ہیں۔ اپنی تکمیل کے لیے مضطرب۔ دونوں میں وحدت مطلوب ہے۔ معاشرتی زندگی میں اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان تقسیم عمل کا لحاظ رکھا ہے۔ گھر کے داخلی

امور کی ذمے داری بنیادی طور پر عورت پر ڈالی گئی ہے۔ خارجی امور اور مالیات کی فراہمی کا ذمے دار اصلاً مرد کو قرار دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم دونوں کی فطرت اور صلاحیت کے عین مطابق ہے۔ مرد چوں کہ اصولی لحاظ سے عورت کے اخراجات کا ذمے دار ہوتا ہے۔ اس لیے جب وہ کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اس عورت کے ضروری اخراجات کی ذمے داری بھی اپنے اوپر لے رہا ہے۔ مہر کی اعزازیہ رقم اس بات کی ایک واضح علامت ہے۔ مہر کی رقم ادا کر کے عملی طور پر گویا مرد اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ بیوی کی جملہ ضروری اخراجات کی کفالت کرے گا۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُسْتَأْمَرُ النِّسَآءُ فِيْ اَبْضَاعِهِنَّ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: فَاِنَّ الْبِكْرَ تُسْتَأْمَرُ فَتَسْتَحْيِ فَتَسْكُتُ. قَالَ: سُكَاتُهَا اِذْنُهَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، کیا عورتوں سے شادی کے متعلق اجازت لی جاتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں'' میں نے عرض کیا: دوشیزہ سے اجازت لی جاتی ہے تو وہ شرماتی ہے اور خاموش رہتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کی خاموشی ہی اس کی طرف سے اجازت ہے۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کی طرف نکاح کا پیغام بھیجنا چاہے تو اگر اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ ان کو (عورت کے منہ ہاتھ کو) دیکھ سکے جو اسے نکاح کی طرف راغب کرتے ہیں تو وہ دیکھ لے۔''

﴿۶﴾ وَ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَاَةً عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اَنَظَرْتَ اِلَيْهَا؟ قُلْتُ: لاَ. قَالَ: فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّهٗ اَجْدَرُ اَنْ يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا. (نسائی)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے دیکھا بھی؟'' میں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا: ''تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو۔ کیوں کہ تم دونوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہو اس کے لیے اسے دیکھنا بہت ہی مناسب اور بہتر ہے۔''

تشریح: جس عورت کے ساتھ آدمی کو زندگی بسر کرنی ہے اسے ایک نظر دیکھ لینے کی تعلیم اس لیے دی جارہی ہے کہ مرد اس پہلو سے اطمینان حاصل کرلے کہ وہ جس عورت سے شادی کرنے جارہا ہے، اس میں کوئی عیب نہیں ہے اور وہ اس کے لیے ہر لحاظ سے قابل قبول ہے۔ اس سے شوہر و بیوی کے درمیان یگانگت اور محبت کی فضا پیدا ہوگی۔ بصورتِ دیگر مرد اگر عورت کی طرف سے اطمینان حاصل کیے بغیر شادی کرلیتا ہے اور خدانخواستہ بیوی میں کوئی عیب نکل آیا تو الفت و محبت کی بات تو الگ رہی اسے پشیمانی اور بیوی سے سخت نفرت ہوسکتی ہے اور یہ دونوں کی زندگی کو تلخ بنادینے کے لیے کافی ہے۔

اگر مرد کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ اپنی منسوبہ کو دیکھ سکے تو کسی معتبر عورت ہی کو بھیج کر منسوبہ کے بارے میں اطمینان حاصل کرلے۔

(۷) وَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّمَا امْرَاَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ اِذْنِ مَوَالِيْهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو عورت بغیر اپنے ولی کے اذن کے نکاح کرلے تو اس کا نکاح باطل ہے۔“ یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔

تشریح: یہاں ولی سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی لڑکی یا عورت کی شادی کا ذمے دار ہوتا ہے۔ نکاح کے سلسلے میں ولایت کے اختیارات درجہ بدرجہ قریب کے رشتے دار کو حاصل ہوتے ہیں۔ ولی سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ لڑکی کے معاملے میں اس کا فیصلہ خیر خواہانہ ہوگا۔ عقل وفہم اور اپنے تجربات کی بنا پر وہ لڑکی کی شادی کسی ایسی جگہ نہیں کرے گا، جس کو وہ بہتر نہ پارہا ہو۔ کم سنی اور ناتجربہ کاری کے باعث لڑکی اپنی مستقبل کے بارے میں صحیح طور پر نہیں سوچ سکتی۔ اس لیے ولی کی تائید اور اذن کو شریعت نے ضروری قرار دیا ہے۔

بالغ اور عاقل عورت یا ایسی عورت کو جو ثیّب (شوہر دیدہ) ہو اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس کا نکاح اس کے ولی کی اجازت کے بغیر جائز ہے۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يُسْتَاذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا (مسلم) ”ثیب (شوہر دیدہ عورت) اپنے ولی سے بڑھ کر اپنے بارے میں اختیار رکھتی ہے۔ بلکہ کنواری لڑکی سے بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارے میں

اجازت حاصل کرے۔ اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔"

〈۸〉 وَ عَنْ سَمُرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَ اَيُّمَا رَجُلٍ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جس عورت کا نکاح اس کے دو ولی (دو الگ الگ شخص سے) کر دیں تو وہ عورت اسے ملے گی، جس کے ساتھ پہلے نکاح ہوا ہے۔ اور جو شخص کوئی چیز دو آدمیوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو وہ چیز اس شخص کو ملے گی، جس کے ہاتھ اس نے پہلے فروخت کی ہے۔"

〈۹〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری نبی ﷺ کے پاس آئی، اس نے اس کا ذکر کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا حالاں کہ یہ شادی اسے پسند نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے اس کو اختیار دے دیا (کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو اس نکاح کو فسخ کر دے)۔"

〈۱۰〉 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: لَيْسَ لِلْوَلِيِّ مَعَ الثَّيِّبِ اَمْرٌ وَالْيَتِيْمَةُ تُسْتَاْمَرُ وَ صُمْتُهَا اِقْرَارُهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "ثیبہ پر ولی کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور کنواری سے اجازت لی جائے گی اور اس کی خاموشی کو اس کے اقرار پر محمول کیا جائے گا۔"

〈۱۱〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَّلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَاْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَ اِذْنُهَا صُمَاتُهَا. (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "بیوہ جوان عورت کو اپنی ذات کے معاملے میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے ولی کے مقابلے میں کہیں زیادہ حاصل ہے۔ رہی کنواری تو اس کے نکاح کے سلسلے میں اس سے اجازت لی جائے گی اور اس کا خاموش رہنا اس کی طرف سے اجازت ہے۔"

〈۱۲〉 وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اَعْظَمَ النِّکَاحِ بَرَکَۃً اَیْسَرُہٗ مُؤْنَۃً. (بیھقی فی شعب الایمان)

ترجمه: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بہت ہی بابرکت نکاح وہ ہے، جو محنت و مشقت کے لحاظ سے آسان تر ہو۔''

تشریح: یعنی ایسا نکاح جس میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ نہ شوہر سے کثیر رقم مہر کے سلسلے میں طلب کی جائے اور نہ دوسرے قسم کے مطالبات پورے کرنے پڑتے ہوں۔ بیوی قناعت پسند ہو۔ شوہر کی حیثیت سے بڑھ کر نہ وہ مال و اسباب کی طالب ہو اور نہ مختلف قسم کی فرمائشیں کرکے شوہر کو پریشان کرنا جانتی ہو۔

〈۱۳〉 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْبَغَایَا الَّتِیْ یَنْکِحْنَ اَنْفُسَھُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَۃٍ. (ترمذی)

ترجمه: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا کہ ''جو عورتیں اپنا نکاح شاہد اور گواہ کے بغیر کرلیں وہ حرام کار ہیں۔''

تشریح: یعنی شاہد اور گواہ کے بغیر چوری چھپے نکاح کرنا درست نہیں۔ یہ روایت ترمذی میں موقوفاً بھی آئی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ خود حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے۔ اگر اسے حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی تسلیم کیا جائے جب بھی یہ ظاہر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے سن کر ہی یہ فتویٰ دیا ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایسی بات حضورؐ سے سنے بغیر اپنی طرف سے کہیں۔ امت کے سبھی ائمہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ شہادت کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ شہادت نکاح کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے۔

خطبۂ نکاح

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ للّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلتَّشَھُّدَ فِی الصَّلٰوۃِ وَالتَّشَھُّدَ فِی الْحَاجَۃِ قَالَ اَلتَّشَھُّدُ فِی الصَّلٰوۃِ اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ. اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ

رَسُوْلُهٗ. وَ التَّشَهُّدُ فِی الْحَاجَةِ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. وَ یَقْرَأُ ثَلاَثَ اٰیَاتٍ. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآئَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا○

(احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول خداﷺ نے ہمیں نماز میں پڑھا جانے والا تشہد بھی سکھایا ہے اور کسی ضرورت کے وقت جو تشہد پڑھنا چاہیے اس کی تعلیم بھی دی ہے۔ نماز کا تشہد تو یوں بیان فرمایا: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَ الصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبٰتُ اَلسَّلاَمُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَکَاتُهٗ. اَلسَّلاَمُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. ”سب زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبیؐ، آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت ہو اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

اور کسی حاجت کے وقت پڑھا جانے والا تشہد یہ ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَسْتَعِیْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ یُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِیَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ. ”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس سے استعانت چاہتے ہیں اور اسی سے مغفرت کے طالب ہیں اور ہم اپنے نفس کی برائیوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کسی کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

پھر آپ ؐ تین آیتیں پڑھتے: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلاَ تَمُوْتُنَّ اِلّاَ وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ؈ "اے ایمان لانے والو! اللہ کا ڈر رکھو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی رہ کر مرنا۔" یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا؈ اے ایمان لانے والو! اللہ کا ڈر رکھو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے کے سامنے اپنے مطالبات رکھتے ہو اور ناتے رشتوں کا بھی تمھیں خیال رکھنا ہے۔ یقیناً اللہ تم پر نگراں ہے۔" یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مِنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا؈ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا ڈر رکھو اور بات درست کہو، وہ تمھارے اعمال درست کر دے گا، اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا۔ اور جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرے گا تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی۔"

تشریح: شرح السنہ کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ حاجت و ضرورت کے وقت پڑھے جانے والے تشہد کا مطلب وہ خطبہ ہے جو نکاح کے وغیرہ عقد کے وقت پڑھا جاتا ہے۔ یہ اسلامی شعار میں سے ہے کہ خطبہ میں خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کا اظہار کیا جائے۔ لفظ تشہد میں اسی ایمان کی گواہی اور اس کے اظہار کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

حاجت کے وقت پڑھے جانے والے تشہد میں ابن ماجہ کی روایت میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کے بعد نَحْمَدُہٗ (ہم اس کی حمد کرتے ہیں) اور مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا کے بعد وَ مِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا (اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بچنے کے لیے) کے الفاظ مزید آئے ہیں۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں اس کے یہ الفاظ مزید آئے ہیں: اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لاَ یَضُرُّ اِلاَّ نَفْسَہٗ وَلاَ یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئًا. "اس نے اپنے رسول کو قیامت کی گھڑی سے پہلے پہلے حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، جس کسی نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، ہدایت پائی اور جس نے اللہ اور اس کی نافرمانی کی اس نے خود اپنا ہی بگاڑا اور وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔" خطبہ میں جو آیتیں پڑھتے تھے وہ سورۂ نسآء اور سورۂ احزاب سے ماخوذ ہیں۔ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ کے بجائے سورۃ النسآء کی آیت میں وَاتَّقُوا اللّٰہَ

الَّذِیْ کے الفاظ آئے ہیں۔

نکاح کے اس خطبہ کو بغور پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ نے نکاح کے موقعے پر یہ ضروری سمجھا کہ لوگوں پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو کہ شادی یا نکاح تفریح محض نہیں ہے۔ بلکہ نکاح ایک بڑی ذمے داری ہے۔ شادی کر کے آدمی درحقیقت زندگی کا عظیم بوجھ اٹھا رہا ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے زندگی کا ایک اہم عہد و پیمان کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے شادی کے موقعے پر آدمی کو پورے احساس و شعور کے ساتھ یہ عزم کرنا چاہیے کہ وہ زندگی میں اس عہد و پیمان کا پاس ولحاظ رکھے گا۔ عہد شکنی کر کے وہ ہرگز اپنے رب کو ناراض نہیں کر سکتا۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ خدا سے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر معاملے کا نگراں ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور جس بات کا اقرار کر رہا ہے، اس میں زبان کا ہم نوا اس کا دل بھی ہے۔

خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کر کے نہ وہ دنیا میں سرخ روئی حاصل کر سکتا ہے اور نہ آخرت میں کوئی کامیابی اس کے حصے میں آ سکتی ہے۔ حقیقی کامیابی اور فلاح تو خدا اور اس کے رسول کے احکام کی پابندی کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ خدا اور رسول پر صرف ایمان لانے ہی کی حد تک مسلمان نہیں ہوا ہے بلکہ زندگی کے تمام ہی مسائل اور معاملات میں اسے ایک مسلمان کا کردار ادا کرنا ہے، اور اس کردار پر دمِ آخر تک قائم رہنا ہے۔

دعوتِ ولیمہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِیْمَةِ یُدْعٰی لَهَا الْاَغْنِیَاءُ وَ یُتْرَکُ الْفُقَرَآءُ، وَ مَنْ تَرَکَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''بدترین کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے، جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور محتاجوں کو چھوڑ دیا جائے اور جس کسی نے (بغیر کسی مجبوری کے) دعوت قبول نہ کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

تشریح: جہاں اور بہت سے بدترین کھانے ہیں ان میں سے اس دعوتِ ولیمہ کا کھانا بھی بدترین قسم کا کھانا ہے، جس میں صرف دولت مندوں اور مال داروں کو بلایا جائے اور محتاجوں اور

غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ شادی کے موقع پر کھانے کی دعوت جسے دعوتِ ولیمہ کہتے ہیں، سنت ہے۔ نبی ﷺ نے خود ولیمہ کی دعوت دی ہے۔ لیکن خوشی کے موقع پر صرف مال داروں کو یاد رکھنا اور صرف ان ہی کو اپنی خوشیوں میں شریک کرنا اور مفلسوں اور محتاجوں کو فراموش کر دینا سخت بے حسی اور دِنایت کی بات ہے، جس کو دین میں کبھی بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔

یہ خدا اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی ہے کہ کوئی شخص کسی عذر کے بغیر دعوتِ ولیمہ کو قبول نہ کرے۔ دین میں یہ مطلوب ہے کہ اہلِ ایمان کے درمیان وابستگی اور محبت کا تعلق ہو۔ بلا کسی مجبوری کے بھائی کی دعوت کو قبول نہ کرنا حقیقت میں اس تعلق اور رشتہ کو مجروح کرنا ہے، جس کا پاس ولحاظ حتی المقدور ضروری قرار دیا گیا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا دُعِيَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاْتِهَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے چاہیے کہ وہ دعوت قبول کرے اور آئے۔“

〈۳〉 وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ: نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُّؤْكَلَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے باہم مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگوں کے کھانے میں شریک ہونے سے اجتناب کرنا چاہیے، جو لوگوں کی دعوتیں اس لیے کرتے ہیں کہ دوسروں کے مقابلے میں ان کی شان نمایاں ہو۔ ایسے لوگوں کی دعوت میں شریک ہونے کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ ہم ان کی ذہنی بیماری پر راضی ہیں اور اسے مزید بڑھانا چاہتے ہیں۔

نکاحِ شغار

〈۱〉 عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ زَادَ ابْنُ نُمَيْرٍ وَ الشِّغَارُ اَنْ يَّقُوْلَ الرَّجُلُ لِلرَّجُلِ زَوِّجْنِيْ اِبْنَتَكَ وَ اُزَوِّجُكَ ابْنَتِيْ اَوْ زَوِّجْنِيْ اُخْتَكَ وَ اُزَوِّجُكَ اُخْتِيْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا۔

ابن نمیر کی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ شغار یہ ہے کہ آدمی کسی سے کہے کہ تم اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کردو میں اپنی بیٹی سے تمھاری شادی کردوں، یا تم اپنی بہن کی شادی مجھ سے کردو میں اپنی بہن کی شادی تم سے کردوں۔

تشریح: اس طرح کی شادی میں عورتوں کا حق مہر مارا جاتا ہے، اس لیے اس طرح کے بدلے کے نکاح سے روکا گیا ہے۔ نکاح کے لیے مہر لازمی ہے اس سے عورت کو محروم نہیں کیا جاسکتا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لاَ شِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام میں شغار نہیں ہے۔''

تشریح: یعنی شغار دینِ اسلام میں درست اور روا نہیں ہے۔ عورت مہر سے محروم نہیں کی جاسکتی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَالشِّغَارُ اَنْ يُّزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَ الْاٰخَرُ ابْنَتَهٗ وَ لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ. ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کرے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کردے۔ اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔

مُتعہ

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ حَدَّثَنِي الرَّبِيْعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ عَنْ اَبِيْهِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم نَهٰى عَنِ الْمُتْعَةِ وَ قَالَ اَلاَ اِنَّهَا حَرَامٌ مِّنْ يَّوْمِكُمْ هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ كَانَ اَعْطٰى شَيْئًا فَلاَ يَاْخُذْهُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ربیع بن سبرہ الجہنی نے روایت کی اور انھوں نے اپنے باپ سے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ سے منع فرمایا: ''سن رکھو، وہ آج کے دن سے یومِ قیامت تک حرام ہے اور جس کسی نے کچھ (متعہ کے مہر میں) دیا ہو وہ اس کو واپس نہ لے۔''

تشریح: ایک متعین رقم کے عوض ایک مقرر مدت تک کے لیے کسی عورت سے نکاح کرنے کو متعہ کہتے ہیں۔ اسلام کے ابتدائی دور میں متعہ کی گنجائش تھی لیکن بالآخر ہمیشہ کے لیے اس کے بالکل حرام ہونے کا اعلان کردیا گیا۔

متعہ میں درحقیقت نکاح اور شادی کی حقیقی روح اور اسپرٹ نہیں پائی جاتی۔ اس میں جانبین کے لیے سکون کی بہ نسبت کلفت واذیت اور روحانی ونفسیاتی پریشانی کا زیادہ امکان رہتا

ہے۔ اسلام میں نکاح کا مقصد محض شہوانی جذبات کو تسکین دینا نہیں ہے۔ بیوی و شوہر کا رشتہ اس سے کہیں زیادہ گہرا اور نزاکت و نظافت کا حامل ہوتا ہے۔ زن و شوہر کو ایک دوسرے کے قرب و رفاقت میں جو ذہنی و قلبی سکون اور راحت حاصل ہوتی ہے وہ بہ ذاتِ خود بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ متعہ میں مرد اور عورت کا تعلق محض عارضی ہوتا ہے اور اس میں محض عارضی غرض اور ضرورت اُن کے پیشِ نظر ہوتی ہے۔ اس لیے متعہ کے ذریعے سے جو رشتہ قائم ہوگا وہ فطرتاً سطحی قسم کا ہوگا۔ اور سطحی ربط و تعلق سے کبھی بھی وہ چیز حاصل نہیں کی جاسکتی، جو شریعت میں اصلاً نکاح سے مطلوب ہوا کرتی ہے۔ اور اگر اس عارضی رشتے کے نتیجے میں مرد اور عورت میں گہرے قسم کے تعلقات اور جذباتی وابستگی پیدا ہوگئی تو آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ دونوں کی ایک دوسرے سے جدائی کسی قیامت سے کم نہیں ثابت ہوسکتی۔ اس کے علاوہ متعہ میں دوسری اور بہت سی قباحتیں ہیں، جن کو آپ بادنیٰ تامل خود سمجھ سکتے ہیں۔

لونڈی کے احکام

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ وَ رَفَعَهٗ اَنَّهٗ قَالَ فِیْ سَبَایَا اَوْطَاسٍ لاَ تُوْطَأُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلاَ غَیْرُ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَةً. (ابوداؤد، احمد، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے اوطاس کے قیدیوں کے متعلق فرمایا: ’’کسی حاملہ عورت کے ساتھ ہم بستری نہ کی جائے جب تک وضعِ حمل نہ ہو جائے اور نہ کسی غیر حاملہ عورت کے ساتھ مباشرت کی جائے جب تک کہ اسے ایک حیض نہ آجائے۔‘‘

تشریح: اوطاس مکہ معظّمہ سے تین منزل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔

جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتوں کا مسئلہ نہایت اہم اور نازک ہوتا ہے۔ ان عورتوں کو یوں ہی آزاد نہیں رکھا جاسکتا کیوں کہ اس سے سماج میں اخلاقی برائیوں کے پھیلنے کا قوی امکان ہو جائے گا۔ گرفتار شدہ عورتوں کو حاکم، مجاہدین میں تقسیم کرے گا، جس شخص کے حصہ میں جو عورت آئے گی وہ اس کی کنیز یا باندی قرار پائے گی۔ ان عورتوں کا تقسیم کیا جانا بجائے نکاح کے سمجھا جائے گا۔ اپنی باندی سے مجامعت جائز ہے۔ لیکن اس سلسلے میں دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ باندی اگر حاملہ ہے تو وضعِ حمل سے پہلے اس کے ساتھ مباشرت نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ حاملہ نہیں ہے تو عدت گزر جانے یعنی ایک حیض آجانے کے بعد

اس کے ساتھ مجامعت کرسکتا ہے۔ حیض آنے سے یہ اطمینان ہوجائے گا کہ اسے حمل نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ رُوَیْفِعِ بْنِ ثَابِتَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ: اَمَا اِنِّیْ لاَ اَقُوْلُ لَکُمْ اِلاَّ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ یَوْمَ حُنَیْنٍ قَالَ: لاَ یَحِلُّ لِامْرِیٍٔ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّسْقِیَ مَاءَہٗ زَرْعَ غَیْرِہٖ یَعْنِیْ اِتْیَانَ الْحُبَالٰی وَلاَ یَحِلُّ لِامْرِیٍٔ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّقَعَ عَلٰی اِمْرَأَۃٍ مِنَ السَّبْیِ حَتّٰی یَسْتَبْرِئَھَا وَلاَ یَحِلُّ لِامْرِیٍٔ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یَّبِیْعَ مَغْنَمًا حَتّٰی یُقْسَمَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت رویفع بن ثابت انصاریؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ خبردار، میں تم سے بس وہی کہتا ہوں جو میں نے رسول خدا ﷺ سے حنین کے روز فرماتے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے درست نہیں کہ وہ اپنے پانی سے غیر کے کھیت کو سیراب کرے۔ اور جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے درست نہیں کہ وہ قید میں پکڑی ہوئی عورت سے صحبت کرے، جب تک استبراء نہ کرلے۔ اور جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ مالِ غنیمت کو فروخت کرے، جب تک وہ تقسیم نہ ہوجائے۔“

تشریح: حنین کے روز سے مراد جنگ حنین کے موقع پر۔ اور غیر کے کھیت کو سیراب کرنے سے مراد اس عورت سے صحبت کرے، جس کو کسی دوسرے شخص سے حمل قرار پاچکا ہو۔ قید میں آنے سے پہلے وہ اپنے شوہر کے پاس تھی۔ اب اگر وہ اس سے حاملہ ہوچکی ہے تو حمل کی حالت میں اس کے ساتھ جماع کرنا درست نہیں۔ یہ اس لیے کہ نطفہ کا کسی غیر کے نطفے کے ساتھ اختلاط نہ ہو اور نسبت میں کسی طرح کا اشتباہ پیدا نہ ہو۔

استبراء سے مراد یہ ہے کہ جب تک ایک حیض نہ آجائے یا ایک مہینہ نہ گزر جائے قید میں پکڑی ہوئی لونڈی سے صحبت نہ کرے تاکہ یہ اطمینان حاصل ہوجائے کہ پہلے سے اسے حمل نہیں ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا جب تک مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم نہ کردیا جائے، کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کو فروخت کرکے فائدہ اٹھانے لگے۔ خدا اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ہر معاملے میں احکامِ شریعت کا پورا پاس ولحاظ رکھا جائے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ مَالِكٍ قَالَ: بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَاْمُرُ بِاِسْتِبْرَآءِ الْاِمَآءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَ ثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ وَ يَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَآءِ الْغَيْرِ.

ترجمہ: حضرت امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسولِ خدا ﷺ ایک حیض کے ذریعے لونڈیوں کے استبراء کا حکم فرماتے تھے بشرطے کہ ان کو حیض آتا ہو۔ اور اگر کوئی لونڈی ایسی ہوتی، جس کو حیض نہیں آتا تھا تو تین مہینے کے ذریعے سے اس کے استبراء کا حکم فرماتے تھے۔ نیز آپؐ غیر کے پانی میں پانی ملانے سے منع فرماتے تھے۔

تشریح: استبراء کا مطلب ہے ”لونڈی کے رحم کی حمل سے پاکی چاہنا۔“ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ جب کوئی لونڈی کسی شخص کی ملکیت میں آئے تو جب تک یہ اطمینان نہ کرلے کہ وہ حاملہ نہیں ہے تو اس وقت تک وہ اس کے ساتھ نہ جماع کرے اور نہ کوئی شہوانی معاملہ۔ یہ لونڈی خواہ اسے میراث میں ملی ہو یا اس نے خریدا ہو یا کسی نے اسے ہبہ کیا ہو۔

استبراء کی صورت یہ ہے کہ ملکیت میں لونڈی کے آنے کے بعد اسے ایک حیض آجائے اور حیض نہ آنے کی صورت میں اس پر تین مہینے گزر جائے۔ اگر لونڈی حمل سے ہے، تو استبراء کی صورت یہ ہے کہ وضع حمل ہو جائے۔ استبراء بہرحال ضروری اور لازمی ہے۔

اگر کسی غیر حاملہ کو کم عمری کی وجہ سے یا عمر زیادہ ہو جانے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو اس صورت میں استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ کی مدت تک جماع سے اجتناب کیا جائے۔

جن سے نکاح جائز نہیں

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يُحَرِّمُ مِنَ الْوِلَادَةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”نسب سے جو رشتے حرام ہیں وہ رضاعت سے بھی حرام ہیں۔“

تشریح: نکاح صحیح اور درست ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عورت محرمات میں سے نہ ہو۔ محرمات کی نو قسمیں فقہا نے بیان کی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں نکاح کے حرام ہونے کے ۹ وجوہ

اسباب ہیں، جن میں سے کچھ کا یہاں مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

۱- کچھ عورتیں نسبی رشتہ کی وجہ سے حرام قرار دی گئی ہیں۔ اس کے تحت ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی آتی ہیں۔ لہٰذا ان میں سے کسی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔

ماں میں دادی، نانی اور پرنانی وغیرہا شامل ہیں۔ بیٹی کے حکم میں اپنی بیٹی، بیٹے کی بیٹی (پوتی) اور بیٹی کی بیٹی (نواسی) اور اس طرح نیچے تک سب شامل ہیں۔ اسی طرح بہن سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا خواہ صرف باپ شریک بہن ہو یا صرف ماں شریک یعنی اخیافی۔

۲- کچھ عورتیں صہریت یعنی سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام قرار پاتی ہیں۔ اس کے تحت بیوی کی ماں، بیوی کی دادی، بیوی کی نانی، بیوی کے باپ اور ماں کی دادی وغیرہ آتی ہیں۔ اسی طرح بیوی کی بیٹی اور بیوی کے بیٹوں کی بیٹیاں، بیوی کی نواسی کی بیٹیاں وغیرہا یہ سب حرام ہیں۔ بشرطیکہ بیوی سے جماع کرلیا ہو۔ پھر اسی طرح بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی اور نواسے کی بیوی سے بھی نکاح حرام ہے۔ سوتیلی ماں اور سوتیلی دادی اور سوتیلی نانی سے بھی نکاح درست نہیں ہے۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس صورت میں اس عورت کی ماں، نانی، دادی اور اس عورت کی بیٹی، پوتی، نواسی سب اس پر حرام ہوجائیں گی اور اسی طرح عورت کے لیے زنا کرنے والے کے باپ، دادا، نانا اور اس کے لڑکے، پوتے اور نواسے سبھی حرام ہوجائیں گے۔ یعنی ان سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔

۳- کچھ عورتیں رضاعت (دودھ پلانے) کی وجہ سے حرام قرار پاتی ہیں۔ وہ تمام رشتے جو نسبی اور سسرالی ہونے کے سبب سے حرام ہیں وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ٹھیریں گے۔ مثلاً اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خواری کی عمر میں دودھ پلایا ہے، تو ان دونوں میں ماں اور اولاد کا تعلق قرار پائے گا۔ اور اس عورت کا شوہر اس بچہ کا رضاعی باپ ہوگا۔ رضاعی ماں اور رضاعی باپ کے وہ تمام ہی رشتے اس بچہ کے لیے حرام ہوں گے، جو حقیقی والدین کے رشتے کی وجہ سے حرام قرار پاتے ہیں۔

۴- آزاد شخص کے لیے شریعت میں اس کی گنجائش ہے کہ وہ بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرلے لیکن وہ بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اگر وہ چار کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کرتا ہے تو یہ پانچواں نکاح باطل قرار پائے گا۔

جس طرح چار عورتوں سے زیادہ کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے ٹھیک اسی طرح کسی شخص کے لیے ذوات الارحام کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ یعنی وہ ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا، جو آپس میں ذی رحم اور نسبی رشتے دار ہوں۔ چناں چہ دو بہنوں کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں ایسا رشتہ پایا جاتا ہو کہ ان میں سے ایک اگر مرد ہوتی تو ان کا آپس میں نکاح درست نہ ہوتا تو ایسی دو عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا کسی کے لیے جائز نہ ہوگا، جس طرح دو بہنوں کو (خواہ وہ حقیقی بہنیں ہوں یا دودھ شریک بہنیں) بیک وقت نکاح میں نہیں رکھا جا سکتا، اسی طرح کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی پھوپھی کو بھی بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا حرام ہے اور اسی طرح کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتے دار عورت کو اپنے ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔

۵- ان عورتوں سے بھی نکاح نہیں کیا جا سکتا، جو کسی کے نکاح میں ہوں۔

۶- مشرک عورتوں سے نکاح کرنا بھی شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔

۷- کسی عورت کو اگر تین طلاقیں دے دی گئی ہوں تو اس سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر اس عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو جائے اور دونوں میں مجامعت بھی ہو جائے۔ پھر اگر وہ مرد اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو عدت گزرنے کے بعد اس عورت کا اس کے اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ عَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَ خَالَتِهَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اپنی بیوی کو اس کی پھوپھی کے ساتھ نکاح میں نہ رکھا جائے اور نہ اپنی بیوی کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں رکھا جائے۔''

〈۳〉 وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: جَآءَ عَمِّیْ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَاْذَنَ عَلَیَّ فَاَبَيْتُ اَنْ اٰذَنَ لَهٗ حَتّٰى اَسْئَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ: اِنَّهٗ عَمُّكِ فَاْذَنِیْ لَهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا (دودھ کے رشتہ کے) آئے اور انھوں نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے جواب دیا کہ جب تک رسول اللہؐ سے دریافت نہ کرلوں ان کو آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تو تمھارے چچا ہیں انھیں اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو۔''

تشریح: اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خواتین کو پردے کا کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے اور بے حجاب مردوں کے سامنے آنے میں ان کو شریعت کا پاس ولحاظ رکھنا کس قدر ضروری ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلَیْهَا وَ عِنْدَهَا رَجُلٌ فَکَاَنَّهٗ کَرِهَ ذٰلِکَ فَقَالَتْ: اِنَّهٗ اَخِیْ فَقَالَ: اُنْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُکُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کو یہ ناگوار سا ہوا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ تو میرے دودھ شریک بھائی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دیکھو تمھارا بھائی کون ہوسکتا ہے۔ کیوں کہ رضاعت (دودھ پینے) کا اعتبار بھوک کے وقت ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رضاعت کے احکام اس صورت میں نافذ ہوں گے، جب کہ دودھ شیرخواری کے زمانے میں بطور غذا پیا گیا ہو اور بھوک دور کی گئی ہو۔ شیرخواری کی مدت اکثر علماء کے نزدیک دو سال ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ مدت ڈھائی سال تک رہتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدتِ رضاعت کے خاتمہ کے بعد بڑی عمر میں کسی عورت کا دودھ پینے سے حرمتِ رضاعت کا حکم نافذ نہیں ہوتا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ نَهٰی اَنْ تُنْکَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰی عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ عَلٰی بِنْتِ اَخِیْهَا وَالْمَرْاَةُ عَلٰی خَالَتِهَا وَالْخَالَةُ عَلٰی بِنْتِ اُخْتِهَا، لاَ تُنْکَحُ الصُّغْرٰی عَلَی الْکُبْرٰی وَلاَ الْکُبْرٰی عَلَی الصُّغْرٰی. (ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ ''پھوپھی کے ساتھ بھتیجی کو، یا بھتیجی کے ساتھ پھوپھی کو نکاح میں جمع کیا جائے یا خالہ کے ساتھ

بھانجی کو یا بھانجی کے ساتھ خالہ کو نکاح میں جمع کیا جائے۔ نیز (آپؐ نے فرمایا) بڑے رشتہ والی کی موجودگی میں چھوٹے رشتہ والی سے اور چھوٹے رشتہ والی کی موجودگی میں بڑے رشتہ والی سے نکاح نہ کیا جائے۔"

تشریح: بڑے رشتہ والی سے مراد پھوپھی اور خالہ ہیں، اور چھوٹے رشتہ والی سے مراد بھتیجی اور بھانجی ہیں۔ اگر کسی کے نکاح میں کسی لڑکی کی خالہ ہے تو اس کی موجودگی میں اس لڑکی کا نکاح اس شخص سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کسی شخص کے نکاح میں اگر کسی لڑکی کی پھوپھی ہو تو اس لڑکی سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں وہ شخص نکاح نہیں کر سکتا۔

اسی طرح اگر کسی کے نکاح میں ایسی لڑکی ہے، جو کسی عورت کی بھانجی یا بھتیجی ہوتی ہے تو وہ اس عورت کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَؓ قَالَ: اَسْلَمْتُ وَ تَحْتِیْ خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ: فَارِقْ وَاحِدَةً وَاَمْسِکْ اَرْبَعًا. (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت نوفل بن معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے اسلام اختیار کیا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں۔ چناں چہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک کو علیحدہ کر دو اور چار کو باقی رکھو۔"

تشریح: اس لیے کہ کسی کے لیے شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا کہ وہ بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھے۔

دعا اور مبارک باد

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ اِذَا رَفَّأَ الْاِنْسَانَ اِذَا تَزَوَّجَ قَالَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ وَ بَارَکَ عَلَيْكُمَا وَ جَمَعَ بَيْنَكُمَا فِیْ خَيْرٍ. (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کسی آدمی کو جس نے شادی کی ہوتی جب مبارک باد دیتے تو فرماتے: "اللہ تمھیں مبارک کرے اور تم دونوں پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو خیر اور بھلائی میں مجتمع اور متفق رکھے۔"

تشریح: شادی کے موقعے پر مبارک باد دینے کے مختلف طریقے دنیا کی قوموں میں رائج ہیں۔ خدا کے رسول اللہ ﷺ نے اس موقعے پر مبارک کے جو کلمات ارشاد فرماتے وہ انتہائی پاکیزہ،

جامع، خیر اور برکات کی دعا پر مشتمل ہوتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام شادی اور نکاح کو محض انسان کے شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ نہیں قرار دیتا بلکہ وہ اسے دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور خیر کا ذریعہ اور ایک پاک عمل قرار دیتا ہے۔

(۲) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا تَزَوَّجَ اَحَدُکُمْ اِمْرَأَۃً اَوِ اشْتَرٰی خَادِمًا فَلْیَقُلْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَھَا وَ خَیْرَ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَ شَرِّ مَا جَبَلْتَھَا عَلَیْہِ. (داؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی شخص کسی عورت سے شادی کرے یا کوئی خادم خریدے تو کہے: اے اللہ! میں اس کے خیر اور بھلائی کی اور جو خیر اور بھلائی تو نے اس کی فطرت میں رکھی ہے اس کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اور برائی اس کی فطرت میں رکھی ہے، اس سے بچنے کے لیے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔''

تشریح: مومن ہر چیز میں خیر اور بھلائی چاہتا اور شر اور برائی سے ہمیشہ بچنے کی تدبیر کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اسے اس سلسلے میں اپنی تدبیر سے بڑھ کر بھروسہ خدا کی ذات ہی پر ہوتا ہے۔ اس لیے ہر موقعے پر وہ خدا کی پناہ ڈھونڈتا اور اس سے مدد و استعانت کا طالب ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ساری بھلائی اور خیر و سلامتی خدا کے قرب سے تعلق رکھتی ہے۔ جو چیز ہمیں اپنے خدا سے بیگانہ بنا دے اسے کبھی بھی خیر نہیں کہہ سکتے۔ عین دنیوی امور میں بھی قربِ خداوندی کا پہلو موجود ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ ہمیں صحیح علم و بصیرت حاصل ہو۔

مباشرت کے آداب

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَوْ اَنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّاْتِیَ اَھْلَہٗ قَالَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا فَاِنَّہٗ اِنْ یُّقَدَّرْ بَیْنَھُمَا وَلَدٌ فِیْ ذٰلِکَ لَمْ یَضُرَّہٗ شَیْطَانٌ اَبَدًا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہے: بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا (اللہ کے نام سے۔ اے اللہ، تو ہمیں شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس چیز

سے دور رکھ، جو تو نے ہم کو دی) تو اگر دونوں کے لیے بچہ مقدر ہوگا تو شیطان کبھی بھی اسے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔"

تشریح: یعنی ہم بستری کے ارادے سے جب بیوی کے پاس جائے تو یہ دعا پڑھ لے۔

عام طور پر آج کل نسل جو اچھے اخلاق سے بے گانہ دکھائی دیتی ہے تو اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ اکثر لوگ حضورﷺ کی سکھائی ہوئی دعا نہیں پڑھتے۔ خدا سے غافل رہ کر آدمی محض جانوروں کی طرح شہوانی تقاضے پورے کرنے لگ جائے تو ایسی صورت میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ شیطان کے شر سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اِنَّ ابْنَ عُمَرَؓ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لَهٗ اُوهِمَ اِنَّمَا كَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْاَنْصَارِ وَ هُمْ اَهْلُ وَثَنٍ مَعَ هٰذَا الْحَيِّ مِنْ يَهُوْدٍ وَّ هُمْ اَهْلُ كِتَابٍ وَ كَانُوْا يَرَوْنَ لَهُمْ فَضْلاً عَلَيْهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَانُوْا يَقْتَدُوْنَ بِكَثِيْرٍ مِّنْ فِعْلِهِمْ وَ كَانَ مِنْ اَمْرِ اَهْلِ الْكِتَابِ اَنْ لَّا يَاْتُوْنَ النِّسَآءَ اِلَّا عَلٰى حَرْفٍ وَّ ذٰلِكَ اَسْتَرُ مَا تَكُوْنُ الْمَرْاَةُ فَكَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنَ الْاَنْصَارِ قَدْ اَخَذُوْا بِذٰلِكَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَكَانَ هٰذَا الْحَيُّ مِنْ قُرَيْشٍ يَشْرَحُوْنَ النِّسَآءَ شَرْحًا مُّنْكَرًا وَّ يَتَلَذَّذُوْنَ مِنْهُنَّ مُقْبِلَاتٍ وَ مُدْبِرَاتٍ وَ مُسْتَلْقِيَاتٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْمَدِيْنَةَ تَزَوَّجَ رَجُلٌ مِّنْهُمْ اِمْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ فَذَهَبَ يَصْنَعُ بِهَا ذٰلِكَ فَاَنْكَرَتْهُ عَلَيْهِ وَ قَالَتْ اِنَّمَا كُنَّا نُؤْتٰى عَلٰى حَرْفٍ فَاصْنَعْ ذٰلِكَ وَ اِلَّا فَاجْتَنِبْنِىْ حَتّٰى شَرِىَ اَمْرُهُمَا فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: نِسَآءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ اَىْ مُقْبِلَاتٍ وَ مُدْبِرَاتٍ وَ مُسْتَلْقِيَاتٍ يَعْنِىْ بِذٰلِكَ مَوْضَعَ الْوَلَدِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ بخشے ان کو وہم ہو گیا۔ اصل قصہ یوں ہے کہ ایک قبیلہ انصار کا بت پرست تھا، اس کے ساتھ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، جو اہل کتاب تھے۔ اور وہ انصار ان (یہودیوں) کو اپنے سے افضل علم میں سمجھتے تھے۔ پس بہت سے اپنے کاموں میں وہ یہودیوں کی پیروی کرتے تھے۔ اہل کتاب کی ایک بات یہ تھی کہ وہ اپنی عورتوں سے مباشرت صرف ایک معروف آسن پر کرتے تھے۔ اس میں عورت کا ستر بخوبی چھپا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی اس قبیلہ کے انصار، یہود کے فعل کی پیروی کرتے تھے۔ مگر قریش

اپنی عورتوں کو طرح طرح سے برہنہ کرتے تھے اور ان سے مختلف طریقوں سے جماع کی لذت اٹھاتے تھے۔ کبھی آگے سے، کبھی پیچھے سے اور کبھی چت لٹا کر۔ جب مہاجرین مدینہ آئے تو ان میں سے ایک شخص نے ایک انصاری عورت سے شادی کی اور اپنے طریقے کے مطابق اس سے مباشرت کرنے لگا۔ اس عورت نے اُسے برا مانا اور کہا کہ ہمارے یہاں صرف ایک ہی ہیئت سے جماع ہوتا ہے۔ پس تم بھی اسی طرح کرو ورنہ مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ ان کا یہ جھگڑا مشہور ہوا اور یہ بات رسولِ خدا ﷺ تک پہنچی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔ نِسَآءُکُم حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح جی چاہے آؤ۔'' یعنی چاہے آگے سے آؤ یا پیچھے یا چت لٹا کر مگر دخول اس مقام (یعنی فرج) میں کرو، جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔

تشریح: آیت نِسَآءُکُم حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ (تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی میں، جس طرح جی چاہے آؤ) کے اصل مفہوم کے سمجھنے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے غلطی ہوئی ہے۔ خدا انھیں معاف فرمائے۔ یہ جو کہا کہ بات جب رسولِ خداؐ تک پہنچی تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خاص اسی واقعہ کے سلسلے میں آیت مذکورہ نازل ہوئی ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خدا نے یہ آیت نازل کر کے یہ اور اس طرح کے دوسرے جھگڑوں کا تصفیہ کر دیا۔

﴿۳﴾ وَ عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰہِؓ اَنَّ یَھُوۡدَ کَانَتۡ تَقُوۡلُ اِذَا اُتِیَتِ الۡمَرۡاَۃُ مِنۡ دُبُرِھَا فِیۡ قُبُلِھَا ثُمَّ حَمَلَتۡ کَانَ وَ لَدُھَا اَحۡوَلَ فَاُنۡزِلَتۡ: نِسَآءُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ جب عورت سے قبل (فرج) میں پیچھے کی جانب سے جماع (مباشرت) کیا جاتا ہے اور حمل قرار پاتا ہے تو اس کا بچہ بھینگا (احوال) پیدا ہوتا ہے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی: نِسَآءُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡا حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ ''تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں تو تم اپنی کھیتی میں جس طرح جی چاہے آؤ۔''

تشریح: یعنی یہود کا خیال صحیح نہیں ہے۔ جس ہیئت سے چاہو مباشرت کر سکتے ہو۔ کھڑے، بیٹھے، پہلو کے بل، چت لٹا کر اس کے برعکس۔ اس میں بڑی گنجائش ہے، کوئی تنگی نہیں ہے۔ البتہ

اس کا خیال رہے کہ خلاف وضع فطرت عمل نہ ہو۔ دخول فرج میں ہو نہ کہ دوسری جگہ۔

نعمان کی روایت میں مزید یہ آیا ہے کہ زہریؒ سے مروی ہے کہ اِنْ شَآءَ مُجَبِّيَةً وَ اِنْ شَآءَ غَيْرَ مُجَبِّيَةٍ غَيْرَ اَنَّ ذٰلِکَ فِيْ صَمَامٍ وَّاحِدٍ ''شوہر چاہے تو اس صورت میں کہ بیوی اوندھی ہو اور چاہے تو اس حالت میں کہ بیوی اوندھی نہ ہو جماع کرے مگر جماع ایک ہی سوراخ میں کرے یعنی قُبُل (فرج) میں۔''

اس سلسلے میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت میں ہے: اِنَّ الْاَنْصَارَ کَانُوْا يَحَبُّوْنَ النِّسَآءَ انصار اپنی عورتوں سے مباشرت پیچھے سے مختلف ہیئتوں میں کرتے تھے۔ حضورؐ تک جب ایک '' خاتون کی شکایت پہنچی تو آپؐ نے قرآن کی آیت نِسَآءُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ تلاوت فرمائی اور اس پر صَمَاماً وَاحِدًا کا اضافہ فرمایا یعنی دخول ایک ہی سوراخ (فرج) میں روا ہے۔

يحبون کا مادّہ (Root) حبو ہے۔ حبو کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں کے بل یا اپنے دونوں گھٹنوں کے بل چلے۔ حَبَا عَلٰی يَدَيْهِ وَ رُکْبَتَيْهِ(To go on all fourth) یعنی دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کے بل چلنا۔ اس صورت میں جو ہیئت بنتی ہے وہ عورت کے پٹ لیٹنے کی عام ہیئت سے مختلف تقریباً رکوع اور سجدے کی ہیئت بھی ہوتی ہے۔ الغرض مرد اپنی بیوی سے متنوع ہیئتوں سے مباشرت کرسکتا ہے۔

(۴) وَ عَنْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمْ اَهْلَهٗ ثُمَّ اَرَادَ اَنْ يَّعُوْدَ فَلْيَتَوَضَّا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی سے جماع (مباشرت) کرے، پھر وہ دوبارہ کرنا چاہے تو اسے وضو کرلینا چاہیے۔''

تشریح: وضو کرلینے سے سستی دور ہوجاتی ہے اور ایک قسم کی تازگی اور فرحت حاصل ہوتی ہے۔ مباشرت کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ آدمی بے دلی اور بے لطفی کی حالت میں نہ ہو۔ ازروئے طب بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

(۵) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا کَانَ جُنُبًا فَاَرَادَ اَنْ يَّاْکُلَ اَوْ يَنَامَ تَوَضَّاَ وَضُوْءَهٗ لِلصَّلٰوةِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”رسول اللہ ﷺ جب جنبی ہوتے اور کھانا یا سونا چاہتے تو وضو کر لیتے، جیسے نماز کے لیے وضو فرماتے تھے۔“

تشریح: یعنی مباشرت کے بعد ضروری نہیں کہ آدمی فوراً ہی غسل کرے۔ لیکن سونا، یا کچھ کھانا پینا چاہے تو اس سے پہلے اسے وضو کر لینا چاہیے۔ آدمی کو حتی الامکان اس حالت اور اس کیفیت کے ساتھ رہنا چاہیے، جس سے شیاطین اس پر اثر انداز نہ ہو سکیں اور خدا کی پاکیزہ مخلوق فرشتے اس سے دوری اختیار نہ کریں۔

﴿۶﴾ وَ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَتْ اِحْدَانَا اِذَا كَانَتْ حَائِضاً اَمَرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَتَاْتَزِرُ بِاِزَارٍ ثُمَّ يُبَاشِرُهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ کوئی حائضہ ہوتی تو رسولِ خدا ﷺ اسے تہ بند باندھنے کا حکم دیتے پھر اس کے ساتھ مباشرت کرتے تھے۔

تشریح: ایام حیض میں عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ رہنے سہنے، ساتھ لیٹنے وغیرہ میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

یہاں مباشرت سے مراد جماع نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اختلاط، مساس وغیرہ ہے۔ جماع سے بچتے ہوئے حائضہ کے بدن سے حظ حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَ هُوَ صَائِمٌ وَ يَمَصُّ لِسَانَهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ روزہ سے ہوتے تھے اور ان کا بوسہ لیتے تھے اور ان کی زبان چوستے تھے۔

تشریح: سنن ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ میرا بوسہ لیتے تھے اور آپؐ اور میں دونوں روزے سے ہوتے تھے۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی بیویوں سے کس درجہ پیار تھا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیویوں کے ساتھ محبت اور انتہائی تعلق کا اظہار دین داری کے منافی ہرگز نہیں ہے۔ روزے کی حالت میں بھی بیوی کا بوسہ لینے اور زبان وغیرہ چوسنے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اس کے لیے یہ شرط ہے کہ آدمی کو نفس پر قابو ہو۔ اس لیے کہ روزہ کی حالت میں جماع کی اجازت نہیں ہے۔

〈۸〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ زَادَ اِسْحَاقُ قَالَ سُفْيَانُ لَوْكَانَ شَيْئًا يُنْهٰى عَنْهُ لَنَهَانَا عَنْهُ الْقُرْاٰنُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ عزل کرتے تھے اور قرآن اترتا تھا۔ اسحاق کی روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سفیان نے کہا کہ اگر عزل برا ہوتا تو قرآن اس سے ہمیں روک دیتا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عزل کی اگر سرے سے کوئی گنجائش نہ ہوتی تو قرآن میں اس کی ممانعت کا حکم نازل ہو جاتا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بیوی کی صحت وغیرہ کے پیش نظر یہ نہیں چاہتا کہ بیوی کو حمل قرار پائے۔ اس کے لیے وہ انزال کے وقت اپنے کو بیوی سے الگ کر لیتا ہے تاکہ منی کا اخراج باہر ہو۔ اسی کو عزل کہتے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانے میں لوگ عزل کرتے تھے۔ آپؐ سے اس کے بارے میں دریافت بھی کیا گیا۔ آپؐ نے اس سلسلے میں جو جوابات دیے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عزل ممنوع اور حرام تو نہیں لیکن یہ فعل پسندیدہ بھی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے خاص حالات اور ناگزیر مصالح کے تحت عزل کرتا ہے تو اس کی گنجائش ہے، اسے گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اپنی آزاد منکوحہ سے اس کی اجازت کے بعد ہی عزل کیا جا سکتا ہے۔ عزل سے صرف یہی نہیں کہ حمل قرار نہیں پاتا بلکہ اس کی وجہ سے عورت کی جنسی لذت میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔ آزاد منکوحہ کا یہ حق ہے کہ بچہ کی طالب ہو یا جنسی لذت کی کمی گوارا نہ کرے۔ اس لیے عزل کے لیے اس کی اجازت حاصل کرنی ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آزاد منکوحہ کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے اللہ کے رسولؐ نے منع فرمایا ہے۔ (ابن ماجہ)

〈۹〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِىْ اِلٰى اِمْرَاَتِهٖ وَ تُفْضِىْ اِلَيْهِ ثُمَّ يُنْشِرُ سِرَّهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ”اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے برا قیامت کے روز وہ شخص ہوگا، جو اپنی عورت کے پاس جائے اور عورت اس کے پاس جائے (یعنی مباشرت کرے) اور پھر وہ شخص اس کا راز (دوسروں پر) ظاہر کرتا پھرے۔“

تشریح: یعنی قیامت کے روز جو حقیقت میں معاملات کے اصل فیصلے کا دن ہے، ایسا شخص نہایت برا قرار پائے گا، جو اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان پیش آنے والے جنسی (Sexual) معاملات اور نہایت نجی امور کو دوسروں سے بیان کرتا پھرے۔ بیوی سے ہم بستری کے بعد اس کے عیب و ہنر یا اس کے جنسی اوصاف کو دوسروں سے بیان کرنا اور بیوی کے راز کا افشاء کرنا نہایت بے شرمی کی بات ہے۔ بے شرمی کو روا رکھنے والا شخص قیامت کے روز بہتر شخص کیسے قرار پا سکتا ہے۔

〈۱۰〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْاَمَانَةِ عِنْدَ اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَلرَّجُلُ یُفْضِیْ اِلٰی اِمْرَاَتِهٖ وَ تُفْضِیْ اِلَیْهِ ثُمَّ یَنْشُرُ سِرَّهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”سب سے بڑی امانت اللہ کے نزدیک قیامت کے روز یہ ہے کہ مرد اپنی عورت سے صحبت کرے اور عورت مرد سے، پھر وہ مرد اس کا راز ظاہر کر دے۔“

تشریح: خلوت میں بیوی اور شوہر کے درمیان مباشرت اور دیگر بے تکلفی کی جو باتیں پیش آتی ہیں ان کی حیثیت ایک بڑی امانت کی ہے۔ امانت میں خیانت روا نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اس امانت کی حفاظت نہیں کرتا تو قیامت کے دن وہ ایک ایسے خائن کی صورت میں اٹھے گا، جس نے سب سے بڑی امانت میں خیانت کا ارتکاب کیا ہو۔ شوہر کی یہ ذمے داری ہوتی ہے کہ خلوت میں جو کچھ بیوی کے ساتھ معاملات ہوتے ہیں، ان کو کسی سے بیان نہ کرے۔ اس سلسلے میں بیوی کے اقوال و افعال کو دوسروں پر ظاہر نہ کرے۔ اس لیے کہ ایک تو یہ بے حیائی کی بات ہے۔ دوسرے کوئی عورت اس چیز کو کبھی پسند نہیں کر سکتی کہ خلوت میں جو کچھ پیش آیا ہے، اسے بازار میں عام کیا جائے۔ شوہر اور بیوی دونوں ہی کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ زن و شوہر کے درمیان تنہائی اور مباشرت کی حالت میں جو کچھ پیش آتا ہے اس کی حیثیت امانت کی ہے۔ اور دونوں میں سے کسی کے لیے یہ روا نہیں ہے کہ وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہو۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا مِنْ رَّجُلٍ یَدْعُوْا اِمْرَاَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَتَاَبٰی عَلَیْهِ اِلَّا کَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ سَاخِطًا عَلَیْهَا حَتّٰی یَرْضٰی عَنْهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات کی قسم، جس

کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو لازماً وہ (خدا) جو آسمان میں ہے۔ اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک شوہر اس سے راضی نہ ہو جائے۔

تشریح: ''وہ جو آسمان میں ہے'' یعنی وہ خدا جس کی حکومت زمین ہی میں نہیں آسمان میں بھی ہے۔ آسمان سے بلندی کا تصور ہوتا ہے اس لیے آسمان کا ذکر فرمایا ورنہ خدا زمان و مکان سے ماوراء ہے۔ وہ اپنے وجود کے لیے کسی جگہ اور مکان کا محتاج نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ شوہر کو ناراض کر کے بیوی اس سے الگ رہے اور شوہر کی جائز خواہش کو پورا کرنے سے انکار کر دے۔

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ عورت انکار کر دے اور شوہر رات غصہ کی حالت میں گزارے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

یہ اور اس طرح کی احادیث اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلام رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا اور نہ اس کی نگاہ میں اعلیٰ روحانی مقام کے حصول کے لیے رہبانیت کوئی ضروری چیز ہے۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى اِمْرَأَةً فِیْ دُبُرِهَا. (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ملعون ہے، جو بیوی کے ساتھ خلاف وضع فطرت عمل کرے۔''

〈۱۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلاً اَوِ امْرَأَةً فِی الدُّبُرِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مرد یا کسی عورت کے ساتھ خلافِ فطرت عمل کرے اللہ اس کی طرف نظر (رحمت کی نظر) نہ فرمائے گا۔''

〈۱۴〉 وَ عَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لاَ يَسْتَحْیِ مِنَ الْحَقِّ لاَ تَاْتُوا النِّسَآءَ فِیْ اَدْبَارِهِنَّ. (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت خزیمہ بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ حق بات کہنے سے

نہیں شرماتا، تم عورتوں سے خلافِ وضعِ فطرت مباشرت نہ کرو۔"

تشریح: اوپر کی روایت سے واضح ہے کہ یہ خدا کی تعلیم کے خلاف ہے کہ تم عورتوں سے مباشرت اس طرح کرو کہ دخول بجائے فرج میں کرنے کے پیچھے کے حصہ (پاخانہ کے راستہ) میں کرو۔ ایسی بدفعلی کرنے والا شخص ملعون ہے۔ وہ خدا کی رحمت کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ خدا ہرگز اس پر نگاہ کرم نہ فرماوے گا۔ خلافِ فطرت عمل کرکے ایسا شخص خدا کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس گھناؤنے عمل کا عادی ہے تو اسے فوراً توبہ کرنی چاہیے یا پھر اُسے اپنے برے انجام کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَتٰی حَائِضًا اَوِ امْرَأَةً فِیْ دُبُرِهَا اَوْ كَاهِنًا فَقَدْ كَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ. (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "جس کسی شخص نے حائضہ سے جماع کیا، یا عورت سے خلافِ وضعِ فطرت مباشرت کیا، یا کاہن کے پاس آیا تو اس نے اس (دین) کا انکار کیا، جو محمدؐ پر نازل ہوا ہے۔"

تشریح: جس طرح عورت سے خلاف وضع فطرت مباشرت کرنا روا نہیں ہے۔ اسی طرح عورت سے اس کے حیض کے ایام میں جماع کرنا بھی درست نہیں ہے۔ قرآن میں بھی ہے: فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلاَ تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ (البقرۃ:۲۲۲) "پس حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ (یعنی جماع نہ کرو) جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجائیں۔" کاہن کی باتوں پر یقین کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ غیبی امور کا حقیقی علم تو خدا کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا۔

اب اگر کوئی شخص ان ممنوعات سے باز نہیں آتا تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ خدا کے احکام کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھتا۔ احکام وہدایت کی شکل میں خدا نے تو نعمت عطا فرمائی ہے اور وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔

تعددِ ازدواج

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ غَیْلاَنَ بْنِ سَلَمَةَ الثَّقَفِیَّؓ اَسْلَمَ وَ لَهٗ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَاَسْلَمْنَ مَعَهٗ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَمْسِکْ اَرْبَعًا وَ فَارِقْ سَائِرَهُنَّ. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ غیلان ثقفیؓ نے جب اسلام اختیار کیا، اس وقت اُن کی دس بیویاں تھیں، جن سے زمانۂ جاہلیت میں انھوں نے شادی کی تھی۔ ان سب بیویوں نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کرلیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''چار بیویاں رکھو اور باقی کو جدا کردو۔''

تشریح: یہ حدیث اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اہلِ کفر حالتِ کفر میں جو شادی کرتے ہیں شریعت نے معتبر قرار دیا ہے۔ ایمان لانے کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ البتہ شریعت یہ ضرور دیکھے گی کہ نکاح ایسے رشتہ کی عورتوں سے نہ ہوا ہو جن سے نکاح کرنا اسلام میں حرام ہے۔ یا نکاح میں ایسے رشتے والی عورتیں نہ ہوں، جن کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا شریعت میں روا نہیں ہے۔

حالتِ کفر کی شادی کو معتبر قرار دینا اسلامی شریعت کا نہایت حکیمانہ فیصلہ ہے۔ شریعت میں غیر ضروری تنگی کو پسند نہیں کیا گیا ہے۔ اگر شریعت ان شادیوں کو جو ایام کفر میں ہوئی ہوں ناجائز قرار دے دیتی تو پھر اس کا یہ مطلب ہوتا کہ اہل کفر اسلام قبول کرنے سے پہلے حرام کاری اور زنا میں مبتلا رہتے ہیں اس سے ان کا اخلاقی وقار حد درجہ مجروح ہو کر رہ جاتا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی زیادہ سے زیادہ چار عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ چار عورتوں سے زیادہ بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے۔ تعددِ ازدواج کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لازماً ہر مسلمان کو کئی شادی کرنی چاہیے۔ تعددِ ازدواج کی اجازت محدود بھی ہے اور مشروط بھی۔ محدود اس معنی میں کہ آدمی بیک وقت چار سے زیادہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔ اور یہ اجازت مشروط اس معنی میں ہے کہ شوہر کو اپنی بیویوں کے درمیان عدل و مساوات کا برتاؤ کرنا ہوگا۔ اگر وہ ان کے درمیان حقوق کی ادائیگی میں عدل نہیں کرسکتا تو پھر اسے کئی شادی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔

اسلام نے مردوں کو بوقتِ ضرورت تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے۔ اس اجازت کی حکمت و مصلحت کو بہ ادنیٰ تامل سمجھا جاسکتا ہے۔ مرد بالعموم عورتوں کے مقابلے میں زیادہ توانائی اور قوت کا حامل ہوتا ہے۔ عورتوں کو حیض، نفاس اور ولادت جیسے عوارض سے سابقہ پیش آتا ہے، جن میں وہ شوہر کی جنسی خواہش کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ ایسی حالت میں اگر مرد کی خواہش میں طوفان بپا ہو تو وہ کیا کرے گا۔ اگر اسے تعددِ ازدواج کی اجازت حاصل نہ ہو تو اس

کے غلط راستے پر پڑ جانے کے امکانات سے کون انکار کر سکتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ ناجائز طریقے سے چوری چھپے شہوت رانی کرے گا اور معاشرہ کی پاکیزگی کو نقصان پہنچانے کا مرتکب ہوگا۔ جس معاشرہ میں تعدد ازدواج کو قانوناً ممنوع قرار دیا گیا ہے وہاں زنا، بدکاری اور جنسی آوارگی کا بازار ہی گرم دکھائی دیتا ہے۔ پھر مرد و زن کے ناجائز تعلقات کے نتیجے میں لاوارث ولدالزنا بچوں کی ایسی کھیپ تیار ہوگئی ہے، جس نے بہت سے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیے ہیں۔

بعض اوقات عورت کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے، جو اسے دائم المریض بنا کر رکھ دیتا ہے۔ اور وہ اس قابل نہیں رہتی کہ مرد کی جنسی خواہشات کو پوری کر سکے۔ ایسی صورت میں اگر مرد کو اس بیوی کی موجودگی میں آپ دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتے تو وہ آخر کیا کرے گا۔ اب یا تو وہ دوسری شادی کے جواز کے لیے اپنی مریض بیوی کو طلاق دے کر اسے جدا کر دے گا، جسے انسانیت کی موت کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں دیا جا سکتا۔ اس لیے بیمار اور معذور بیوی تو اس کی اعانت اور سہارے کی محتاج ہوتی ہے۔ اسے بے سہارا اور لاوارث چھوڑ دینا اخلاقی لحاظ سے کیوں کر روا ہو سکتا ہے۔ یا وہ اسے طلاق تو نہیں دے گا لیکن جنسی تسکین کے لیے گھر سے باہر کا رُخ کرے گا اور دوسری عورتوں کو اپنی ہوس ناکیوں کا نشانہ بنائے گا اور یہ ایسا ستم ہوگا، جس کے خطرناک عواقب کا اندازہ ہر عقل و فہم رکھنے والا شخص بہ آسانی کر سکتا ہے۔

بعض اوقات بیوی کے بانجھ ہونے کی وجہ سے اس سے اولاد کی توقع نہیں ہوتی۔ اب اگر مرد اولاد کی غرض سے ـــ جو اس کی جائز خواہش ہے ـــ دوسری شادی کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور یہ اجازت اسے حاصل نہیں ہوتی تو وہ لازماً اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور ہوگا۔ لیکن اگر تعدد ازدواج کی قانونی گنجائش ہو تو اسے اپنی محبوب بیوی کو جدا کرنے کی کوئی ضرورت نہ پیش آئے گی وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی کر کے اپنی قسمت آزمائی کر سکتا ہے۔

انسانی دنیا میں کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی موجودگی میں مرد کو کسی دوسری غیر شادی شدہ عورت سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتا۔ اور وہ دونوں شادی کر لینی چاہتے ہیں۔ اگر پہلی بیوی کی موجودگی میں اسے اس کی اجازت حاصل نہ ہو تو اس کا انجام فعل حرام یا خودکشی کے سوا آخر اور کیا ہو سکتا ہے۔

بیوہ، مطلقہ، یتیم یا لاوارث لڑکیوں کا مسئلہ ایک اہم لائق توجہ سماجی مسئلہ ہے، جس سے

صرفِ نظر کرنا کسی گناہِ عظیم سے کم نہیں ہوسکتا۔ ہم سب جانتے ہیں ایسی لڑکیوں کو بالعموم کنوارے لڑکے ملنے مشکل ہوتے ہیں۔ اگر ان کی شادی کا مسئلہ اس طرح حل نہ کیا جائے کہ ایسی عورتیں ان مردوں سے شادی کرلیں جن کے پاس بیوی ہو لیکن وہ کسی معقول سبب سے دوسری شادی کرنے کے خواہش مند ہوں اگر ایسی عورتوں کے بے شوہر کے رہنے دیا جائے تو سماج سخت جنسی بے راہ روی سے دوچار ہو جائے گا۔

دنیا کے بیشتر ممالک میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے، جس کی وجہ سے معاشرہ میں ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے کہ زائد لڑکیوں کا کیا ہو۔ اس مسئلہ کا اس کے سوا اور کیا معقول حل ہوگا کہ مردوں کو ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دی جائے ورنہ معاشرہ کو فواحش ومفاسد سے محفوظ رکھنا ممکن نہ ہوگا۔

پھر جنگوں میں کبھی کبھی اتنے مرد مارے جاتے ہیں کہ مرد وعورت کے درمیان تعداد کا تناسب باقی نہیں رہتا۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں یک زوجگی پر اصرار عورتوں کی ایک بڑی تعداد کو شادی سے محروم کردے گا۔ عورتوں کی ایک بڑی تعداد کو شادی کی نعمت سے محروم رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہوسکتا۔ تمام مادّی راحتوں اور آسائشوں کے باوجود شادی کے بغیر حقیقی سکون وراحت سے انسان محروم ہی رہتا ہے۔ شادی کے سوا اس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔

اولاد کی خواہش بھی عورتوں کو مردوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ماں بننے کے بعد ہی صحیح معنی میں عورتوں کی نسائیت کی تکمیل ہوتی ہے۔

پھر جنگ کی حالت میں ان جوانوں اور جاں نثاروں کی بیویوں اور ان کے بچوں کی غم خواری کی فکر نہ کرنی جنھوں نے ملک کے دفاع کے لیے اپنی جانیں نثار کی ہوں حد درجہ کی احسان ناشناسی ہوگی۔ ان کی بہترین غم خواری اور ان کے ساتھ ہم دردی یہ ہے کہ سماج کے افراد ان کی بیواؤں کو بے یارومددگار نہ رہنے دیں بلکہ ان سے شادی کرکے انھیں اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت اور سرپرستی قبول کرلیں۔ خواہ انھیں اس کے لیے کچھ پریشانیاں ہی کیوں نہ برداشت کرنی پڑیں۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد جرمنی میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی غیر معمولی کثرت

نے ایک مسئلہ پیدا کر دیا تھا۔ اس مسئلہ پر غور وخوض کے لیے سمینار ہوا۔ غور وفکر اور تمام بحث و مباحثہ کے بعد شرکاء اجلاس اسی نتیجے پر پہنچے کہ اس مسئلہ کا معقول و باعزت حل صرف تعدد ازدواج ہے۔ جرمنی حکومت نے تعدد ازدواج کے سلسلے میں تفصیلی واقفیت کے لیے شیخ الازہر مصر کے نام مراسلہ بھیجا اور پھر ایک وفد بھی روانہ کیا۔ (المرأۃ بین الفقه والقانون، ص ۷۵)

برنارڈ شاہ نے بھی لکھا ہے کہ اگر عالم انسانیت کسی بڑے حادثہ سے دوچار ہو جائے جس کی وجہ سے تین چوتھائی مرد ہلاک ہو جائیں، اس وقت اگر شریعتِ محمدیؐ پر عمل ہو اور ہر مرد کے لیے چار بیویوں کی گنجائش سے فائدہ اٹھایا جائے تو بہت تھوڑی مدت میں مردوں کی کمی کی تلافی ممکن ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: قَالَ اِذَا کَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ یَعْدِلْ بَیْنَهُمَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ شِقُّهٗ سَاقِطٌ. (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی شخص کے پاس دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل ومساوات کا برتاؤ نہ کرے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط ہوگا۔''

تشریح: بیوی درحقیقت شوہر کے اپنے ہی جسم کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اب اگر وہ اس کے ساتھ عدل وانصاف سے کام نہیں لیتا تو یہ بے انصافی خود اپنے جسم کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس بات کو اگر کوئی اس دنیا میں نہیں سمجھتا تو آخرت میں تو حقیقت نمایاں اور ظاہر ہو کر رہنے والی ہے۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ شریعت کا جو حکم دو بیویوں کے بارے میں ہے وہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب کہ بیویاں دو سے زیادہ ہوں، شوہر کا فرض ہے کہ وہ عدل وانصاف کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہ جانے دے۔

〈۳〉 وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَآئِهٖ فَیَعْدِلُ وَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِکُ وَلَا اَمْلِکُ.

(ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ اپنی بیویوں کے درمیان باری مقرر فرماتے اور عدل ومساوات سے کام لیتے اور یہ دعا مانگا کرتے تھے: ''اے اللہ، یہ میری تقسیم اس معاملے

میں ہے، جو میرے اختیار میں ہے، پس اس معاملے میں مجھے ملامت نہ فرما، جو تیرے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عام حقوق اور برتاؤ میں تو میں اپنی بیویوں کے ساتھ یکساں معاملہ رکھتا ہوں لیکن قلبی میلان اور محبت اگر کسی کے ساتھ زیادہ ہو تو اس پر گرفت نہ فرمانا، اس لیے کہ قلبی میلانات اور محبت کے جذبہ پر بندے کا اپنا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

شوہر کے حقوق

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَیْرُ نِسَآءٍ رَكِبْنَ الْاِبِلَ صَالِحُ نِسَآءِ قُرَیْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰی وَلَدٍ فِیْ صِغَرِهٖ وَ اَرْعَاهُ عَلٰی اَزْوَاجٍ فِیْ ذَاتِ یَدِهٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں، جو چھوٹے بچوں پر نہایت شفیق ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی محافظ ہوتی ہیں۔''

تشریح: اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں سے مراد عرب کی عورتوں ہیں۔ عرب کی عورتیں عام طور سے اونٹوں کی سواری کرتی تھیں، اسی لیے انھیں ''اونٹوں پر سواری کرنے والی عورتیں'' کہا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ بہترین عورتوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ ایک طرف بچوں پر شفقت کرنے والی ہوں، دوسری طرف وہ اپنے شوہر کے مال کو ضائع نہ ہونے دیں بلکہ اس کی حفاظت کرنے میں پیش پیش رہیں۔

(۲) وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ. (ابوداود، نسائی)

ترجمہ: حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم ایسی عورت سے شادی کرو، جو (خاوند سے) نہایت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہو۔ کیوں کہ میں دوسری امتوں کے مقابلے میں تمھاری کثرت پر فخر کروں گا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مطلوبہ اوصاف جس عورت میں پائے جائیں اس سے شادی کرلو اور اگر ایسی عورت تمھارے نکاح میں ہو تو اس رشتۂ زوجیت کو قائم رکھو۔ تمھاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ باہم کبھی جدائی پیش نہ آئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی ایک پسندیدہ خوبی یہ ہے کہ اس کے اندر محبت کا جذبہ زیادہ سے زیادہ پایا جائے اور وہ اپنے شوہر کو محبوب رکھے۔ کسی عورت کی دوسری بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بانجھ نہ ہو بلکہ اس سے زیادہ بچے پیدا ہوں۔ اپنی امت کے افراد کی کثرت پر پیغمبر اسلامؐ فخر محسوس فرمائیں گے۔ ہادیانِ حق کی یہی شان ہوتی ہے وہ مال و متاع کی کثرت پر نہیں بلکہ پیروانِ حق کی کثرت پر فخر کرتے اور اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ وہ ان گوشہ گیر لوگوں کی طرح نہیں سوچتے، جنھیں صرف اپنے گیان و دھیان کی فکر ہوتی ہے۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس سے وہ کوئی خاص غرض نہیں رکھتے۔

(۳) وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَ اَنْتَقُ اَرْحَامًا وَ اَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ. (ابن ماجہ بطریق ارسال)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن سالم بن عتبہ بن عویم بن ساعدہ انصاری اپنے والد (حضرت سالم) سے اور وہ عبدالرحمٰن کے دادا (حضرت عتبہ تابعی) سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم کنواری عورتوں سے نکاح کرو کیوں کہ وہ شیریں دہن، زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہوتی ہیں اور تھوڑے پر بھی بہت راضی رہتی ہیں۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ خوش کلامی اور شیریں دہنی ایک مطلوب وصف ہے، جو عورت میں ہونا چاہیے۔ اسی طرح عورت اگر تھوڑے پر راضی رہتی ہے اور اس سے زیادہ بچے پیدا ہونے کی توقع ہو تو یہ بھی اس کے مطلوب اور پسندیدہ اوصاف و خصوصیات میں سے ہے۔ کنواری عورت میں اُن خصوصیات کے موجود ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ کنواری عورت، بیوہ یا مطلقہ عورت کے مقابلے میں زیادہ معصوم صفت اور بھولی بھالی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ شوہر سے پہلی بار آشنا ہوتی ہے، وہ ایک ایسی زندگی سے روشناس ہوتی ہے، جس کا اسے پہلے سے کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ یہ زندگی اس کے لیے مسحور کن ہوتی ہے۔ اب شوہر اس کے لیے سب کچھ ہوتا

ہے۔اس کا خاونداس سے خوش ہوتو سمجھیے اسے سب کچھ مل گیا۔وہ تھوڑے پر بھی قانع رہتی ہے، زیادہ مال واسباب کا مطالبہ کرنا وہ نہیں جانتی۔

(۴) وَ عَنْ اَبِی اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ یَقُوْلُ: مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰهِ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَ اِنْ نَّظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَ اِنْ اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَ اِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَ مَالِهٖ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’مومن اللہ کے تقویٰ کے بعد سب سے بہتر جس چیز سے مستفید ہوتا ہے وہ اچھی نیک بیوی ہے، کہ وہ (شوہر) اگر حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو (شوہر کو) خوش کردے اور اگر وہ قسم دے تو وہ اسے پورا کرے اور اگر وہ شوہر موجود نہ ہو تو وہ اپنے نفس کے سلسلے میں بھی اور اس کے مال کے سلسلے میں بھی شوہر کی خیرخواہ ثابت ہو۔‘‘

تشریح: اس حدیث سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اللہ کا تقویٰ زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے۔تقویٰ کے بغیر زندگی اپنے حقیقی معنی ومفہوم سے ناآشنا ہی رہتی ہے۔تقویٰ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری زندگی کا اصل مرکز ومحور خدا کی ذات ہو۔اپنے وجود میں ہم آپ اپنا مقصود نہیں ہیں۔زندگی کا مقصود اصلی وہ رب کائنات ہے، جو تمام حسن وکمال سے متصف اور وجود وحیات کا سرچشمہ ہے۔زندگی کا یہ مقصود، زندگی کو زندگی کے جس اعلیٰ اور خوشتر مفہوم سے آشنا کرتا ہے اس سے بڑھ کر کسی برتر اور جاذبِ قلب ونگاہ مقصدِ حیات کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

اس حدیث میں عورت کے جن بہترین خصائل کا تذکرہ فرمایا گیا ہے ان سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک عورت پر اس کے شوہر کے حقوق کیا اور کس قسم کے ہوتے ہیں۔بہتر عورت وہ ہے، جو اپنے خاوند کی طاعت گزار ہو بشرطیکہ اس کے حکم کی تعمیل سے خدا کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اپنے حسن اور پاکیزہ سیرت اور اپنی محبت آمیز نگاہوں سے اس کے دل میں جگہ بنالے اور اسے خوش کردے۔شوہر کے قسم کو پورا کرنے میں اسے کوئی تامل نہ ہو، یعنی وہ شوہر کی مرضی اور اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور مرضی پر مقدم رکھے۔اگر اس کا شوہر کسی کام کے کرنے کی اسے قسم دے تو وہ اس کو پورا کردے، خواہ وہ کام اس کی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو یا نہ ہو۔شوہر کی خوشی کے مقابلے میں اپنی خواہش کی اسے کوئی پروانہ

ہو۔شوہر اگر کچھ روز کے لیے کہیں باہر گیا ہو تو اس سے اس کی وفاداری اور جذبہ اطاعت میں کوئی فرق واقع نہ ہو۔شوہر کی عدم موجودگی میں بھی وہ اپنی عصمت اور شوہر کے مال و اسباب کی محافظت کا پورا خیال رکھے۔

〈۵〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ النِّسَآءِ خَیْرٌ؟ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَ تُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلاَ تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلاَ مَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ.

(نسائی، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’وہ عورت جس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، اور جب شوہر اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اور اپنی ذات اور اپنے مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے، جو اسے ناپسند ہو۔‘‘

تشریح: ’’اپنے مال‘‘ سے مراد اس بیوی کا مال بھی ہو سکتا ہے، جس کی وہ مالک ہو اور اس سے مراد وہ مال بھی ہو سکتا ہے، جو اس کی ملکیت نہ ہو۔ملکیت تو اس کے شوہر کی ہو البتہ وہ بیوی کے تصرف میں ہو۔

پسندیدہ بیوی کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ شوہر کے مال کو ہی نہیں، اپنے مال کو بھی اس طرح خرچ نہیں کرتی کہ وہ اس کے شوہر کی ناراضی کا سبب بن سکے۔وہ شوہر کے دیے ہوئے مال کو امانت سمجھتی ہے۔اس میں کسی قسم کی خیانت کی روادار نہیں ہوتی۔اگر وہ شوہر کا مال خرچ کرتی ہے تو اس میں شوہر کی مرضی لازماً شامل ہوتی ہے۔شوہر کی مرضی کے خلاف وہ ایک پیسہ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتی۔

〈۶〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلاَ ثَةٌ لاَ تُقْبَلُ لَهُمْ صَلٰوةٌ وَلاَ تُصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَوَالِیْهِ فَیَضَعَ یَدَهٗ فِیْ اَیْدِیْهِمْ وَالْمَرْاَةُ السَّاخِطُ عَلَیْهَا زَوْجُهَا وَالسَّکْرَانُ حَتّٰی یَصْحُوَ. (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’تین اشخاص ایسے ہیں، جن کی نہ تو نماز قبول ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر جاتی ہے۔ایک تو بھاگا ہوا غلام جب تک وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آکر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہ دے دے، دوسری وہ عورت جس کا

خاوند اس سے ناراض ہو۔ اور تیسرا نشہ باز جب تک ہوش میں نہ آئے۔"

تشریح: ایک روایت میں "وَالْمَرْأَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا" کے بعد حَتّٰى يَرْضَا عَنْهَا کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی جس عورت کا شوہر اس سے ناراض ہو اس کی نماز اس وقت تک قبول نہیں ہوتی اور نہ اس کی کوئی نیکی اوپر چڑھتی (خدا کے یہاں مقبول ہوتی) ہے جب تک کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش نہ ہو جائے۔

〈۷〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِيَ خَيْرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ: قَلْبٌ شَاكِرٌ وَ لِسَانٌ ذَاكِرٌ وَ بَدَنٌ عَلَى الْبَلَآءِ صَابِرٌ وَ زَوْجَةٌ لَا تُبْغِيْهِ خَوْنًا فِيْ نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ. (بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس کسی کو مل جائیں، اسے دنیا و آخرت کی بھلائی مل گئی، شکر گزار دل، ذاکر زبان، بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور ایسی بیوی جو اپنی ذات اور خاوند کے مال میں خیانت کی مرتکب نہ ہو۔"

تشریح: یہ حدیث بڑی جامع ہے۔ اس میں تعلیم اس بات کی دی گئی ہے کہ آدمی اگر دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا خواست گار ہے تو اسے دنیا میں کس طرح کی زندگی بسر کرلی ہوگی۔ خدا کی بے پایاں عنایات اور نوازشوں کے باوجود دل میں اگر جذبۂ شکر نہیں اُبھرتا تو حقیقت میں یہ دل نہیں، گوشت کا محض ایک لوتھڑا ہے، جو کسی بھی جانور کے جسم میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اسی طرح زبان سے اگر ہم سب کچھ بیان کرتے ہیں، زبان کو اگر نہیں استعمال کرتے تو خدا کے ذکر اور اس کی عظمتوں کے تذکرہ کے لیے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم زندگی کے اصل خیر اور اس کی لذت سے بے خبر رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ حیاتِ دنیا کی ایک بڑی مطلوب شے سے، ہم نے اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔ یہاں کی ایسی محرومی آخرت کی محرومی کی ایک بڑی علامت ہے۔

اسی طرح صابر جسم جو مشقتوں کو برداشت کرے بڑی نعمت ہے۔ اگر جسمانی طور پر ہم سختیوں اور مشقتوں کو برداشت نہیں کر سکتے تو قدم قدم پر ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ راہِ حق میں جدوجہد کرنے کا حق ادا کرنے سے ہم قاصر رہ جائیں گے۔ دنیا کی زندگی بھی مشکل ہو جائے گی اور سرمایۂ حیات فراہم کرنے کی قوت اور صلاحیت بھی ہم میں نہ ہوگی۔

دنیا اور آخرت کی بھلائی کے حصول کے لیے جہاں قلب شاکر، لسان ذاکر اور جسم صابر کی ضرورت ہے وہیں اس بھلائی کے حصول میں وہ عورت بھی مددگار ثابت ہوتی ہے، جو نیک اور شوہر کی وفادار ہو۔ ایسی عورت دنیا کی خود ایک بھلائی اور خیر ہے اور ساتھ ہی حصولِ آخرت میں بھی شوہر کی معاون اور مددگار بھی ہوتی ہے۔

(۸) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ كُنْتُ آمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی شخص کو سجدہ کرے تو لازماً میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔''

تشریح: ایک مثالی شوہر محض ایک محبوب شوہر نہیں بلکہ وہ بیوی کا سرپرست اور انتہائی غم گسار اور بہی خواہ بھی ہوتا ہے۔ وہ بیوی کو اپنی خادمہ نہیں سمجھتا، اسے دل سے عزیز رکھتا ہے۔ بیوی کو بھی اس سے فدائیت اور محبت کا تعلق ہونا چاہیے۔ وہ اس کا حق پہچانے، اس سے محبت ہی نہیں اس کا دل سے احترام بھی کرے۔ اسی سے اس کی اپنی نسائیت کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس بیوی اگر کوئی دوسری روش اختیار کرتی ہے تو اس سے خود اس کی اپنی فطرت مجروح ہوگی۔ یہ روش اس کے لیے ہرگز سکون بخش ثابت نہ ہوگی۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ بیوی کی نگاہ میں شوہر کا کیا مرتبہ ہونا چاہیے۔ اور اسے اپنے شوہر کی کس درجہ فرماں بردار اور اطاعت گزار ہونی چاہیے۔

(۹) وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَ زَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس عورت کو اس حالت میں موت آئے کہ اس کا خاوند اُس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

تشریح: شوہر کو خوش اور راضی رکھنا عورت کے لیے ایک بڑی نیکی ہے۔ شوہر کا بیوی سے خوش اور راضی رہنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کی بیوی اپنے رب کے احکام کا دل سے احترام کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی نیک دل خاتون کا ٹھکانہ جنت کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا۔

(۱۰) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمَرْاَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَ

صَامَتْ شَهْرَهَا وَ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَ اَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَیِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَ تْ. (ابونعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے، ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کے حقوق کی ادائیگی کے بعد عورت پر سب سے بڑا حق اس کے شوہر کا ہوتا ہے۔ اگر وہ خدا کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ اپنے شوہر کے حق کو بھی پہچانتی ہے اور اسے ادا کرنے سے گریز نہیں کرتی تو اس کے لیے جنت کے تمام ہی دروازے وا ہیں وہ کسی بھی دروازے سے جنت میں داخل ہو سکتی ہے۔ حقوق کی ادائیگی میں قصور ہی دراصل وہ روک ہے، جس کے سبب سے جنت میں داخلہ ناممکن ہوتا ہے۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّﷺ لاَ تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ بَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نبیؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ عورت اس وقت جب کہ اس کا شوہر (گھر پر) موجود ہو اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔''

تشریح: ابوداؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لاَ تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ بَعْلُهَا شَاهِدٌ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ غَیْرَ رَمَضَانَ وَلاَ تَأْذَنُ فِیْ بَیْتِهٖ وَهُوَ شَاهِدٌ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ ''عورت جب کہ شوہر اس کا موجود ہو اس کی اجازت کے بغیر (نفل) روزہ نہ رکھے سوائے رمضان کے روزے کے، اور اس کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو اس کے گھر میں آنے کی اجازت نہ دے۔'' یہ حدیث بتاتی ہے کہ عورت کو اپنے شوہر کی ضروریات اور اس کے جذبات کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے، ممکن ہے شوہر بے تکلفی سے اختلاط کا ارادہ رکھتا ہو اب اگر بیوی نے روزہ رکھ لیا ہے تو یہ چیز شوہر کے لیے تکلیف اور ناگواری کا سبب ہوگی۔

اسی طرح شوہر کی موجودگی میں بیوی اگر کسی دوسرے کو اندر آنے کی اجازت دیتی ہے تو یہ چیز خلوت میں مخل ہوگی۔ یہ ایک طرح سے شوہر کی حق تلفی ہوگی۔ البتہ اگر شوہر کی اجازت حاصل ہے تو بیوی شوہر کی موجودگی میں نفل روزے بھی رکھ سکتی ہے اور دوسروں کو جن سے پردہ نہ

ہو اندر بلا بھی سکتی ہے۔ رمضان کا روزہ چوں کہ فرض ہے، اس لیے شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، جس طرح فرض نماز پڑھنے کے لیے عورت شوہر کی اجازت کی پابند نہیں ہے۔ کسی بھی شخص کو یہ اختیار نہیں دیا گیا ہے کہ وہ خدا کے عائد کردہ فریضہ کے ادا کرنے سے کسی کو باز رکھے۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ’’اپنے شوہر کی نافرمانی کرنے والی اور اپنے خاوند سے خلع چاہنے والی عورتیں منافق ہیں۔‘‘

تشریح: یعنی ان کا یہ فعل ایمان سے مطابقت نہیں رکھتا، خواہ وہ اپنے مومنہ و مسلمہ ہونے کا کتنا ہی دعویٰ کیوں نہ کریں۔ شوہر کو ناراض کرنا یا اسے کسی قسم کی تکلیف پہنچانی دینی مزاج سے ہرگز ہم آہنگ نہیں ہے۔ اگر عورت بلا وجہ اور بلا کسی حقیقی سبب کے شوہر سے طلاق یا خلع چاہتی ہے تو اس کی یہ روش منافقانہ تصور کی جائے گی۔ کیوں کہ یہ حرکت تو اسی عورت کو زیب دے سکتی ہے، جو مومن نہ ہو منافق ہو۔ جو اسلام کا کچھ بھی پاس ولحاظ نہ رکھتی ہو۔ اس لیے مومن عورتوں کو اس طرح کی نازیبا حرکات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اور اگر ایسی غلطی ہو چکی ہو تو اس سے فوراً توبہ کر کے دنیا ہی میں اپنے شوہر کو راضی اور خوش کر لینا چاہیے۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَیُّمَا امْرَأَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ مَا بَاسَ فَحَرَامٌ عَلَیْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’جو عورت بے ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔‘‘

تشریح: اس حدیث سے سابقہ حدیث کی وضاحت ہوتی ہے۔ بے ضرورت خاوند سے طلاق مانگنی اپنے کو جنت سے محروم رکھنا ہے۔ ایسی عورت جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی۔ وہ اس بات کو بخوبی سمجھ لے کہ اسے اگر خود پر کسی وجہ سے ناز ہے اور وہ خود کو شوہر سے دور کرنا چاہتی ہے تو خدا بھی اپنی جنت کو اس سے دور کر لے گا۔ اپنی نازیبا حرکتوں سے جنت کا استحقاق کھونا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے۔

〈۱۴〉 وَ عَنْ اِیَاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ

اللّٰہِ فَجَآءَ عُمَرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: ذَئِرْنَ النِّسَآءُ عَلٰی اَزْوَاجِھِنَّ فَرَخَّصَ فِیْ ضَرْبِھِنَّ فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ نِسَآءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَھُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَآءٌ کَثِیْرٌ یَشْکُوْنَ اَزْوَاجَھُنَّ لَیْسَ اُوْلٰٓئِکَ بِخِیَارِکُمْ۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت ایاس بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو۔'' پھر (کچھ روز کے بعد) حضرت عمرؓ رسولِ خدا ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ (آپؐ نے چوں کہ عورتوں کو مارنے کی ممانعت فرمادی ہے، اس وجہ سے) عورتیں اپنے خاوندوں پر دلیر ہوگئی ہیں۔ اس پر آپؐ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد بہت ساری عورتیں رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے پاس جمع ہوئیں اور انھوں نے اپنے شوہروں کی شکایت کی (کہ وہ انھیں بہت مارتے ہیں)۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: ''محمد (ﷺ) کی بیویوں کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت کرنے آئی ہیں۔ تم میں سے وہ لوگ بہتر نہیں ہیں۔''

تشریح: شوہر کو ان امور میں بیوی کو اپنے حکم کا پابند بنانے کا اختیار حاصل ہے، جن امور میں شریعت نے اسے استحقاق عطا کیا ہے۔ اسی طرح ان امور میں بھی جن کا تعلق شرعی فرائض اور واجبات کے ادا کرنے سے ہے، شوہر کو حق ہے کہ وہ بیوی کو ان کا پابند بنائے۔ اگر کوئی عورت ان معاملات میں شوہر کے حکم کو نظر انداز کرتی ہے اور شوہر کی نصیحت کا اثر قبول نہیں کرتی تو اس کی اصلاح کے لیے شوہر اسے مار بھی سکتا ہے۔ لیکن کوشش اسی بات کی ہونی چاہیے کہ حتی الامکان اس کی نوبت نہ آئے۔

عورت کو تادیباً مارنے کی اجازت اگر دی گئی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ مرد اپنی عورتوں کو بے دریغ مارنا شروع کردیں اور ان کے ساتھ بے رحمانہ سلوک کو روا رکھیں۔ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ بیوی کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لایا جائے۔ صبر و تحمل کا دامن کسی حالت میں بھی ہاتھ سے جانے نہ دینا چاہیے۔ اگر مارنا ناگزیر ہوجائے تو یہ ملحوظ رہے کہ کہیں اس میں زیادتی نہ ہو، جس کے سبب سے بہترین لوگوں کی فہرست سے خود شوہر نامدار کے نام کے خارج ہوجانے کی نوبت آجائے۔

بیوی کے حقوق

(۱) عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ؟ قَالَ: اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَ تَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلاَ تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلاَ تُقَبِّحْ وَلاَ تَهْجُرْ اِلاَّ فِي الْبَيْتِ. (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، ہم میں سے کسی کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا: ”یہ کہ جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو اور نہ ان کو برا اور بد دعا کے الفاظ کہو۔ اور اس سے علیٰحدگی اختیار کرو تو صرف گھر کے اندر ہی علیٰحدگی اختیار کرو۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بیوی کو کھلانے پلانے اور کپڑا پہنانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔ کسی معقول وجہ سے اگر تادیب کے پیش نظر بیوی کو مارنے کی ضرورت پڑ ہی جائے تو اس کے منہ پر ہرگز نہ مارو۔ منہ جسم کا بہت ہی نازک عضو ہے۔ شرعی فرائض اور واجبات کے ادا کرنے سے اگر بیوی گریز کرتی ہے۔ اور کسی نصیحت اور تنبیہ کا کوئی اثر اس پر نہیں ہوتا تو اسے راہِ راست پر لانے کی غرض سے شوہر کسی قدر اسے مار بھی سکتا ہے۔ لیکن اس میں اعتدال کی حد سے تجاوز نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ بیوی کی پٹائی اس طرح کرنے لگ جائے جیسے کوئی کسی جانور کو مارتا ہے۔ اس کے لیے برے الفاظ بھی استعمال نہ کرو۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں وَلَا تُقَبِّحِ الْوَجْهَ (اس کے منہ کو برا نہ ٹھیرا) کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

بیوی کی کسی نافرمانی یا اس سے کسی ناراضی کی وجہ سے اس سے جدائی اختیار کرنے ہی میں مصلحت ہو تو اپنے بستر پر اس سے جدائی اختیار کرو۔ اس کے ساتھ لیٹنا چھوڑ دو تاکہ اسے تنبیہ ہو اور وہ راہِ راست پر آجائے۔ اور طلاق کی نوبت نہ آئے۔ قرآن میں بھی ہے: وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ (النساء:۳۴) ”اور وہ عورتیں جن کی سرکشی کا تمھیں اندیشہ ہو انھیں سمجھاؤ اور بستروں میں انھیں تنہا چھوڑ دو اور انھیں مار بھی سکتے ہو۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِیْ جَارَهٗ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلْعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهٗ کَسَرْتَهٗ وَ اِنْ تَرَکْتَهٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو نہ ستائے اور عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو اس لیے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، جو ٹیڑھی ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھی کرنی چاہو گے تو اس کو توڑ دو گے۔ اور اگر اس کو اس کے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کی کجی دور نہ ہوگی۔ پس عورتوں کے حق میں بھلائی کی وصیت قبول کرو۔''

تشریح: ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔'' یہ ایک محاورہ ہے، جیسے قرآن میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء:۳۷) ''انسان عجلت (جلد بازی) کے خمیر سے بنا ہے۔'' بخاری کی ایک روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اَلْمَرْاَةُ کَالضِّلْعِ اِنْ اَقَمْتَهَا کَسَرْتَهَا وَ اِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ فِیْهَا عِوَجٌ (عن ابی ہریرہؓ) ''عورت پسلی کی مانند ہے۔ اگر تم اسے سیدھی کرنی چاہو گے تو اسے توڑ دو گے۔ اور اگر اس سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کے ٹیڑھے پن کی حالت ہی میں فائدہ اٹھا سکتے ہو۔''

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ پسلی اگر ٹیڑھی ہوتی ہے تو یہ اس کا عیب نہیں اس کی خوبی ہے۔ پسلی اگر ٹیڑھی نہ ہوتی تو سینہ اور اس کے اندر کے اعضائے رئیسہ کی حفاظت نہ ہو سکتی۔ عورت بھی گھر کی محافظ ہوتی ہے اور اس میں اس کے مزاج کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔ اس کے مزاج کی کجی پر نہ جاؤ۔ اس کو اس کے مزاج پر باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرو۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهُؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِیْمَ لَکَ عَلٰی طَرِیْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ بِهَا عِوَجٌ وَ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهَا کَسَرْتَهَا وَ کَسْرُهَا طَلَاقُهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اس لیے وہ تمھارے لیے کبھی کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ اس لیے اگر تم اس

سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن ہی کی حالت میں اس سے فائدہ اٹھالو۔ اور اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اسے طلاق دینی ہے۔''

تشریح: تلوّن مزاجی عورت کی فطرت ہے۔ تم چاہو کہ وہ ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے تو یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے مزاج کا خم نسائیت کا ایک اہم حصہ اور اس کا حسن ہے۔ وہ اگر کبھی بھولی بھالی دکھائی دے اور کبھی چنچل اور شوخ تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَفْرَكُ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کوئی مومن مرد کسی مومن عورت سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی نگاہ میں عورت کی کوئی خصلت ناپسندیدہ ہوگی تو کوئی دوسری خصلت پسندیدہ بھی ہوگی۔''

تشریح: حدیث کا مفہوم واضح ہے۔ آدمی کو مومن عورت کی صرف ناپسندیدہ خصلت ہی پر نگاہ نہیں رکھنی چاہیے بلکہ اس میں پسندیدہ خصائل بھی تو ہو سکتے ہیں۔ اس لیے عورت کی پسندیدہ باتوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اس کی ناپسندیدہ اور ناگوار باتوں پر صبر و تحمل سے کام لینا اور اس سے چشم پوشی کرنا ہی دانش مندی ہے۔ دنیا میں بے عیب مرد یا عورت کا ملنا ممکن نہیں۔ اس سلسلے میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مصالحت سے کام لیا جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بے عیب یار ڈھونڈنے والے ہمیشہ بے یار ہی رہ جاتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَ كَانَ لِيْ صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّبُهُنَّ اِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبیؐ کے یہاں کھیلا کرتی تھی اور میری ہم جولیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں، پھر جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو میری سہیلیاں آپؐ سے شرم کی وجہ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آپؐ انھیں میرے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کے جذبات اور اس کے فطری اور جائز شوق کا لحاظ

رکھنا ضروری ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر کسی پر مسرت زندگی کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ جس شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی کے ساتھ رہنے کا سلیقہ نہ ہو اسے اطمینان وسکون کی دولت نصیب نہیں ہوسکتی۔

﴿۶﴾ وَ عَنۡهَا قَالَتۡ: وَاللّٰهِ لَقَدۡ رَأَيۡتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوۡمُ عَلٰى بَابِ حُجۡرَتِيۡ وَالۡحَبۡشَةُ يَلۡعَبُوۡنَ بِالۡحِرَابِ فِي الۡمَسۡجِدِ وَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ يَسۡتُرُنِيۡ بِرِدَائِهٖ لِاَنۡظُرَ اِلٰى لَعِبِهِمۡ بَيۡنَ اُذُنِهٖ وَ عَاتِقِهٖ ثُمَّ يَقُوۡمُ مِنۡ اَجۡلِيۡ حَتّٰى اَكُوۡنَ اَنَا الَّتِيۡ اَنۡصَرِفُ فَاقۡدُرُوۡا قَدۡرَ الۡجَارِيَةِ الۡحَدِيۡثَةِ السِّنِّ الۡحَرِيۡصَةِ عَلَى اللَّهۡوِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بخدا میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی لوگ مسجد میں اپنے نیزوں سے کھیل رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی چادر سے میرے لیے پردہ کرلیا تاکہ میں بھی آپؐ کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے ان کا کھیل دیکھوں۔ پھر آپؐ میری خاطر سے اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے ہٹ نہیں گئی۔ اب تم خود اس عرصہ کا اندازہ کرلو، جس میں ایک کمسن لڑکی جو کھیل تماشہ کی شائق ہو کھڑی رہے گی۔

تشریح: ''نیزوں سے کھیل رہے تھے'' یعنی اپنے فن کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں کافی دیر تک حبشیوں کا یہ کھیل دیکھتی رہی جیسا کہ کسی کمسن اور کھیل کی شائق لڑکی سے اسی کی توقع بھی تھی۔ لیکن نبی ﷺ میری خاطر اس وقت تک کھڑے رہے جب تک میں خود وہاں سے ہٹ نہیں گئی۔

﴿۷﴾ وَ عَنۡهَا قَالَتۡ: كُنۡتُ اَشۡرَبُ وَ اَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوۡضِعِ فِيَّ فَيَشۡرَبُ وَ اَتَعَرَّقُ الۡعَرۡقَ وَ اَنَا حَائِضٌ ثُمَّ اُنَاوِلُهُ النَّبِيَّ ﷺ فَيَضَعُ فَاهُ عَلٰى مَوۡضِعِ فِيَّ وَلَمۡ يَذۡكُرۡ زُهَيۡرٌ فَيَشۡرَبُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ پانی پی کر برتن نبی ﷺ کو دیتی۔ آپؐ اسی جگہ اپنا منہ رکھتے جہاں میں نے اپنا منہ لگا کر پانی پیا تھا حالاں کہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ میں ہڈی منہ سے نوچتی پھر اسے نبی ﷺ کو دیتی آپؐ اسی جگہ منہ لگاتے جہاں میں نے اپنا منہ لگایا ہوتا حالاں کہ میں حیض کی حالت میں ہوتی۔

تشریح: اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کس قدر محبت تھی اور آپؐ کس قدر اُن کا دل رکھتے تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حیض کی حالت میں عورت کوئی سراپا ناپاک وجود نہیں ہوجاتی کہ آدمی اس کے ساتھ رہنا سہنا سب ترک کردے۔ حیض کے دنوں میں صرف جماع کی ممانعت ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنهَا قَالَتْ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِيَةً وَّ اِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی. فَقُلْتُ: مِنْ اَیْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ: اِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِیْنَ لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ وَ اِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی قُلْتِ لَا وَ رَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ: قُلْتُ: اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں خوب جان لیتا ہوں جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے ناخوش ہوتی ہو۔'' میں نے عرض کیا کہ آپؐ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو کہ یہ بات نہیں ہے محمدؐ کے رب کی قسم، اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو کہ یہ بات نہیں ہے، ابراہیم کے رب کی قسم۔'' میں نے عرض کیا کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن بخدا میں تو محض آپؐ کا نام ہی ترک کرتی ہوں (دل میں تو آپؐ کی وہی محبت رہتی ہے)۔''

تشریح: اپنے محبوب شوہر سے اپنی ناراضی کی یہ ادا بھی کتنی حسین اور دل کش ہے۔ اس سے جہاں اُمّ المومنین حضرت صدیقہؓ کے کمالِ بلاغت کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں یہ ہرگز مطلوب نہیں کہ شوہر و بیوی کے تعلقات بے کیف اور خشک ہوں۔ محبت میں اگر کسی کے روٹھنے یا ناز اٹھانے کا سرے سے کوئی موقع ہی نہ ہو تو وہ محبت ہی کیا ہوئی، لیکن اس کے بھی آداب ہیں۔ یہ ناز انداز اگر بیزاری اور نفرت کے ہم معنی ہوجائے تو یہ چیز محبت کے حق میں کسی سمِّ قاتل سے کم نہیں۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ خُوَيْلِدِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّجُ حَقَّ الضَّعِيْفَيْنِ الْيَتِيْمِ وَالْمَرْأَةِ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت خویلد بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے اللہ، میں ان دو کمزوروں یعنی یتیم اور عورت کی حق تلفی کو سخت گناہ قرار دیتا ہوں۔“

تشریح: یتیم بچہ اور عورت دونوں کمزور ہوتے ہیں۔ ان پر ظلم وستم کا روا رکھنا لوگوں کے لیے بہت آسان بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج نے عام طور سے ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا ہے۔ ان پر ہمیشہ ظلم اور زیادتی ہوتی رہی ہے۔ حالاں کہ کمزور ہونے کی وجہ سے یہ دونوں ہی ہماری شفقت اور خصوصی توجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ اعلان فرما رہے ہیں کہ تیموں اور عورتوں کی حق تلفی اور ان کے حقوق کی پامالی سخت ترین گناہ ہے۔ اسے کوئی معمولی بات سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: کَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ حَادٍ حَسَنَ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رُوَيْدًا يَا اَنْجَشَةُ لاَ تَكْسِرِ الْقَوَارِيْرَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک خوش آواز حدی خواں تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ”آہستہ چلو اے انجشہ، شیشوں کو نہ توڑو۔“

تشریح: بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ پر آپؐ کی بیویاں سوار تھیں۔ حُدی خوان کے گانے کی وجہ سے اونٹ کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اس لیے آپؐ نے اسے تنبیہ کی کہ کہیں اونٹ کی تیز رفتاری کے سبب سے عورتیں اونٹ سے گر نہ پڑیں اور انھیں چوٹ آ ئے۔ عورتیں چوں کہ صنف نازک ہوتی ہیں، اس لیے آپؐ نے بطور استعارہ ان کو شیشہ سے موسوم فرمایا۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: دَخَلَتْ هِنْدٌ بِنْتُ عُتْبَةَ امْرَأَةُ اَبِيْ سُفْيَانَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ لاَ يُعْطِيْنِيْ مِنَ النَّفَقَةِ مَا يَكْفِيْنِيْ وَ يَكْفِيْ بَنِيَّ اِلَّا اَخَذْتُ مِنْ مَّالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ فَهَلْ عَلَيَّ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ جُنَاحٍ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خُذِيْ مِنْ مَّالِهٖ بِالْمَعْرُوْفِ مَا يَكْفِيْكِ وَ يَكْفِيْ بَنِيْكِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بن عتبہؓ رسول اللہؐ کے پاس آئیں اور کہا کہ یا رسول اللہ، سفیان بخیل شخص ہیں مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے کہ جو میرے اور میرے بچوں کے لیے کافی ہو۔ مگر میں ان کے مال میں سے ان کے علم میں لائے بغیر کچھ لے لیتی ہوں تو کیا

مجھ پر اس کا گناہ ہوگا؟ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''ان کے مال سے دستور کے مطابق اُتنا لے لو، جو تمھارے اور تمھارے بچوں کے لیے کافی ہو۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی بچوں کی کفالت مرد پر واجب ہے، اسے اس کی طرف سے بے پرواہ نہیں ہونا چاہیے۔

〈۱۲〉 وَعَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَآئِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالتے ان میں سے جس کا نام نکل آتا اسے اپنے ہمراہ (سفر میں) لے جاتے۔

تشریح: اس حدیث سے واضح ہے کہ اگر کسی شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے ساتھ منصفانہ و مساویانہ سلوک کرے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نزاعی معاملات میں جہاں جانب داری کے الزام کا اندیشہ ہو قرعہ اندازی کے ذریعے سے تصفیہ کی صورت نکالنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس روایت سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نبی ﷺ کو ازواجِ مطہرات کی دل جوئی کس قدر عزیز تھی کہ سفر میں بھی ان کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اَطَالَ اَحَدُكُمُ الْغَيْبَةَ فَلاَ يَطْرُقُ اَهْلَهٗ لَيْلاً. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو گھر سے غائب ہوئے لمبا عرصہ گزر جائے تو رات کو اچانک اپنے گھر نہ آئے۔''

〈۱۴〉 وَ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِذَا دَخَلْتَ لَيْلاً فَلاَ تَدْخُلْ عَلٰى اَهْلِكَ حَتّٰى تَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ وَ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم رات میں آؤ تو فوراً اپنے گھر میں داخل مت ہوتا کہ عورت جس کا شوہر موجود نہیں تھا، صفائی کر کے اور پریشان بالوں میں کنگھی کر کے درست کر لے۔''

تشریح: یعنی عورت کو اس کا موقع دینا چاہیے کہ وہ شوہر کے آنے پر بالوں کی صفائی، سر میں کنگھی

اور زینت وغیرہ کر سکے تا کہ اس سے مل کر شوہر کو کسی قسم کی نا گواری، کراہت اور بیزاری نہ ہو۔

(۱۵) وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ حَجَّۃِ الْوِدَاعِ: فَاتَّقُوا اللّٰہَ فِی النِّسَآءِ فَاِنَّکُمْ اَخَذْتُمُوْھُنَّ بِاَمَانِ اللّٰہِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَھُنَّ بِکَلِمَۃِ اللّٰہِ وَلَکُمْ عَلَیْھِنَّ اَنْ لَّا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَھُوْنَہٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِکَ فَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ وَلَھُنَّ عَلَیْکُمْ رِزْقُھُنَّ وَ کِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر (اپنے خطبہ میں) فرمایا: ”(لوگو!) عورتوں کے معاملے میں اللہ کا ڈر رکھو، تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو خدا کے حکم سے اپنے لیے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمھارا یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں، جس کا آنا تمھیں ناگوار گزرے۔ پھر اگر وہ اس معاملے میں تمھارا کہنا نہ مانیں تو تم انھیں مارو لیکن وہ زیادہ سخت اور گزند پہنچانے والی مار نہ ہو اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انھیں معروف طریقے سے کھانا اور کپڑا دو۔“

تشریح: ”تم نے ان کو اللہ کی امان کے ساتھ لیا ہے۔“ یعنی تم نے خدا سے عہد کیا ہے کہ تم ان کے حقوق ادا کرو گے اور انھیں عزت و احترام کے ساتھ رکھو گے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اَلاَ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَیْرًا فَاِنَّمَا ھُنَّ عَوَانٌ عِنْدَکُمْ لَیْسَ تَمْلِکُوْنَ مِنْھُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِکَ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ، فَاِنْ فَعَلْنَ فَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلاَ تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلاً، اَلاَ اِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَ لِنِسَائِکُمْ عَلَیْکُمْ حَقًّا فَحَقُّکُمْ عَلَیْھِنَّ اَنْ لاَ یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ مَنْ تَکْرَھُوْنَ وَلاَ یَاْذَنَّ فِیْ بُیُوْتِکُمْ لِمَنْ تَکْرَھُوْنَ اِلاَّ وَ حَقُّھُنَّ عَلَیْکُمْ اَنْ تُحْسِنُوْا اِلَیْھِنَّ فِیْ کِسْوَتِھِنَّ وَ طَعَامِھِنَّ (ترمذی، عن عمرو بن الاحوصِ الجُشمیؓ). ”خبردار! عورتوں کے معاملے میں اچھا سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو۔ کیوں کہ وہ تمھارے پاس اسیر اور قیدی کی طرح ہیں۔ تمھیں ان پر اس سے مختلف کسی چیز کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ الا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کی مرتکب ہوں۔ اگر وہ اس کی مرتکب ہوتی ہیں تو اس صورت میں تم انھیں اپنے بستروں پر تنہا چھوڑ دو۔ اور انھیں مارو لیکن مار زیادہ سخت اور گزند پہنچانے والی نہ ہو۔ پھر اگر وہ تمھاری اطاعت کریں

تو پھر ان کے خلاف انھیں ستانے کے لیے کوئی راہ تلاش نہ کرو۔ سن لو، یقیناً تمھاری عورتوں پر تمھارا حق ہے اور تم پر تمھاری عورتوں کا حق ہے۔ تمھارا حق ان پر یہ ہوتا ہے کہ تمھارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو (خواہ وہ مرد ہو یا عورت) آنے نہ دیں، جس کا آنا تمھیں ناگوار ہو۔ اور تمھارے گھروں میں کسی ایسے شخص کو آنے کی اجازت نہ دیں، جس کا آنا تمھیں ناگوارِ خاطر ہو۔ سن لو، ان کا حق تم پر یہ ہے کہ تم انھیں پہنانے اور کھلانے میں احسان کی روش اختیار کرو۔"

طلاق

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰہِ الطَّلَاقُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "مباح چیزوں میں خدا کے نزدیک مبغوض ترین (سب سے بری) چیز طلاق ہے۔"

تشریح: یہ حدیث باسناد معلول ہے لیکن اس میں جو بات کہی گئی ہے وہ روحِ شریعت کے عین مطابق ہے۔ شریعت میں طلاق کی گنجایش گرچہ رکھی گئی ہے لیکن ہے یہ نہایت ناپسندیدہ عمل۔ اس لیے شریعت کے دیے ہوئے طلاق کے اختیار کو ناگزیر صورت ہی میں استعمال کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی لاَ یُحِبُّ الذَّوَّاقِیْنَ وَلاَ الذَّوَّاقَاتِ (البزار) "یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے مردوں اور عورتوں کو پسند نہیں کرتا، جو بھونروں کی طرح پھول پھول کا مزہ چکھتے پھریں۔" ایک اور حدیث میں ہے: مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلاَ خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ (دار قطنی) "اللہ نے روئے زمین پر جتنی چیزیں پیدا کی ان میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز لونڈی غلام کو آزاد کرنا ہے اور اللہ نے جتنی چیزیں روئے زمین پر پیدا کی ہیں، ان میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔"

ازدواجی زندگی سے مقصود سکون و اطمینان کا حصول ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اگر ازدواجی زندگی باعث اذیت و تکلیف بن کر رہ جائے تو رشتۂ مناکحت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ نکاح کی حیثیت ایک شرعی معاہدہ کی ہے۔ یہ معاہدہ فسخ بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کے اصول وضوابط ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا حد درجہ ضروری ہے۔

شوہر و بیوی میں مناقشہ کی صورت میں دونوں کو آپس میں خود صلح و صفائی کر لینے کی

کوشش کرنی چاہیے۔ اگر اس میں انھیں کامیابی حاصل نہیں ہوتی تو معاملے کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔ عدالت کو چاہیے کہ وہ دونوں کے خاندان میں سے ایک ایک ثالث مقرر کردے۔ وہ ثالث دونوں کے بیانات سن کر کوشش کریں گے کہ جس کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہے اس کو سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لائیں اور ان کے درمیان صلح کرادیں۔ لیکن عدالت اگر اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ ان کے درمیان نباہ نہیں ہوسکتا تو پھر بادلِ ناخواستہ وہ ان میں مفارقت کرادے گی۔ اس صورت میں اگر زیادتی شوہر کی طرف سے ہے تو پھر اسے مہر کی پوری رقم ادا کرنی ہوگی۔ اور اگر زیادتی عورت کی ثابت ہوتی ہے تو پھر وہ مہر کا کچھ حصہ چھوڑ کر طلاق حاصل کرسکتی ہے۔ جیسا کہ اس سلسلے میں قرآن میں تفصیلی ہدایات موجود ہیں۔ ان دو مرحلوں سے جن کا یہاں ذکر کیا گیا گزرے بغیر طلاق دینی درست نہیں ہے۔ نبی کریمؐ نے غلط طریقے سے طلاق دینے پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔

فسخِ نکاح کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اسی لیے فسخ کے بعد بھی اس کی گنجایش رکھی گئی ہے کہ شوہر عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے اور عدت گزر جانے کے بعد بھی اس کو اجازت ہے کہ تجدیدِ نکاح کے ذریعے سے دوبارہ رشتۂ مناکحت قائم کرکے خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرے، لیکن اگر پھر نباہ نہ ہوسکا اور دوبارہ طلاق کی نوبت آگئی تو پھر عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے اور عدت گزر جانے پر تجدید نکاح کے ذریعے سے ازسرِنو معاہدۂ نکاح کرسکتا ہے۔ لیکن اب یہ اس کے لیے آخری موقع ہے۔ اس کے بعد اگر جدائی اور مفارقت کی نوبت آگئی تو جدائی حتمی ہوگی۔ اس کے بعد نہ رجوع کی گنجائش باقی رہتی ہے اور نہ تجدید نکاح کی۔

اب اگر مطلقہ عورت کی شادی کسی دوسرے شخص سے ہوتی ہے لیکن کچھ عرصہ کے بعد ان دونوں میں بھی نباہ ناممکن ہوجاتا ہے اور دونوں مرحلوں (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) گزرنے کے بعد شوہر و بیوی کے درمیان مفارقت کی نوبت آگئی یا اس کے دوسرے شوہر کا انتقال ہوگیا تو اب پھر اس کی گنجایش ہوگی کہ اس عورت کا نکاح اس کے پہلے شوہر سے کردیا جائے بشرطے کہ دونوں اس نکاح پر راضی ہوں۔ اس لیے کہ ٹھوکر کھانے کے بعد اب اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ باہم نباہ کی روش اختیار کریں گے۔

طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بیوی کو صرف ایک طلاق دی جائے۔ دوسری بار یا

تیسری بار دہرانے کی ضرورت نہیں۔ طلاق کا مقصدِ مفارقت ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے۔ بیک وقت ایک ہی طہر میں تین طلاقیں دینی طلاقِ بدعت ہیں۔ احناف کا مشہور مسلک یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینی ناجائز اور بدعت ہے لیکن تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ اور بیوی اپنے شوہر کے لیے بالکل حرام ہو جاتی ہے۔ نہ شوہر رجوع کر سکتا ہے اور نہ تجدید نکاح کی کوئی گنجایش باقی رہتی ہے۔ عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو جاتا ہے اور پھر دوسرا شوہر انتقال کر جائے یا طلاق دے دے تو اس صورت میں عورت کا نکاح پہلے شوہر سے دوبارہ ہو سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ یہی مشہور مسلک امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا بھی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق امام ابن تیمیہؒ نے ثابت کیا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی وہی تھا، جو دوسرے ائمہ کا مسلک ہے لیکن انھوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ ان کا مسلک یہ ہے کہ تین طلاقیں بیک وقت نہیں دی جا سکتیں۔ اگر کوئی دیتا ہے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ شوہر کو رجوع کرنے یا ازسرِنو نکاح کرنے کی پوری گنجائش ہوگی۔ محمد ابن مقاتل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے کہ طلاق ثلاثہ جو ایک ساتھ ہوں وہ ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہے۔ امام مالکؒ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ امام احمدؒ کے بعض اصحاب اور داؤد ظاہری کا مسلک بھی یہی ہے۔ (عمدۃ الرعایہ، ج ۲، ص ۶۷-۷۱)

بعض صحابہؓ اور بعض تابعین کے اقوال بھی اسی مسلک کے مطابق ہیں۔ قرآن کے الفاظ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (البقرۃ: ۲۲۹) ''طلاق دوبار ہو سکتی ہے۔'' سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ طلاقوں کے درمیان عرصہ اور فاصلہ ہونا ضروری ہے۔ بیک وقت تین طلاقوں میں فاصلہ نہیں ہوتا۔ قرآن میں ہے: لَتُفۡسِدُنَّ فِی الۡاَرۡضِ مَرَّتَیۡنِ (بنی اسرائیل: ۴) ''(اے بنی اسرائیل) تم زمین میں لازماً دو مرتبہ فساد برپا کرو گے۔'' یہاں جن دو فسادوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ان کے درمیان صدیوں کا فاصلہ واقع ہوا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنۡ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عُمَرؓ اَنَّهٗ طَلَّقَ امۡرَأَتَهٗ وَهِیَ حَائِضٌ عَلٰی عَهۡدِ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﷺ فَسَأَلَ عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابؓ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ عَنۡ ذٰلِکَ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ مُرۡهُ فَلۡیُرَاجِعۡهَا ثُمَّ لِیُمۡسِکۡهَا حَتّٰی تَطۡهُرَ ثُمَّ تَحِیۡضَ ثُمَّ تَطۡهُرَ ثُمَّ اِنۡ شَآءَ اَمۡسَکَ بَعۡدُ وَ اِنۡ شَآءَ طَلَّقَ قَبۡلَ اَنۡ یَّمَسَّ فَتِلۡکَ الۡعِدَّةُ الَّتِیۡ اَمَرَ اللّٰهُ

اَنْ یُّطَلَّقَ لَهَا النِّسَآءُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اپنی بیوی کو بہ حالتِ حیض طلاق دے دی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے حکم دو کہ وہ رجوع کرلے، پھر وہ اسے روکے رکھے یہاں تک کہ عورت پاک ہوجائے، پھر حیض آئے پھر پاک ہوجائے، پھر اگر چاہے تو اس کے بعد اپنے پاس رہنے دے اور اگر چاہے تو صحبت کرنے سے قبل طلاق دے۔ یہی وہ عدت ہے، جس کے حساب سے عورتوں کو طلاق دیے جانے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔''

تشریح: یہ حدیث اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عورت کو حیض کی حالت میں طلاق دینی ناجائز اور سخت گناہ ہے۔ اگر کسی نے طلاق دے دی ہو تو اسے فوراً رجوع کرلینا چاہیے۔ پھر اگر طلاق دینے ہی کا فیصلہ ہو تو اس طہر میں طلاق دے، جس میں بیوی سے صحبت کی نوبت نہ آئی ہو۔

حیض کی حالت میں عورت چوں کہ معذور ہوتی ہے۔ مقاربت نہیں کرسکتی۔ اس لیے مرد کے لیے زیادہ قابل رغبت نہیں رہتی۔ اس لیے حیض کی حالت میں طلاق دینے میں اس کے امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ طلاق دینے میں کراہت طبع کا بھی دخل ہو۔ اور حقیقت میں اس کے پیچھے کوئی ایسا قابلِ لحاظ سبب نہ ہو، جس کی بنا پر آدمی طلاق دینے پر مجبور ہوتا ہے۔

حیض کی حالت میں طلاق دینی حرام ہے لیکن اگر کوئی اس حالت میں طلاق دے دیتا ہے تو طلاق پڑ جاتی ہے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ رجوع کرلیں اور ایک طہر گزر جانے دیں اور اگر طلاق دینی ہو تو پھر دوسرے طہر میں طلاق دیں۔ اس میں حکمت و مصلحت یہ ہے کہ جب شوہر و بیوی طہر کی حالت میں ایک ساتھ رہیں گے تو ان کے تعلقات کے خوش گوار ہوجانے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اگر ان میں میل ملاپ ہوجاتا ہے پھر تو طلاق کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔

دوسرے طہر (یعنی دوسرے حیض کے بعد پاکی کی حالت) تک طلاق کو موخر کرنے کی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح طلاق دینے کے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کا پورا موقع ملتا ہے۔ طلاق دینے میں ''صحبت سے قبل'' کی پابندی عائد کرنے میں بھی یہی مصلحت ہے کہ ناپاکی کے ایام کے خاتمہ پر فطری طور پر مباشرت کی رغبت ہوتی ہے۔ اس طرح یہ پابندی بھی

طلاق کی راہ میں رکاوٹ کا سبب بن سکتی ہے۔

یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ شریعت نے انسان کے مصالح اور اس کی عافیت اور بھلائی کا کس درجہ لحاظ رکھا ہے۔ شریعت کے اصول وضوابط اور اس کے آداب کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو اس کا امکان نہیں رہتا کہ انسان ذہنی پریشانیوں سے دوچار ہو اور اس کی زندگی کا سکون واطمینان غارت ہو کر رہ جائے۔

''یہی وہ عدت ہے، جس کے حساب سے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم اللہ نے دیا ہے'' اشارہ ہے قرآن کی اس آیت کی طرف: اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ بِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ (الطلاق:۱) ''جب تم عورتوں کو طلاق دینی چاہو تو انھیں عدت کے وقت طلاق دو اور عدت کو شمار کرتے رہو۔''

(۳) وَ عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍؓ قَالَ: اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ: اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ وَ اَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلَا اَقْتُلُهٗ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک شخص کے بارے میں اطلاع دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں۔ اس پر آپؐ غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''کیا اللہ عز وجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ حالاں کہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں۔'' اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ، کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں۔

تشریح: ''کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔'' یہ اشارہ سورۃ البقرۃ آیت: ۲۲۹-۲۳۱ کی طرف ہے، جس میں ارشاد ہوا ہے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ (طلاق دو بار ہو سکتی ہے)۔ دو بار سے زیادہ طلاق دے کر رجوع کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس کے بعد تو شوہر و بیوی کے درمیان حتمی جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ اب طلاق کے اصول وآداب کا لحاظ کیے بغیر اگر کوئی شخص ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیتا ہے تو اسے کتاب اللہ کے ساتھ کھیل یا استہزا ہی کہا جائے گا۔ چناں چہ طلاق کے اصول وضوابط بیان کرتے ہوئے سورۃ البقرہ آیت ۲۳۱ میں یہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں: وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ''اللہ کی آیتوں کا مذاق نہ بناؤ۔''

〈۴〉 وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَ هَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّکَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جو ارادہ اور قصد سے بات کرنے سے وقوع پذیر ہوجاتی ہیں اور ہنسی مذاق کے طور پر کہنے سے بھی وقوع پذیر ہوجاتی ہیں۔ یعنی نکاح، طلاق اور رجعت۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ زبان سے ادا کرتے ہی ان کا وقوع ہوجاتا ہے۔ خواہ قصد اور حقیقی ارادے سے بات زبان پر لائی جائے یا محض ہنسی مذاق کے طور پر زبان سے ادا کی جائے۔ اگر کوئی شخص ہنسی مذاق میں نکاح کرتا ہے یا مذاق میں بیوی کو طلاق دیتا ہے یا مطلقہ سے ہنسی مذاق میں رجعت کرتا ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، طلاق پڑ جائے گی اور رجعت معتبر قرار پائے گی۔ یہ تینوں ہی چیزیں اتنی نازک ہیں کہ ان میں ہنسی مذاق کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کے بارے میں جو کچھ زبان سے کہا جائے گا اسے حقیقی معنی میں لیا جائے گا۔ ان تینوں کے علاوہ بیع وشرا وغیرہ ہنسی مذاق میں وقوع پذیر نہ ہوگی۔

〈۵〉 وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقَ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰی عَقْلِهٖ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’ہر ایک طلاق درست اور نافذ ہے سوائے اس شخص کی طلاق کے جو بے عقل اور مغلوب العقل ہو۔‘‘

تشریح: جس کی عقل کسی مرض یا صدمہ سے یا کسی اور وجہ سے ٹھکانے نہ ہو۔ جس کو اپنی باتوں کا پورا شعور نہ ہو، جو ایسی باتیں کرنے لگتا ہو، جن کو وہ کبھی عقل وفہم کی سلامتی کی صورت میں نہ کرتا۔ ایسے شخص کو معتوہ اور مغلوب العقل کہتے ہیں۔ ایسا شخص اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، جیسے کسی پاگل اور دیوانے کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان کے اعمال لکھے نہیں جاتے، ان کا مواخذہ نہ ہوگا) ایک تو سویا ہوا شخص جب تک کہ بیدار نہ ہوجائے، دوسرا نابالغ بچہ جب تک کہ بالغ نہ ہوجائے اور تیسرا مغلوب العقل جب تک اس کی عقل درست نہ ہوجائے۔‘‘ (ترمذی، ابوداود، عن عائشہؓ)

〈۶〉 وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لاَ طَلاَقَ وَلاَ عِتَاقَ اِغْلاَقٍ. (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''زبردستی کی طلاق اور زبردستی کے عتاق (آزادی) کا اعتبار نہیں۔''

تشریح: یعنی اگر کسی سے جبراً طلاق دلائی جائے (جسے طلاق مُکرہ کہتے ہیں) یا اس کے غلام کو زبردستی آزاد کرایا جائے تو شریعت میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہی ہے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ چیزیں زبردستی کی صورت میں بھی واقع ہوجاتی ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں ان کے دلائل ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے لحاظ سے گیارہ چیزیں ایسی ہیں جن کا حکم زبردستی کی حالت میں بھی ثابت ہوجاتا ہے۔ طلاق مُکرہ اور عتاق (زبردستی غلام کو آزاد کرانا) کے علاوہ نو چیزیں یہ ہیں: نکاح، رجعت، ایلاء، ایلاء سے رجعت، ظہار، عفو قصاص، قسم، نذر اور قبولیتِ اسلام۔

〈۷〉 وَعَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ رَجُلاً طَلَّقَ اِمْرَأَتَهُ ثَلاَ ثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ؟ قَالَ: لاَ حَتّٰى يَذُوْقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْاَوَّلُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، اس عورت نے دوسری شادی کرلی۔ پھر اس نے بھی طلاق دے دی۔ نبی ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کیا وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، جب تک کہ اس کا شوہر اس سے لطف اندوز نہ ہولے، جس طرح پہلا شوہر لطف اندوز ہوا۔''

تشریح: قرآن میں ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ (البقرۃ: ۲۳۰) ''یعنی تیسری بار بیوی کو طلاق دینے کے بعد عورت پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ کسی دوسرے شوہر کے نکاح میں نہ رہی ہو۔'' اب یہ دوسرا شوہر اگر انتقال کرجاتا ہے یا اُسے طلاق دے دیتا ہے تو عدت کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ہوسکتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے شوہر سے صرف عقد نکاح کو کافی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ دوسرے شوہر سے مقاربت بھی ضروری ہے۔ جمہوری ائمہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

〈۸〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: كَانَ الطَّلاَقُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ اَبِيْ بَكْرٍ

وَ سِنَتَيۡنِ مِنۡ خِلاَ فَةِ عُمَرؓ طَلاَقُ الثَّلاَثِ وَاحِدَةً فَقَالَ: عُمَرُ بۡنُ الۡخَطَّابِؓ: اِنَّ النَّاسَ اسۡتَعۡجَلُوۡا فِيۡ اَمۡرٍ كَانَتۡ لَهُمۡ فِيۡهِ اَنَاةٌ فَلَوۡ اَمۡضَيۡنَاهُ عَلَيۡهِمۡ فَاَمۡضَاهُ عَلَيۡهِمۡ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ طلاق رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت میں اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت کے دو سال میں بھی ایسا تھا کہ کوئی ایک ساتھ تین طلاق دیتا تو اسے ایک ہی شمار کیا جاتا تھا۔ پھر حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا کہ لوگ اس معاملے میں جلد بازی سے کام لینے لگے، جس میں انھیں مہلت ملی تھی تو کاش ہم اسے ان پر نافذ کر دیتے چناں چہ انھوں نے اس کو اُن پر نافذ کر دیا۔

تشریح: حضرت عمرؓ نے خاص حالات کے پیش نظر یہ قدم اٹھایا تھا۔ تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ ایک دور ایسا آیا کہ عراق اور شام سے گرفتار ہو کر آنے والی عورتوں کی تعداد میں جب اضافہ ہونے لگا۔ یہ عورتیں اپنے حسن و جمال میں ممتاز تھیں۔ عرب باشندے ان پر کچھ ایسے فریفتہ ہو رہے تھے کہ اپنی بیویوں کو تین طلاقیں بیک وقت دینے لگ گئے تا کہ اپنی پسندیدہ عورتوں کو مطمئن کر سکیں۔ باہر کی عورتیں ہی نہیں بلکہ عربی عورتیں بھی ایسی ہوتیں، جن کی شادی کے لیے یہ شرط ہوتی تھی کہ اپنی بیوی کو تین طلاق دے دو تا کہ وہ تمھارے لیے حلال نہ رہے۔ اور عیش و عشرت بلا شرکتِ غیرے ہمارے حصے میں آ سکے۔ ان عورتوں کو بالعموم مسائل کی باریکیوں کا علم نہ ہوتا۔ وہ مطمئن ہو کر شادی کر لیتیں۔ وہ اس سے بے خبر ہوتیں کہ مرد طلاق سے رجوع بھی کر سکتا ہے۔ جب مرد رجوع کر لیتے تو یہ چیز نزاع کا باعث بن جایا کرتی تھی۔ پھر باہم ایسی بدمزگیاں پیدا ہوتیں کہ زندگی کا سکون و اطمینان سب غائب ہو جاتا۔ عرب نژاد اپنی پچھلی خاندانی بیویوں کو ترک بھی نہیں کر سکتے تھے۔ وہ چند ماہ بعد نسبی حفاظت کی غرض سے خاندانی عرب بیویوں سے رجوع کر کے انھیں واپس لانے لگتے۔

حضرت عمرؓ کو ان حالات میں خرابیوں پر قابو پالینے کی تدبیر یہ نظر آئی کہ بیک وقت دی جانے والی تین طلاقوں کو تین مرتبہ کی طلاقوں کا درجہ دے دیا جائے تا کہ عرب اپنی خاندانی بیویوں کو طلاق دینے سے باز آجائیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ قدم درحقیقت مخصوص حالات میں اور انتظامی مصلحت کے پیش نظر اٹھایا تھا۔ خلیفۂ وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عارضی طور پر خصوصی حالات کو

دیکھتے ہوئے کسی خاص حکم کو معطل کردے۔ خلافتِ راشدہ میں اس کی دوسری مثالیں بھی مل سکتی ہیں۔ خود حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانے میں چوری کی سزا کو کچھ دنوں کے لیے معطل کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اپنے فیصلہ کو مستقل قانون نہیں بنایا تھا، جس پر ہمیشہ عمل کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک آرڈی ننس کی تھی۔ پھر اپنے اس اقدام پر انھیں ندامت بھی ہوئی ہے (دیکھیں، غاثة اللهفان عن مصائد الشيطان، ج ۱/۱ ۳۵، مطبوعه مصطفى البابى الحلبى و اولادهٗ بمصر ۱۳۸۱ھ)

خلع

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، ثَابِتُ ابْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلاَ دِيْنٍ وَ لٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلاَمِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَ طَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ثابت ابن قیسؓ کی بیوی نبی ﷺ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، ثابت ابن قیس کے اخلاق (کی کسی خرابی) کے سبب سے مجھے ان پر غصہ نہیں ہے اور نہ دین (میں کسی کمی) کی وجہ سے۔ لیکن میں اسلام کی حالت میں ناشکری کو پسند نہیں کرتی۔ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس کا باغ اسے واپس کر دو گی؟'' کہا کہ ہاں۔ رسول اللہ ﷺ نے ثابتؓ سے فرمایا: ''تم اپنا باغ لے لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔''

تشریح: ''میں اسلام میں ناشکری کو پسند نہیں کرتی'' بخاری کی ایک روایت میں ہے: وَلٰكِنِّيْ لاَ اُطِيْقُهٗ (لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی) اس گزارش کا ماحصل یہ ہے کہ میں اپنے شوہر سے جدائی چاہتی ہوں لیکن اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میرے شوہر کے دین واخلاق میں کسی قسم کا کوئی نقص ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ مجھے طبعی طور پر وہ پسند نہیں ہیں۔ لیکن چوں کہ وہ میرے شوہر ہوتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حسنِ معاشرت کے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں مجھ سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے اور میں خدا کی نگاہ میں گنہگار ٹھہروں۔

حضرت ثابت بن قیسؓ شکل وصورت کے لحاظ سے بہت اچھے نہ تھے لیکن بیوی بہت

حسین وجمیل تھی۔ دونوں کا یہ رشتہ ناموزوں سا تھا۔ حضرت ثابتؓ کی بیوی انھیں پسند نہیں کرتی تھی۔ اسی لیے اس نے حضورﷺ سے یہ درخواست کی کہ میں اپنے شوہر سے جدا ہونا چاہتی ہوں۔ آپؐ نے اس درخواست پر حضرت ثابتؓ سے فرمایا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور اپنا باغ واپس لے لیں۔

جس طرح مرد کو شریعت نے طلاق کا اختیار دیا ہے، اسی طرح عورت کو خلع کا حق حاصل ہے۔ اگر مرد کے ساتھ اس کا نباہ ناممکن ہو رہا ہے تو عورت شوہر کو کچھ دے کر یا مہر لوٹا کر اس سے چھٹکارا حاصل کر سکتی ہے۔

خلع کی نوبت اگر مرد کی زیادتیوں کی وجہ سے پیش آتی ہے تو مرد کو خلع کے عوض کچھ مال لینا پسندیدہ نہیں ہے اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو اس صورت میں اسے بس مہر کے بقدر مال لینا چاہیے۔ اس سے زیادہ مطالبہ کرنا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ علمائے احناف کی رائے ہے۔

عورت اگر مرد سے خلع چاہتی ہے اور مرد نے کہا کہ میں نے اتنے مال کے عوض تجھ سے خلع کیا۔ بیوی نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو دونوں کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ رہا یہ سوال کہ اس کو طلاق کہا جائے گا یا فسخ نکاح؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ خلع کو طلاقِ بائن قرار دیتے ہیں۔ یعنی اس کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ البتہ تجدیدِ نکاح کی گنجائش پھر بھی باقی رہتی ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ خلع کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں۔ وہ اسے طلاق قرار نہیں دیتے۔ ایک قول امام شافعیؒ کا بھی اسی کے حق میں ہے۔

(۲) وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقاً فِيْ غَيْرِ مَا بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ”جو عورت اپنے خاوند سے بلاضرورت طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی۔“

تشریح: اس میں سخت تنبیہ پائی جاتی ہے کہ جب تک کوئی قوی عذر اور مجبوری نہ ہو مرد سے جدائی چاہنا حد درجہ مبغوض ہے۔ بغیر کسی حقیقی سبب کے مرد سے طلاق چاہنے والی عورتوں کو تنبیہ فرمائی گئی ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کی یہ نازیبا حرکت اخلاقی اعتبار سے حد درجہ مجرمانہ ومفسدانہ

ہے۔ بلاضرورت طلاق طلب کر کے وہ خدا کی ایک بڑی نعمت کو ٹھکراتی اور معاشرتی استحکام کو غیر معمولی نقصان پہنچاتی ہے۔ شوہر عورت کے لیے سامانِ سکون وراحت اور خدا کی طرف سے ایک خصوصی نوازش کی حیثیت رکھتا ہے۔ اب اگر عورت خدا کی اس خاص نوازش کی ناقدری کرتی ہے۔ تو پھر اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ خدا کی جنت کی نعمتوں سے شادکام ہونے کی آرزومند ہو۔

حلالہ

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ.
(ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔

تشریح: ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے اور مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ حلالہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے کہے کہ وہ اس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کر کے اسے اس کے لیے حلال کر دے۔ یعنی اس کی مطلقہ بیوی سے اس شرط پر نکاح کر لے کہ مجامعت کے بعد وہ اسے طلاق دے دے گا تا کہ وہ دوبارہ اپنے پہلے شوہر کے نکاح میں آسکے۔ نبی ﷺ حلالہ کرنے اور کرانے والے دونوں ہی شخصوں پر لعنت فرماتے ہیں۔ یعنی آپؐ کے نزدیک یہ کام انتہائی قبیح ہے۔ اس میں عورت کی عزت وحرمت بھی حد درجہ مجروح ہوتی ہے۔

نکاح کا منشا یہ ہوتا ہے کہ شوہر و بیوی دونوں ہمیشہ کے لیے باہم ایک دوسرے کے دم ساز ورفیقِ حیات رہیں گے۔ اب اگر کوئی شخص طلاق دینے کے ارادے سے نکاح کرتا ہے تو ظاہر ہے یہ اقدام نکاح کی اصل روح اور اس کے مقصد ومنشا کے خلاف ہوگا۔

ایلاء

〈۱〉 عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ: اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُوْلِيْ.
(شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا ہے ہر ایک کا قول یہی تھا کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔

تشریح: فقہ کی اصطلاح میں ایلاء یہ ہے کہ آدمی قسم کھالے کہ وہ بیوی کے پاس نہ جائے گا یا چار مہینے یا اس سے زیادہ مدت کے لیے بیوی کے پاس نہ جانے کی وہ قسم کھالے۔

اب اگر چار مہینے گزر گئے اور وہ بیوی کے پاس نہیں گیا تو اکثر صحابہ کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ ایلاء کرنے والے کو موقع دیا جائے گا اور حاکم یا قاضی اس سے کہے گا کہ یا تو اپنی بیوی سے رجوع کرو یعنی اس سے مقاربت کرو یا پھر اسے طلاق دے دو۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر مرد نے چار مہینے کے اندر بیوی سے مقاربت کر لی تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا۔ مگر اس پر لازم ہوگا کہ قسم پوری نہ کرنے کا کفارہ ادا کر دے۔ اور اگر چار مہینے گزر گئے اور اس نے بیوی سے مقاربت نہیں کی تو بیوی پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی۔

قرآن میں ہے: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ (البقرة:۲۲۶،۲۲۷) ''جو لوگ اپنی بیویوں سے باز رہنے کی قسم کھالیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے تک انتظار کرنے کا حق ہے۔ پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق ہی کی ٹھان لیں تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ بیوی سے چار مہینے سے زیادہ قطع تعلق کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے اور چار مہینے سے زیادہ مدت تک قطع تعلق پر قائم رہتا ہے تو اسے بیوی سے مستقل قطع تعلق ہی کر لینا چاہیے۔ سکون واطمینان اور محبت ومودّت کے علاوہ نکاح کے دو اہم مقاصد اور بھی ہیں: عفت و عصمت کی محافظت اور افزائش نسل۔ جنسی اشتہا ایک فطری جذبہ ہے۔ مرد کو اس کی اجازت کیوں کر دی جاسکتی ہے کہ وہ اس سلسلے میں اپنی بیوی کو آزمائش میں ڈال دے۔ مرد کو بس چار مہینے کی چھوٹ ہے، اس سے زیادہ عرصہ تک اسے بیوی سے الگ رہنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ مرد کو چار مہینے سے پہلے پہلے اپنی قسم توڑ کر بیوی سے مقاربت کر لینی چاہیے یا پھر بیوی کو باقاعدہ جدا کر دینا چاہیے۔

ظہار

(۱) عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً ظَاهَرَ مِنْ اِمْرَأَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُ بَيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِيْ اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ اَمَرَهٗ اَنْ لَّا يَقْرُبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ.

(ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت عکرمہ حضرت عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرلیا۔ اس کے بعد اس نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں کس چیز نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟'' اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نگاہ پڑگئی۔ پھر مجھے خود اختیار نہ رہا کہ اس سے جماع کرنے سے اپنے آپ کو روکتا۔ اس پر رسولِ خدا ﷺ ہنس پڑے اور اسے حکم دیا کہ ''جب تک کفارہ ادا نہ کردو اس کے پاس نہ جانا۔''

تشریح: ظہار لفظ ظہر سے مشتق ہے۔ ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تو میرے لیے پشتِ مادر کی طرح ہے۔ یا یہ کہے کہ تو میری ماں یا میری بہن کی طرح میرے لیے حرام ہے اور اس کی نیت طلاق دینے کی نہ ہو تو اسے ظہار کہتے ہیں۔ اب وہ اپنی بیوی سے اس وقت تک مباشرت نہیں کرسکتا جب تک کہ ظہار کا کفارہ نہ ادا کردے۔ اگر کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس نے بیوی سے مباشرت کرلی تو وہ سخت گنہگار ہوگا۔ وہ توبہ بھی کرے اور کفارہ بھی ادا کرے۔ ظہار ایک نازیبا حرکت ہے۔ قرآن میں ہے: اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (المجادلہ:۲) ''تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں، ان کی مائیں وہ نہیں ہیں۔ ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ ایک ناپسندیدہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔''

ظہار کا کفارہ وہی ہے جو روزہ کا کفارہ ہے۔ چناں چہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: وَ

الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ط ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ○ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ج فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا○ (المجادلہ: ۳، ۴) ”جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر جو بات انھوں نے کہی تھی اس سے رجوع کرتے ہیں تو اس سے قبل کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک گردن (غلام یا لونڈی) آزاد کرنی ہوگی۔ یہ وہ بات ہے، جس کی تمھیں نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ خبر رکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ مگر جس کو غلام میسر نہ ہو تو اس سے قبل کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں وہ پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے، اور جس کو اس کی بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔“

روزہ مسلسل دو ماہ تک رکھنا ہوگا۔ اگر ایک روزہ بھی درمیان میں رہ گیا تو از سرِ نو روزہ رکھنا ہوگا۔ اور اگر روزہ نہیں رکھ سکتا تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلا دے۔ یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھانا کھلائے۔ یا صدقۂ فطر کے برابر یعنی پونے دو سیر گیہوں یا ساڑھے تین سیر جو یا ان کی قیمت ساٹھ مسکینوں کو دے دے۔ یا ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دیتا رہے۔

زنا

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: كُتِبَ عَلَی ابْنِ اٰدَمَ نَصِیْبُهٗ مِنَ الزِّنَا فَهُوَ مُدْرِكٌ ذٰلِكَ لَا مَحَالَةَ اَلْعَیْنَانِ زِنَاهُمَا النَّظَرُ، وَالْاُذُنَانِ زِنَاهُمَا الْاِسْتِمَاعُ، وَاللِّسَانُ زِنَاهُ الْكَلَامُ، وَالْیَدُ زِنَاهَا الْبَطْشُ، وَالرِّجْلُ زِنَاهَا الْخُطیٰ، وَ الْقَلْبُ یَهْوٰی وَ یَتَمَنّٰی، وَ یُصَدِّقُ الْفَرْجُ اَوْ یُكَذِّبُهٗ. (بخاری، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”(غافل) آدمی کے حصے میں زنا کا جو حصہ لکھا ہے وہ اسے پا کر رہے گا۔ آنکھوں کا زنا (شہوت کی نظر سے) دیکھنا ہے، کانوں کا زنا (شہوت انگیز باتوں کا) سننا ہے، زبان کا زنا اس سلسلے کی گفتگو میں حصہ لینا ہے، ہاتھ کا زنا پکڑنا ہے، پیر کا زنا اس کے لیے چل کر جانا ہے، دل کا زنا خواہش اور تمنا کرنا ہے۔ اور شرم گاہ یا تو اس کی تصدیق کر دے گی یا تکذیب۔“

تشریح: ”دل کا زنا خواہش اور تمنا کرنا ہے۔“ صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد میں یہ بھی آیا ہے کہ اَلْفَمُ زِنَاهُ الْقُبَلُ یعنی بوسہ لینا منہ کا زنا ہے۔

حدیث کا مقصود در حقیقت یہ بتانا ہے کہ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پھر سبھی اعضا کو گناہ کے کاموں سے دور رکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم آنکھوں کو غلط دیدہ بازیوں سے اور کان کو شہوت انگیز باتوں کے سننے سے اور اپنی زبان کو ایسی گفتگوؤں سے باز نہیں رکھتے، جو شہوت پرستی پر اُبھارنے والی ہوتی ہیں اور اسی طرح اپنے ہاتھ کا نازیبا حرکات اور اپنے قدم کو غلط سمت میں اٹھنے سے نہیں روکتے تو گویا ہم حقیقی زنا اور بدکاری کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ اس طرح کی چیزوں اور بوسہ وکنار کی حیثیت زنا کے مقدمات کی ہے۔ اگر آدمی اس سلسلے میں غفلت برتتا ہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ حقیقتاً ایک روز زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔

(۲) وَ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَعَافُوا الْحُدُوْدَ فِيْمَا بَيْنَكُمْ فَمَا بَلَغَنِيْ مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (ابوداؤد، نسائی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم آپس میں حدود کو معاف ومحو کر دیا کرو۔ البتہ اگر جرم کی اطلاع مجھ تک پہنچ جائے گی (اور اس کا ثبوت فراہم ہو گیا) تو پھر حد جاری کرنا واجب ہو جائے گا۔“

تشریح: حدود در حقیقت ”حد“ کی جمع ہے۔ حد کے اصل معنی ممنوع کے ہوتے ہیں۔ نیز اس چیز کو بھی حد کہتے ہیں، جو دو چیزوں کے بیچ حائل ہو۔ شریعت کی اصطلاح میں حدود ان سزاؤں کو کہتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت اور متعین ہیں۔ مثلاً زنا اور چوری کی سزائیں۔ یہ سزائیں لوگوں کو گناہوں میں مبتلا ہونے سے روکتی ہیں اور ان سزاؤں کا خوف گناہ اور آدمی کے بیچ حائل ہو جاتا ہے۔

”حدود اللہ“ کی اصطلاح محارم کے معنی میں بھی مستعمل ہے، جن کا پاس ولحاظ کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مقادیرِ شرعی یعنی تین طلاق وغیرہ مقرر کرنے کے ضابطہ کے معنی میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ قرآن میں ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (البقرۃ:۲۲۹) ”یہ حدود اللہ ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرنا۔“ محارم کے سلسلے میں ارشاد ہوا ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (البقرۃ:۱۸۷) ”یہ حدود اللہ ہیں، پس ان کے قریب نہ جاؤ۔“

جن جرائم کی سزائیں کتاب وسنت نے متعین نہیں کی ہیں ان میں حاکم کو اختیار حاصل ہے کہ وہ موقع محل اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے سزا خود متعین کرے۔ اس قسم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی سے کوئی جرم یا گناہ سرزد ہو جائے تو جہاں تک ممکن ہو درگزر سے کام لو۔ قضیہ حاکم کے پاس نہ لے جاؤ۔ اگر قضیہ حاکم کے پاس پہنچ گیا تو حاکم کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ مجرم کو معاف کر سکے۔

(۳) وَ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍؓ قَالَ اِسْتُكْرِهَتِ امْرَأَةٌ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ فَدَرَأَ عَنْهَا الْحَدَّ وَ اَقَامَهُ عَلَى الَّذِيْ اَصَابَهَا وَ لَمْ يَذْكُرْ اَنَّهُ جَعَلَ لَهَا مَهْرًا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی۔ پس اسے حد سے برأت دی گئی اور اس سے زنا کرنے والے شخص پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے اس کا ذکر نہیں کیا کہ آپؐ نے اس عورت کو مہر دلوایا یا نہیں۔

تشریح: مہر سے مراد یہاں عقر یعنی تاوان یا ہرجانہ (Indemnity) ہے۔ دوسری احادیث سے ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اسے عقر یعنی تاوان دلا جائے گا۔ تاوان کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہونی چاہیے۔

(۴) وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الزِّنَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرُّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ. (احمد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں رسولِ خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”جس قوم میں زنا کی کثرت ہو جاتی ہے وہ قحط میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوتوں کی وبا عام ہو جاتی ہے، اس پر رعب مسلط ہو جاتا ہے۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ مصائب کے اسباب صرف مادی اور طبعی ہی نہیں ہوتے کہ قحط اور سوکھے سے محفوظ رہنے اور خوش حالی اور پیداوار کی فراوانی کے لیے ظاہری اسباب کو کام میں لایا جائے بلکہ مصائب کے وجوہ واسباب اخلاقی بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کے لیے اخلاق کی درستی کی طرف بھی توجہ دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کسی قوم میں اگر رشوت کا چلن عام ہو جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قوم کے عوام ہی نہیں بلکہ ذمے دارانہ مناصب پر فائز شخصیتیں بھی بے ضمیر ہو کر رہ گئی ہیں۔ رشوت خور حاکم بے جھجک اپنے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ حق پسند اشخاص کا اعتماد اور بھروسہ اپنی سچائی اور حق پسندی پر باقی نہیں رہتا۔ قوم سے اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر ڈر اور خوف کا ایسا ماحول جنم لیتا ہے، جس میں ہر شخص اندیشہ کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اخلاق و کردار کے خاتمہ کے بعد قوم بزدل اور بے حوصلہ ہو جاتی ہے۔ اس کے اندر وہ توانائی اور استحکام باقی نہیں رہتا، جو اسے ہر قسم کے خوف، اندیشہ اور رعب سے محفوظ رکھ سکے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَقِيْمُوْا حُدُوْدَ اللّٰهِ فِي الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَلَا تَاْخُذْكُمْ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''قریب و بعید سب پر حدود اللہ جاری کرو اور اللہ کے (حکم کے) معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمھارے آڑے نہ آئے۔''

تشریح: یعنی حد جاری کرنے میں اس کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جائے گا کہ مجرم کوئی قریبی رشتے دار ہے یا دور کا کوئی شخص ہے۔ قریب سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے، جس تک پہنچنا مشکل نہ ہو اور اس پر حد جاری کرنا نسبتاً آسان ہو۔ اسی طرح بعید سے مراد وہ شخص بھی ہو سکتا ہے، جس تک پہنچنا مشکل اور جس پر حد جاری کرنا دشوار ہو۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کوئی بھی ہو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ امیر ہو یا غریب، قوی ہو یا کمزور، اپنا عزیز ہو یا اپنا عزیز نہ ہو۔ حد کے معاملے میں کسی کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے، جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا، بغیر کسی امتیاز و فرق کے اس پر حد جاری ہوگی۔

یہ حدیث یہ بھی بتاتی ہے کہ خدا کے حکم کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی تمھیں پروا نہیں کرنی چاہیے۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِقَامَةُ حَدٍّ مِّنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنْ مَّطَرِ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً فِيْ بِلَادِ اللّٰهِ. (ابن ماجہ، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''حدود اللہ میں سے کسی

ایک حد کا نافذ کرنا خدا کی سرزمینوں میں چالیس روز تک بارش برسنے سے بہتر ہے۔“

تشریح: حد جاری کر کے مخلوقِ خدا کو جرائم و معاصی سے باز رکھنے کی کوشش بے انتہا برکات کے نزول کا سبب ہے۔ اس کے برخلاف حدود کے جاری کرنے میں تساہل یا بے پروائی درحقیقت لوگوں کو گناہ اور معاصی میں مبتلا ہونے کی راہ ہموار کرنا ہے۔ گناہ اور معاصی کی کثرت وہ نحوست ہے، جس کے سبب خدا بارش کو روک سکتا ہے اور قوم قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو سکتی ہے، جیسا کہ اوپر حدیث نمبر ۴ میں واضح طور پر اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ بِرَجُلٍ ـــ كَانَ فِي الْحَيِّ ـــ مُخْدَجٍ سَقِيْمٍ فَوَجَدَ عَلٰى اَمَةٍ مِّنْ اِمَائِهِمْ يَخْبُثُ بِهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ خُذُوْا لَهٗ عِثْكَالاً فِيْهِ مِائَةُ شِمْرَاخٍ فَاضْرِبُوْهُ ضَرْبَةً. (شرح السنۃ، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سعید بن سعد بن عبادہؓ روایت کرتے ہیں کہ (ایک روز) حضرت سعد بن عبادہؓ ایک ایسے شخص کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جو ناقص الخلقت (کمزور) اور بیمار تھا اور اسے ان کی لونڈی سے زنا کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اسے مارنے کے لیے کھجور کی ایک ٹہنی لو، جس میں چھوٹی چھوٹی سوٹہنیاں ہو۔ پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو۔“

تشریح: زانی یا زانیہ کو سو کوڑے مارنے کی سزا قرآن میں بیان ہوئی ہے (النور: ۴)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کو کوڑے مارے جا رہے ہوں وہ کہیں مر نہ جائے۔ اگر مجرم بیمار ہے تو جب تک وہ اچھا نہیں ہو جاتا حد کو ملتوی کیا جا سکتا ہے لیکن اگر مریض کے اچھے ہونے کی توقع نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کریں گے کہ وہ مرنے نہ پائے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے۔

قذف

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلاً مِّنْ بَنِيْ بَكْرِ بْنِ لَيْثٍ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَاَقَرَّ عِنْدَهٗ اَنَّهٗ زَنٰى بِامْرَأَةٍ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ فَجَلَدَهٗ مِائَةَ جَلْدَةً وَ كَانَ بِكْرًا ثُمَّ سَاَلَهُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمَرْأَةِ فَقَالَتْ: كَذَبَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَجَلَدَ حَدَّ الْفِرْيَةِ ثَمَانِيْنَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بکر بن لیث کے خاندان کا ایک شخص نبی ﷺ کے

پاس آیا اور اس نے آپؐ کے سامنے اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ چار بار زنا کا مرتکب ہوا ہے، آپؐ نے اسے سو کوڑے لگوائے۔ وہ شخص کنوارا تھا۔ پھر آپؐ نے اس سے اس عورت کے خلاف شہادت طلب فرمائی (وہ گواہ پیش نہ کرسکا) پھر عورت نے عرض کیا کہ بہ خدا اے اللہ کے رسولؐ، یہ شخص جھوٹ بولتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس شخص پر جھوٹی تہمت لگانے کے بدلے میں اسّی کوڑے لگانے کا حکم صادر فرمایا۔

تشریح: ''سو کوڑے لگوائے۔'' یعنی اس پر زنا کی حد جاری فرمائی۔

چوں کہ زنا کے اقرار سے وہ عورت زنا کی مرتکب قرار پائی تھی اس لیے آں حضرت ﷺ نے اس شخص سے گواہ طلب کیے تا کہ اگر اس عورت کے ساتھ اس کے زنا کرنے کا ثبوت فراہم ہوسکے تو اس عورت پر حد جاری کی جائے۔ جب وہ شہادت پیش نہ کرسکا تو اس عورت نے کہا کہ بہ خدا یہ شخص اپنے بیان میں جھوٹا ہے۔ میں زنا سے پاک ہوں۔ جب عورت نے زنا کا اقرار نہیں کیا اور وہ شخص اپنے دعویٰ کے حق میں شہادت فراہم کرنے سے قاصر رہا تو اس کا اس عورت کو مرتکب زنا قرار دینا اتہام ٹھہرا۔ اسی لیے رسولِ خدا ﷺ نے اس شخص کو اسی کوڑوں کی دوسری سزا دی۔ یہ سزا تہمت لگانے کی تھی۔ قرآن میں ہے: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النور: ۴،۵) ''جو لوگ پاک دامن عورتوں کو تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں، تو انھیں اسی کوڑے مارو اور کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ وہی ہیں جو مبتلائے فسق ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں۔ اس صورت میں یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔''

کسی پر زنا کی تہمت لگانی سنگین قسم کا جرم ہے۔ اسی لیے تہمت لگانے والا اگر اپنے دعویٰ کے حق میں شہادت فراہم نہیں کرتا تو پھر اسے اپنی پیٹھ پر اسی کوڑے کھانے ہوں گے۔ کسی شخص کی برائی پر پردہ پڑا رہے اور وہ لوگوں کے علم میں نہ آئے تو اس میں وہ قباحت نہیں ہے، جو قباحت کسی بے قصور اور پاک دامن شخص پر تہمت لگا کر اسے رسوا اور ذلیل کرنے میں ہے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا ان سات کبیرہ گناہوں میں سے ہے، جو تباہ کن (موبقات) ہیں۔ طبرانی میں حضرت حذیفہؓ کی روایت نقل ہوئی ہے کہ

رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''ایک پاک دامن عورت پر تہمت لگانا سو برس کے اعمال کو غارت کر دیتا ہے:'' (قذف المحصنة يهدم عمل مأة سنة)۔

عورت کا معاملہ مردوں کے مقابلے میں زیادہ نازک ہوتا ہے، اس لیے کسی پاک دامن خاتون پر تہمت لگانے کو انتہائی سنگین جرم قرار دیا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ کسی کو متہم کرنا کوئی معمولی بات نہیں ہے، کسی بے گناہ پر اگر کسی شخص نے تہمت لگا دی اور کسی وجہ سے دنیا میں اسے اس جسارت کی سزا نہ دی جا سکی تو اس سنگین جرم کی سزا اسے قیامت کے روز مل کر رہے گی۔

عورت کا دائرۂ کار

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّهَا قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلاَ نُجَاهِدُ؟ قَالَ: لٰكِنْ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، ہم جہاد کو تمام اعمال میں افضل سمجھتے ہیں، پھر آخر ہم جہاد کیوں نہ کریں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا'' لیکن افضل جہاد حج مبرور ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ عورتوں کا اصل میدانِ کار وہ نہیں ہے جو مردوں کا ہے۔ عورتیں اگر میدانِ جنگ میں نہیں اترتیں تو ان کو اس کا غم نہیں ہونا چاہیے۔ ان کے لیے حج و عمرہ جہاد کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ حج مقبول و مبرور کی حیثیت افضل جہاد کی ہے۔ اس لیے خواتین اگر جنگ میں شرکت نہیں کرتیں تو وہ اپنے آپ کو محروم ہرگز خیال نہ کریں۔ حج مبرور سے مراد وہ حج ہے، جس میں مناسکِ حج اپنے پورے آداب کے ساتھ ادا کیے گئے ہوں اور جس میں نفاق و ریا، وغیرہ عیوب و نقائص کی کوئی آمیزش نہ پائی جاتی ہو۔

(۲) وَ عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَؓ قَالَ: لَقَدْ نَفَعَنِيَ اللّٰهُ بِكَلِمَةٍ اَيَّامَ الْجَمَلِ لَمَّا بَلَغَ النَّبِيَّ اَنَّ فَارِساً مَلَّكُوْا ابْنَةَ كِسْرٰى قَالَ: لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ مجھے جنگِ جمل کے ایام میں ایک کلمہ کے ذریعے سے اللہ نے نفع پہنچایا۔ جب نبی ﷺ کو اس کی خبر پہنچی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے، تو آپؐ نے فرمایا: '' وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی، جس نے حکومت کسی

عورت کے سپرد کی۔''

تشریح: عورت اور مرد الگ الگ صنفیں ہیں۔ حیاتیاتی ساخت اور مزاج و ذوق کے لحاظ سے دونوں میں غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ اس لیے عمل کے لحاظ سے بھی دونوں میں فرق ہونا چاہیے۔ لہٰذا معاشرتی اور سماجی زندگی میں دونوں کا دائرۂ کار ایک ہرگز نہیں ہوسکتا۔ عورتوں کی اصل ذمے داری یہ ہے کہ وہ گھر کے داخلی نظم کو سنبھالیں اور امور خانہ داری میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہ رکھیں۔ عورت کی فطرت اور صلاحیت کے لحاظ سے یہ درست نہ ہوگا کہ مردوں کو چھوڑ کر حکمرانی کے فرائض اس کے سپرد کیے جائیں۔ اب اگر کوئی قوم حکومت کی ذمے داری کا منصب کسی عورت کے سپرد کرتی ہے تو اس فیصلہ کو درست نہیں کہا جاسکتا۔ غلط فیصلے اپنے انجام کے لحاظ سے افسوس ناک ہی ثابت ہوں گے۔

لیکن اس کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ اسلام عورت کو حقیر درجہ دیتا ہے۔ بلکہ عورت چوں کہ اپنی فطرت کے لحاظ سے مرد سے مختلف ہے اس لیے ذمے داریوں کے سپرد کرنے میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ عورت پر کوئی ایسا بوجھ ڈالنا اس کے ساتھ ظلم ہوگا، جس کی وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے متحمل نہیں ہوسکتی۔ وہ گھر کے معاملات کو دیکھنے اور سنبھالنے کے لیے بہت ہی موزوں ہے۔ لیکن باہر کے کاموں کے لیے انفعالی صلاحیتیں نہیں، جو عورت کی خصوصیت ہے، بلکہ فعالی قسم کی صلاحیتیں مطلوب ہوتی ہیں، جو مردوں کو عطا ہوئی ہیں۔ باہر کے کام انجام دینے کے لیے سخت جسم اور مضبوط اعصاب کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے لیے مرد ہی موزوں ہوسکتا ہے نہ کہ عورت۔ تاریخ کی شہادت بھی یہی ہے کہ امورِ عامہ کے قائد ہر دور میں مرد ہی رہے ہیں بلکہ گھر کے اندر بھی اعلیٰ اختیار ان ہی کو حاصل رہا ہے۔ اس لیے عورتوں کو مرد کی نقل ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔ آزادیِ نسواں کے پُرفریب نعروں سے متاثر ہوکر اگر وہ ان میدانوں میں اُترنے کی کوشش کرتی ہیں جو مردوں ہی کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں تو وہ اپنے ساتھ ظلم کریں گی۔ اس طرح ان کی نسائیت بھی مجروح ہوکر رہے گی، جو ایک عورت کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔

(۳) وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ اِسْتَأْذَنْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْجِهَادِ فَقَالَ: جِهَادُ كُنَّ الْحَجُّ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے جہاد میں شرکت کی اجازت

طلب کی۔ آپؐ نے فرمایا: ”تم عورتوں کا جہاد حج ہے۔“

تشریح: یعنی تمھارے لیے حج کی حیثیت جہاد کی ہے، تم نے اگر حج کا سفر اختیار کیا اور اس سفر کی تکالیف برداشت کیں تو گویا تم نے جہاد میں شرکت کی۔ عورت کا اصل میدانِ کار، میدانِ جنگ نہیں بلکہ ان کا اپنا گھر ہے۔ اس لیے اگر ان کو جنگ میں شرکت کی سعادت حاصل نہ ہو تو ان کی سیرت و کردار کا نقص نہیں ہے بلکہ یہ ان کی فطرت اور صلاحیت ہی کا تقاضا ہے کہ حتی الوسع ان سے باہر کے سخت قسم کے کام نہ لیے جائیں۔

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ وَلَا تُسَافِرَنَّ امْرَأَةٌ اِلَّا وَ مَعَهَا مَحْرَمٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُكْتُتِبْتُ فِيْ غَزْوَةِ كَذَا وَ كَذَا وَ خَرَجَتِ امْرَأَتِيْ حَاجَّةً. قَالَ: اِذْهَبْ فَاحْجُجْ مَعَ امْرَأَتِكَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے، اور کوئی عورت محرم کی معیت کے بغیر سفر نہ کرے۔“ اس موقع پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ، میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں شرکت کے لیے لکھا جا چکا ہے اور میری بیوی حج کو جانے والی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”جاؤ اور اپنی بیوی کے ساتھ حج کرو۔“

تشریح: یعنی اجنبی عورت اور مرد کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ تنہائی میں یکجا ہوں۔ اسی طرح عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر یا محرم کے بغیر سفر اختیار کرے۔ یہاں تک کہ سفرِ حج میں بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا کوئی محرم لازماً ہو۔ خلوت یا تنہائی میں میں اگر کوئی شخص کسی اجنبی عورت سے ملتا ہے تو وہ اپنے کو سخت فتنہ میں ڈالتا ہے۔ انسان پر کسی بھی وقت خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو سکتا ہے اور وہ کوئی ایسا غلط اقدام کر سکتا ہے، جس کی تلافی بعد میں ممکن نہ ہو سکے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ حدود کا پاس و لحاظ رکھا جائے۔ عافیت دراصل اسی میں ہے۔ سفر میں اگر عورت کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا باپ، بیٹا یا محرم نہیں ہے تو پھر اسے محفوظ نہیں کہا جا سکتا۔ کسی وقت اور کہیں بھی وہ کسی کی ہوس کا شکار ہو سکتی ہے۔ عورت کی آبرو کو کسی خطرے میں ڈالا جائے، شریعت اس پر راضی نہیں ہو سکتی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُسَافِرُ مَسِيْرَةَ لَيْلَةٍ اِلَّا وَ مَعَهَا رَجُلٌ ذُوْ حُرْمَةٍ مِّنْهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلم عورت کے لیے ایک رات کی مسافت کا سفر کرنا بغیر محرم کی معیت کے جائز نہیں ہے۔“

تشریح: بخاری و مسلم کی روایت ہے: لَا تُسَافِرُ امْرَأَةٌ مَسِيْرَةَ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ اِلَّا وَ مَعَهَا ذُوْ مَحْرَمٍ (عن ابی ہریرہؓ) ”کوئی عورت ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے بقدر بھی سفر نہ کرے الّا یہ کہ اس کے ساتھ کوئی محرم ہو۔“

(۶) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ لَا یَحِلُّ لِاِمْرَاَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُسَافِرَ سَفَرًا فَوْقَ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فَصَاعِدًا اِلَّا وَ مَعَهَا اَبُوْهَا وَ اَخُوْهَا اَوْ زَوْجُهَا اَوْ اِبْنُهَا اَوْ ذُوْ مَحْرَمٍ مِنْهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ”کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، جائز نہیں کہ تین روز سے زیادہ کا سفر اختیار کرے، جب تک اس کا باپ یا اس کا بھائی یا اس کا شوہر یا اس کا بیٹا یا اس کا کوئی محرم اس کے ساتھ نہ ہو۔“

تشریح: اس سے پہلے کی روایت میں عورت کو ایک رات کی مسافت کا سفر تنہا اختیار کرنے سے روکا گیا ہے، اس روایت میں محرم کے بغیر تین روز سے زیادہ کے سفر سے روکا جا رہا ہے۔ اِس طرح کی روایتوں کا اصل مقصود درحقیقت سفر کی مسافت اور مدت متعین کرنی نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سفر لمبا ہو یا مختصر عورت کو بغیر شوہر یا محرم کے تنہا سفر کرنا خلافِ مصلحت ہے۔ اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ آج کے موجودہ دور میں جب کہ فتنہ و فساد ایک عام بات ہے آپؐ کی تعلیم پر نہایت سختی سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّﷺ قَالَ: اِذَا اسْتَاْذَنَتْ اَحَدَکُمْ اِمْرَاَتُهٗ اِلَی الْمَسْجِدِ فَلَا یَمْنَعْهَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کی عورت مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو وہ اسے منع نہ کرے۔“

تشریح: کسی عورت کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت تو ہے لیکن اس کے لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی نماز گھر ہی میں ادا کرے۔ اور اگر عورتوں کے مسجدوں میں جانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو پھر انھیں ہرگز مسجد میں نہ جانا چاہیے۔ دورِ اوّل میں عورتیں مسجدوں میں اس لیے بھی جانا

چاہتی تھی کہ انھیں وہاں دینی احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے مواقع میسر آئیں گے لیکن آج تو وہ اپنے گھروں میں رہ کر بہ آسانی دینی مسائل سیکھ سکتی ہیں۔

﴿۸﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَیْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَ شَرُّهَا اٰخِرُهَا وَ خَیْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ اٰخِرُهَا وَ شَرُّهَا اَوَّلُهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”مردوں کی صفوں میں سب سے بہتر پہلی صف ہے اور سب سے بری آخری صف اور عورتوں کی صفوں میں سب سے بہتر آخری صف ہے اور بدترین پہلی صف ہے۔“

تشریح: لیکن اگر جماعت صرف عورتوں ہی کی ہو تو ان کے لیے بھی بہترین صف پہلی یا اول ہی ہوگی۔ پہلی صف سے مراد نمازیوں کی وہ صف ہے، جو امام کے قریب ہوتی ہے۔

مردوں کے لیے پہلی صف کو اس لیے بہترین صف قرار دیا گیا ہے کہ اس صف کے مقتدی امام سے قریب ہوتے ہیں اور عورتوں کی صف ان سے سب سے زیادہ دور ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف پچھلی صف بدترین اس اعتبار سے ہے کہ اس صف کے مقتدی امام سے دور اور عورتوں سے قریب ہوتے ہیں۔ عورتوں کے لیے پچھلی صف کو بہترین اس لیے فرمایا کہ وہ مردوں سے پیچھے اور دور ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ صف امام کے قریب نہیں ہوتی۔ عورتوں کے لیے اگلی یا پہلی صف کو بدترین اس وجہ سے قرار دیا کہ اس صف میں شامل ہونے سے مردان سے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔

مرد اور عورت فطری طور سے باہم ایک دوسرے کے لیے غیر معمولی کشش اور جاذبیت رکھتے ہیں، اس لیے ان کا باہم ایک دوسرے سے قریب ہونا، ان کے لیے ذہنی و قلبی انتشار کا باعث ہو سکتا ہے اور یہ چیز اصل مقصود یعنی توجہ الی اللہ کے بھی منافی ہے اور یہ چیز آدمی کے لیے کسی بڑے فتنہ کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَمْنَعُوْا نِسَآئَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَ بُیُوْتُهُنَّ خَیْرٌ لَّهُنَّ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”تم اپنی عورتوں کو مسجد (میں جانے) سے نہ روکو لیکن بہتر ان کے لیے ان کے گھر ہی ہیں۔“

﴿۱۰﴾ وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِیْ بَیْتِهَا اَفْضَلُ

مِنْ صَلاَ تِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا وَ صَلاَ تُهَا فِیْ مُخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلاَ تِهَا فِیْ بَیْتِهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’عورت کا اپنے گھر کے اندر نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور کوٹھری میں اس کا نماز ادا کرنا کھلے ہوئے مکان میں نماز ادا کرنے سے افضل ہے۔‘‘

تشریح: عام طور پر بڑے گھر کے اندر محفوظ کمرہ یا کوٹھری بھی ہوتی ہے۔ حفاظت کی غرض سے نفیس اور بیش قیمت اشیاء اسی کے اندر رکھی جاتی ہیں۔ اس طرح کے محفوظ کمرے میں نماز پڑھنی عورت کے لیے زیادہ بہتر اور افضل ہے۔ عورت صنفِ لطیف ہونے کی وجہ سے اس کا حق رکھتی ہے کہ اس کی حفاظت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے۔ عورت کوئی نمایش کی چیز ہرگز نہیں ہے، اس کی لطافت ونسائیت کا تقاضا یہی ہے کہ نگاہِ اغیار سے وہ محفوظ رہے۔

جنگ میں شرکت

〈۱〉 عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَغْزُوْ بِاُمِّ سُلَیْمٍ وَ نِسْوَةٍ مِنَ الْاَنْصَارِ مَعَهٗ اِذَا غَزَا یَسْقِیْنَ الْمَاءَ وَ یُدَاوِیْنَ الْجَرْحٰی. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی جنگ کے لیے (مع صحابہ کے) تشریف لے جاتے تو ام سلیمؓ اور انصار کی دوسری خواتین کو بھی ساتھ لے جاتے۔ جس وقت جنگ کرتے تو یہ عورتیں (مجاہدوں کو) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں۔

〈۲〉 وَ عَنْ اُمِّ عَطِیَّةَؓ قَالَتْ: غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ سَبْعَ غَزَوَاتٍ اَخْلُفُهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ فَاَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ وَ اُدَاوِیَ الْجُرْحٰی وَ اَقُوْمُ عَلَی الْمَرْضٰی. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ام عطیہؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شرکت کی ہے۔ میں مجاہدین کے پیچھے ان کے ڈیروں میں رہ جاتی تھی۔ ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی اور دوا علاج کرتی اور بیماروں کی دیکھ بھال کرتی تھی۔

〈۳〉 وَ عَنْ رُبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍؓ قَالَتْ: کُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ نَسْقِی الْقَوْمَ وَ نَخْدِمُهُمْ وَ نَرُدُّ الْقَتْلٰی وَالْجَرْحٰی اِلَی الْمَدِیْنَةِ. (بخاری)

ترجمہ: رُبیع بنت معوذ (بن عفراءؓ) سے روایت ہے، ان کا بیان ہے کہ ہم عورتیں رسولِ خداﷺ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ لوگوں کو پانی پلاتی اور ان کی خدمت کرتی تھیں، اور مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ واپس لانے میں مدد کرتی تھیں۔

تشریح: ان روایات سے معلوم ہوا کہ مجاہدین کا پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کی غرض سے عورتوں کو جنگ میں اپنے ساتھ لے جانا جائز ہے۔ البتہ اس کے لیے عورتوں میں ان عورتوں کو ترجیح دی جانی چاہیے جو زیادہ عمر والی ہوں۔ عورتیں لڑائی بھڑائی میں شریک نہ ہوں گی۔ اس لیے کہ اصلاً یہ کام مردوں کا ہے، عورتیں مردوں کے پیچھے خیموں میں اور پڑاؤ پر رہ کر علاج معالجہ، زخمیوں کی دیکھ بھال اور کھانا تیار کرنے وغیرہ کے کام انجام دے سکتی ہیں۔ لیکن ناگزیر حالات میں وہ ہتھیار بھی اٹھا سکتی ہیں۔

❀❀

کچھ ضروری پابندیاں

فواحش سے اجتناب

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ؓ قَالَ: لاَ اَحَدَ اَغْیَرُ مِنَ اللّٰہِ. وَ لِذٰلِکَ حَرَّمَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ. وَلاَ شَیْءَ اَحَبُّ اِلَیْہِ الْمَدْحُ اِلَی اللّٰہِ وَ لِذٰلِکَ مَدَحَ نَفْسَہٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعودؓ) سے روایت ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت دار نہیں، اسی لیے اس نے تمام فحش چیزوں کو حرام کیا ہے خواہ کھلی ہوئی ہوں یا چھپی ہوں۔ اور اللہ کے نزدیک تعریف سے بڑھ کر پسندیدہ چیز کوئی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی تعریف کی (اور ہمیں بھی حکم دیا کہ اس کی تعریف کریں)۔

تشریح: بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول درحقیقت ارشادِ رسولؐ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ ○ (الاعراف: ۳۳) ”کہو: میرے رب نے تو حرام کیا ہے صرف شرم ناک کاموں کو، جو ان میں سے ظاہر ہوا سے بھی اور جو پوشیدہ ہوا سے بھی، اور حق تلفی، ناحق کی زیادتی، اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ، جس کے لیے اس نے کوئی سند نہیں نازل فرمائی، اور اس کو بھی کہ تم اللہ سے منسوب کرکے وہ کچھ کہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔“

اللہ سب سے بڑھ کر غیرت دار ہے۔ وہ یہ کیسے پسند کرتا کہ اس کے بندے بے حیائی

اور بدکاری کے کاموں میں ملوث ہوں۔ جس طرح ایک غیرت مند اور حیا دار شخص یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی بیوی بے حیا اور بے غیرت بن کر رہے اور غیروں سے آشنائیاں کرتی پھرے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ کی غیرت کو یہ ہرگز گوارا نہیں ہو سکتا کہ اس کے بندے بے حیائی اور بے شرمی کے کام کریں۔ اس لیے اس نے ان سبھی چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے، جن سے غیرت اور حیا کے تقاضے کا خون ہوتا ہے۔

''خدا کے نزدیک تعریف سے بڑھ کر محبوب چیز کوئی نہیں۔'' مدح اور تعریف درحقیقت حقیقت شناسی اور حقیقت کے اعتراف کا انتہائی اور آخری درجہ ہے۔ اس کے بعد اس کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ خدا نے اپنی مدح وستائش خود کی ہے۔ قرآن کی پہلی ہی آیت ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الفاتحہ:۱) ''سب تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' خدا اپنی خوبیوں اور اپنے حسن وکمال سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اپنی تعریف کر کے وہ اپنے بندوں کو اس کی خبر دیتا ہے کہ اصلاً تعریف کے لائق اسی کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

خدا جو ساری خوبیوں اور حسن وجمال اور کمال سے متصف ہے، اس کو پہچاننے کے بعد زبان پر بے ساختہ اس کے لیے حمد وستائش کے کلمات جاری ہونے چاہئیں۔ یہی شعور وآگہی کی انتہا اور زندگی کی سب سے بڑی یافت (Finding) ہے۔ یہاں شعور وہ سب کچھ پالیتا ہے، فطری طور پر جس کی اسے تلاش ہے۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ثَلٰثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوْثُ الَّذِىْ يُقِرُّ فِىْ اَهْلِهِ الْخُبْثَ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تین اشخاص ایسے ہیں جن پر خدا نے جنت حرام کر دی ہے: ایک وہ شخص جو ہمیشہ شراب پیے، دوسرا وہ جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے اور تیسرا وہ دیوث شخص جو اپنے اہل وعیال میں ناپاکی پیدا کرے۔''

تشریح: جنت وہ جگہ ہے، دنیا سے جہاں پاکیزہ زندگیاں منتقل ہوں گی۔ ناپاک زندگیوں کے حاملین کی جگہ حقیقت میں جنت نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جنت ایسے لوگوں کے لیے حرام ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ جس طرح کسی نیک سیرت اور پاک باز انسان کے شایانِ شان نہیں کہ کوئی عفت فروش اور بدکار عورت اس کی رفیقۂ حیات بنے۔ ٹھیک اسی طرح مقام بلند

وارفع جس کا نام جنت ہے، اس کے مستحق تو پاک باز لوگ ہی ہو سکتے ہیں، نہ کہ بے کردار اشخاص۔

شرابی شخص شراب کے نشہ کے سہارے جیتا ہے۔ وہ نہیں جان سکتا کہ جینے کے سہارے اور بھی ہو سکتے ہیں۔ زندگی کی کچھ کیفیات اور بھی ہیں، شراب کا سرور جس کا مقابلہ ہرگز نہیں کرسکتا۔ پھر احکامِ خداوندی کی پیروی کے لیے شعور و ہوش درکار ہے، بے ہوش اور سُکر کا خوگر منشائے شریعت کو کیوں کر پورا کرسکتا ہے۔ شراب پینے کی وجہ سے کتنی ہی دوسری برائیاں آدمی کے اندر پیدا ہوجاتی ہیں جن سے سبھی واقف ہیں۔ زنا کا تو شراب سے گہرا رشتہ ہے۔ شراب نوشی صحتِ جسمانی کی دشمن ہے، شراب کا عادی آدمی صحت جیسی نعمت کی جو ناقدری کرتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔

والدین کی طرف سے بے اعتنائی اور ان کی نافرمانی انتہا درجہ کی بداخلاقی اور گری ہوئی حرکت ہے۔ والدین کے جو احسانات اولاد پر ہوتے ہیں ان کا جواب یہ تو نہیں ہوسکتا کہ والدین کو اذیتیں پہنچائی جائیں اور ان کے حقوق کو یکسر فراموش کردیا جائے۔ جو شخص بھی والدین کی اطاعت سے گریز کرتا ہے وہ اپنے اس عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک گرا ہوا بے کردار آدمی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جنت ایسے بے کردار اور بداخلاق لوگوں کے لیے نہیں بنائی گئی ہے۔

دیوُّث اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کو اپنی بیوی کی بدکاری پر کچھ بھی غیرت محسوس نہ ہو۔ وہ سب کچھ جانتے ہوئے اس کو اپنی بیوی بنائے رکھے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ بے غیرت دیوث جنت میں جانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے، جو اپنے گھر میں اخلاقی گندگی پھیلائے اور اپنی بیوی، لونڈی یا کسی اور کو بدکاری کی راہ پر لگائے۔ اپنی عورتوں کو غیر مردوں سے بے حجابانہ اختلاط اور بوس و کنار کی آزادی دے، اور اسے اس کی کوئی پروا نہ ہو کہ خلوت میں اس کی بیوی سے کون ملتا ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ نِ الْاَنْصَارِیِّؓ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ وَهُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَآءِ فِی الطَّرِيْقِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِلنِّسَآءِ اِسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّهٗ لَيْسَ لَكُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيْقَ عَلَيْكُنَّ بِحَآفَّاتِ الطَّرِيْقِ فَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَهَا لَيَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لَصُوْقِهَا بِهٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوأسید انصاریؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسولِ خداﷺ کو مسجد سے نکلتے ہوئے فرماتے سنا، جب لوگ راستہ میں عورتوں سے مل جل گئے تھے۔ آپؐ نے عورتوں سے فرمایا: ''پیچھے ہٹ جاؤ، تمھیں بیچ راستہ سے نہیں چلنا چاہیے بلکہ تمھیں کنارے سے چلنا چاہیے۔'' پھر عورتیں دیوار سے لگ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کا کپڑا دیوار سے الجھ جاتا تھا۔

تشریح: عورتوں کے لیے یہ پابندی ضروری ہے کہ وہ مردوں کے درمیان آنے کی کوشش نہ کریں۔ وہ اس طرح کے اختلاط سے پرہیز کریں۔ راستہ سے گزریں تو مردوں کے ساتھ مل جل کر نہیں بلکہ راستے کے ایک کنارے سے ہو کر چلیں۔ عورت اور مرد فطرتاً ایک دوسرے کے لیے بڑی جاذبیت اور کشش رکھتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے درمیان فاصلہ بنا رہے تاکہ کسی فتنہ کو سرے سے سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔

﴿۴﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ نَھٰی اَنْ یَّمْشِیَ یَعْنِی الرَّجُلُ بَیْنَ الْمَرْأَتَیْنِ.

(ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے مردوں کو دو عورتوں کے بیچ میں چلنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: جس طرح عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ مردوں کے درمیان میں چلنے سے پرہیز کریں ٹھیک اسی طرح مردوں کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ عورتوں کے بیچ میں چلنے سے بچیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا تُبَاشِرِ الْمَرْأَۃُ الْمَرْأَۃَ فَتَنْعَتَھَا لِزَوْجِھَا کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْھَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ''عورت، عورت سے مل کر اس کی تعریف اپنے شوہر سے اس طرح نہ کرے گویا وہ اس عورت کو سامنے دیکھ رہا ہے۔''

تشریح: اپنے شوہر کے سامنے کسی عورت کے حسن و جمال کی تصویر کشی سے اس لیے روکا جا رہا ہے کہ کہیں اس سے شوہر کے دل میں اس اجنبی عورت کے لیے میلان نہ پیدا ہو جائے۔ اور وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر کسی مصیبت میں نہ مبتلا ہو جائے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شریعت کے احکام میں کس درجہ دور اندیشی پائی جاتی ہے۔ یہی دور اندیشی ہے، جس کے تحت اجنبی عورت کے ساتھ سفر کرنے اور تنہائی میں اس سے ملاقات کرنے سے شریعت نے روکا ہے۔

غضِ بصر

〈۱〉 وَ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَّظْرَةِ الْفُجَآءَةِ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِیْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ سے (کسی عورت پر) اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں دریافت کیا۔ آپؐ نے مجھے اپنی نگاہ پھیر لینے کا حکم دیا۔

تشریح: یعنی کسی اجنبی عورت پر اگر بلا قصد یکا یک نگاہ پڑ جائے تو اسے دیکھتا نہ رہے بلکہ فوراً اپنی نگاہ پھیر لے۔ پھر دوبارہ اسے دیکھنے کی کوشش نہ کرے۔ بلا قصد و ارادہ جو نگاہ اجنبی عورت پر پڑ گئی تھی وہ معاف ہے، اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ قرآن میں بھی ہے: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ (النور: ۳۰) ''مومنوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں بچائے رکھیں۔''

اس حدیث کی بنا پر امام نوویؒ اور بعض دوسرے علماء کا خیال ہے کہ عورت کو راہ میں منہ ڈھکنا اجب نہیں ہے بلکہ سنت اور مستحب ہے۔ لیکن مردوں کو ان سے اپنی نگاہ بچانی چاہیے۔ البتہ جہاں حقیقی ضرورت ہو وہاں دیکھنے کی اجازت ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ ایک نظر اس عورت کو دیکھ کر اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسی طرح تفتیش جرائم کے سلسلے میں کسی مشتبہ عورت کو دیکھنا، یا علاج کے لیے طبیب کا مریض عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ شہادت کے موقع پر بھی قاضی گواہ عورت کو دیکھ سکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ بُرَيْدَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لِعَلِيٍّؓ: يَا عَلِيُّ لاَ تُتْبِعِ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَاِنَّ لَكَ الْاُوْلٰى وَ لَيْسَتْ لَكَ الْاٰخِرَةُ. (احمد، ترمذی، ابوداؤد، دارمی)

ترجمہ: حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: ''اے علیؓ، (کسی عورت) پر نظر پڑ جانے کے بعد دوبارہ نظر نہ ڈال۔ پہلی (اتفاقی) نظر تیرے لیے ہے، دوسری تیرے لیے ہرگز نہیں ہے۔''

تشریح: یعنی پہلی نظر جو اتفاقاً کسی عورت پر پڑ گئی اس پر مواخذہ نہ ہوگا لیکن اس کے بعد اگر دوسری نظر ارادتاً کوئی اس پر ڈالتا ہے تو یہ ہرگز جائز نہ ہوگا۔ اس لیے اگر کسی شخص کی بلا ارادہ کسی عورت پر نگاہ پڑ جائے تو اس کی طرف سے اپنی نظر ہٹا لے، اسے دوبارہ دیکھنے کی ہرگز کوشش نہ

کرے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر قبیلہ خشعم کی ایک عورت راستہ میں حضور ﷺ کو روک کر حج سے متعلق ایک مسئلہ پوچھنے لگی۔ فضل بن عباسؓ (حضورؐ کے چچازاد بھائی جو اس وقت نوجوان تھے) نے اپنی نگاہیں گاڑ دیں۔ نبی ﷺ نے ان کا منہ پکڑ کر دوسری طرف کر دیا۔ (بخاری، ابوداؤد، ترمذی)

مرد ہی کو نہیں عورتوں کو بھی غض بصر سے کام لینا چاہیے۔ انھیں بھی قصداً کسی مرد کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن عورتوں کے مردوں کے دیکھنے کے معاملے میں اتنی سختی نہیں ہے جتنی سختی مردوں کے عورتوں کے دیکھنے میں ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہؓ کو حبشیوں کے نیزہ بازی کا کھیل نبی ﷺ نے خود دکھایا تھا۔ حالاں کہ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا اور حضرت عائشہؓ بالغ تھیں۔ البتہ اس کی اجازت ہرگز نہیں دی جاسکتی کہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہو۔ مرد اور عورتیں کسی مجلس میں ایک ساتھ جمع ہوں اور وہ آپس میں بے تکلفانہ باتیں کریں اور شوق اور دلچسپی سے ایک دوسرے کو دیکھیں۔

غضِ بصر کا منشا یہ بھی ہے کہ کوئی کسی عورت یا مرد کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ حضور ﷺ نے مرد کے ستر کے حدود ناف سے گھٹنے تک مقرر کیے ہیں۔ جسم کے اس حصہ کو بیوی کے سوا کسی دوسرے کے سامنے کھولنا روا نہیں (دار قطنی، بیہقی)۔ مردوں کے لیے عورت کا ستر ہاتھ اور منہ کے سوا اس کا پورا جسم ہے، جس کو شوہر کے سوا کسی دوسرے مرد کے سامنے ہرگز نہ کھلنا چاہیے، یہاں تک باپ اور بھائی کے سامنے بھی اسے کھولنا جائز نہیں ہے۔

عورت کو ایسا باریک یا چست لباس بھی پہننا درست نہیں ہے، جس سے بدن اندر سے جھلکتا ہو یا بدن کی ساخت نمایاں ہو۔ ایک بار حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ رسولِ خدا ﷺ کے سامنے آئیں وہ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسماء جب عورت بالغ ہو جائے تو یہ درست نہیں کہ اس کے اور اس کے سوا کوئی حصہ نظر نہ آئے۔ آپؐ نے منہ اور ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا (ابوداؤد)۔ اس سلسلے میں بس اتنی رعایت ہے کہ باپ بھائی وغیرہ اپنے محرم رشتے داروں کے سامنے عورت جسم کا اتنا حصہ کھول سکتی ہے گھر کا کام کاج کرتے ہوئے جس کے کھولنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ مثلاً آٹا گوندھنے کے وقت اپنی آستین چڑھا لینا یا گھر کا فرش دھوتے ہوئے پائنچے کچھ اوپر اٹھا لینا۔

کسی کے ستر پر نگاہ ڈالنے سے بچنا شریعت کی نگاہ میں ضروری ہے۔ حضرت علیؓ سے

روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''کسی زندہ یا مردہ کی ران پر نگاہ نہ ڈالو۔'' (ابن ماجہ، ابوداؤد) تنہائی کی حالت میں بھی برہنہ رہنا درست نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''خبردار کبھی برہنہ نہ رہو، کیوں کہ تمھارے ساتھ وہ (رحمت کے فرشتے) رہتے ہیں، جو کبھی تم سے الگ نہیں ہوتے سوائے اس وقت کے جب تم رفع حاجت کرتے ہو یا اپنی بیوی کے پاس جاتے ہو، لہٰذا ان سے حیا کرو اور ان کا احترام ملحوظ رکھو۔'' (ترمذی) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے فرمایا: اِحۡفَظۡ عَوۡرَتَکَ اِلاَّ مِنۡ زَوۡجَتِکَ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ ''اپنے ستر کو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھو۔'' سائل نے دریافت کیا: اور جب ہم تنہائی میں ہوں؟ فرمایا: فاللّٰہُ تَبَارَکَ وَ تَعَالیٰ اَحَقُّ اَنۡ یُّسۡتَحۡیَا مِنۡہُ'' تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اس سے حیا کی جائے۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی)

(۳) وَ عَنۡ اَبِیۡ اُمَامَۃؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَا مِنۡ مُسۡلِمٍ یَنۡظُرُ اِلٰی مَحَاسِنِ امۡرَأَۃٍ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ثُمَّ یَغُضُّ بَصَرَہٗ اِلَّا اَحۡدَثَ اللّٰہُ عِبَادَۃً یَجِدُ حَلاوَتَھَا. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابواُمامہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی مسلم کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پہلی بار پڑ جائے پھر وہ فوراً اپنی نظر ہٹا لے تو لازماً خدا اس کے لیے ایسی عبادت پیدا فرمائے گا کہ اس کی حلاوت (لذت) اسے حاصل ہوگی۔''

تشریح: یعنی اگر کسی مسلم شخص کی نظر کسی پرائی عورت کے حسن و جمال پر پڑ گئی اور اس نے اپنی نگاہ اس سے ہٹالی اور دوبارہ اس پر نگاہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی تو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی خدا اس کے عوض اسے ایسی چیز عطا فرمائے گا، جو حسنِ ظاہر سے فائق برتر اور انتہائی لذت بخش شے ہوگی۔ وہ درحقیقت ایک ایسا جمالیاتی تجربہ ہوگا، جو اسے اِسی موجودہ زندگی میں حاصل ہوگا۔ یہ تجربہ من جانب اللہ ہوگا، اس لیے اس کے معتبر اور قابلِ اعتماد ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ اس جمالیاتی تجربہ کو اس حدیث میں لفظ عبادت سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ عبادت سے مراد یہاں خدا کی معرفت اور اس کا عرفان ہے۔ جس سے بڑھ کر راحت بخش اور سرور انگیز تجربہ دوسرا ممکن نہیں ہے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلام میں عام عبادات بھی حقیقت میں حق شناسی اور معرفتِ الٰہی کا اظہار ہیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں لفظ 'عبادت' معرفت یا پہچان کے مفہوم

میں بھی استعمال ہوا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا اِلَی الْیَمَنِ قَالَ: اِنَّکَ تَقْدَمُ عَلٰی قَوْمٍ اَھْلِ کِتَابٍ فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ عِبَادَۃُ اللّٰہِ فَاِذَا عَرَفُوا اللّٰہَ فَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ یَوْمِھِمْ وَلَیْلَتِھِمْ فَاِذَا فَعَلُوْا فَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ زَکٰوۃً تُوْخَذُ مِنْ اَمْوَالِھِمْ فَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِذَا اَطَاعُوْا بِھَا فَخُذْ مِنْھُمْ وَ تَوَقَّ کَرَائِمَ اَمْوَالِھِمْ (مسلم، عن ابن عباسؓ) ”رسولِ خدا ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو فرمایا: تم ایک ایسی قوم کے پاس جاؤ گے جو اہل کتاب میں سے ہے تو سب سے پہلے تمھیں جس چیز کی طرف ان لوگوں کو دعوت دینی چاہیے وہ اللہ کی عبادت ہے۔ پھر جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے دن رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو ان کو بتانا کہ اللہ عز وجل نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے، جو ان کے مال میں سے لی جائے گی۔ پھر ان کے ضرورت مندوں (محتاجوں) کی طرف لوٹا دی جائے گی۔ جب وہ اسے مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کرنا اور ان کے اچھے مالوں سے بچنا (یعنی ان کے عمدہ قسم کے مالوں ہی پر ہاتھ نہ ڈالنا)۔“

اس حدیث میں واضح طور پر عِبَادَۃُ اللّٰہِ کا لفظ خدا کی پہچان کے معنی میں آیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یمن کے اہلِ کتاب کو اس کی دعوت دینا کہ وہ خدا کو پہچانیں اور جب وہ خدا کو پہچان لیں تب عام عبادات نماز، زکوٰۃ وغیرہ کے بارے میں خدا کے احکام سے ان کو مطلع کرنا۔

فتنۂ آواز

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ یَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلتَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَ التَّصْفِیْحُ لِلنِّسَآءِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ ارشاد فرماتے تھے: ”تسبیح مردوں کے لیے ہے اور دستک عورتوں کے لیے۔“

تشریح: یعنی نماز میں امام سے کوئی سہو ہو رہا ہو تو اس سے اس کو آگاہ کرنے کے لیے مرد مقتدی بہ آوازِ بلند تسبیح (سبحان اللہ یا اللہ اکبر) پڑھے اور مقتدی عورت تسبیح کے بجائے دستک دے یعنی اپنے ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مار کر امام کو سہو سے آگاہ کرے۔ زبان سے آواز نہ نکالے۔

عورت کی آواز بھی عورت ہوتی ہے۔شکل وصورت کی طرح عورتوں کی آواز میں بھی خدا نے ایسی کشش رکھی ہے کہ مردوں کے دل فطری طور پر اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔نسوانی آواز میں خاص قسم کے لوچ اور لطافت کی وجہ سے دلوں میں ناروا قسم کے جذبات کے ابھرنے اور ان کے پرورش پانے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔قلوب کی پاکیزگی کی حفاظت کے لیے شریعت نے ضروری سمجھا کہ نماز میں سہو کے موقعے پر عورتیں تسبیح کے بجائے دستک سے کام لیں۔ جب نماز میں فتنۂ آواز سے لوگوں کے محفوظ رہنے کا اس درجہ اہتمام کیا گیا ہے تو عام حالات میں اس فتنہ سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کس درجہ ضروری ہے۔اس کو ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

فتنۂ خوشبو

﴿۱﴾ عَنْ زَیْنَبَ امْرَأَةَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَتْ: قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا شَهِدَتْ اِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلاَ تَمَسَّ طِیْباً. (مسلم)

ترجمہ: حضرت زینبؓ حضرت عبد اللہؓ کی بیوی روایت کرتی ہیں کہ رسول خدا نے ہم (عورتوں) سے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔“

تشریح: یعنی وہ ایسی خوشبو لگا کر مسجد میں نہ آئے کہ دور تک فضا معطر ہو جائے اور یہ خوشبو مردوں تک پہنچے۔کیوں کہ کسی عورت کی خوشبو کی وجہ سے مرد کو اس کی طرف رغبت پیدا ہو سکتی ہے اور یہ چیز فتنہ وفساد کا سبب بن سکتی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَیُّمَا امْرَأَةٍ اَصَابَتْ بُخُوْرًا فَلاَ تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو عورت خوشبو کی دھونی لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی جماعت میں شریک نہ ہو۔“

تشریح: یعنی عود اور خوشبودار لوبان وغیرہ کی دھونی سے اپنے جسم، بال اور لباس کو خوشبو میں بسا کر مسجد میں لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنے نہ آئے، کیوں کہ اس کی خوشبو مردوں کی ناک تک پہنچے گی اور یہ چیز فتنے کا باعث ہو سکتی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلاَ اِنَّ طِیْبَ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ

رِیْحُہٗ وَلَمْ یَظْھَرْ لَوْنُہٗ، اَلاَ اِنَّ طِیْبَ النِّسَآءِ مَا ظَھَرَ لَوْنُہٗ وَ لَمْ یَظْھَرْ رِیْحُہٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''جان لو، مردوں کی خوشبو وہ ہے، جس کی بو عیاں اور ظاہر ہو لیکن اس کا رنگ ظاہر نہ ہو۔ جان لو کہ عورتوں کی خوشبو وہ ہے، جس کا رنگ ظاہر ہو، اس کی بو ظاہر نہ ہو۔''

تشریح: عمران بن حُصینؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: اَلاَ وَطِیْبُ الرِّجَالِ رِیْحٌ لاَ لَوْنَ لَہٗ وَقَالَ: وَ طِیْبُ النِّسَآءِ لَوْنٌ لاَ رِیْحَ لَہٗ(ابوداؤد) ''جان لو، مردوں کی خوشبو میں مہک ہوتی ہے، رنگ نہیں ہوتا اور عورتوں کی خوشبو میں رنگ ہوتا ہے، مہک نہیں ہوتی۔''

مردوں کی خوشبو کی مثال گلاب اور مشک وغیرہ ہیں کہ ان میں خوشبو ہوتی ہے لیکن ایسا رنگ نہیں ہوتا کہ آراستگی اور زینت کے لیے ان کو استعمال کیا جاسکے۔ عورتوں کے لیے پسندیدہ خوشبو کی مثال زعفران اور مہندی وغیرہ ہیں، جن میں رنگ تو ہوتا ہے کہ ظاہری زینت و آراستگی میں معاون ہوسکیں لیکن ان میں کوئی ایسی تیز قسم کی خوشبو نہیں ہوتی کہ کسی فتنے کا باعث ہو۔ عورتوں کے لیے یہ حکم کہ وہ تیز خوشبو نہ لگائیں اس وقت کے لیے ہے جب کہ وہ باہر نکلیں ورنہ اپنے گھر میں خاوند کے پاس جس طرح کی خوشبو وہ چاہیں استعمال کرسکتی ہیں۔

عریانیت سے پرہیز

(۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّﷺ قَالَ: اَلْمَرْأَۃُ عَوْرَۃٌ، فَاِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَھَا الشَّیْطَانُ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے ارشاد فرمایا: ''عورت پردے کی چیز ہے۔ چناں چہ جب کوئی عورت باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے تاکتا ہے۔''

تشریح: عورت کی شخصیت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ اسے اپنے وقار و عظمت کی حفاظت کی طرف خاصی توجہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ عورت کی قدروقیمت یہ نہیں ہے کہ اسے محض جنسی ہوس ناکیوں کی تسکین کا سامان تصور کیا جائے۔ باحیا عورت کی غیرت کو تو یہ بھی گوارا نہیں ہوسکتا کہ کسی ہوس کار کی ناپاک نگاہ بھی اس پر پڑسکے۔

شیطان کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کو اخلاقی لحاظ سے نہایت پستی میں گرادے، وہ لوگوں کو بدکار اور فسق وفجور میں مبتلا دیکھنا چاہتا ہے۔ عورت جب اپنے محفوظ گھر

سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے لیے کوشاں ہوتا ہے کہ غیروں کی نگاہیں اس پر پڑیں اور وہ ان کو فتنے میں مبتلا کر کے رہے۔ ہوس کاریوں اور بدکاریوں میں پڑنے کے بعد آدمی کا کوئی کردار نہیں رہتا۔ اور اس حقیقت کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ بے کردار شخص سے خدا کی بندگی ممکن نہیں ہوسکتی۔ اور شیطان کی ساری سعی و جہد کا اصل مقصد یہی ہے کہ وہ لوگوں کو خدا کی طاعت و بندگی سے برگشتہ کر دے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِیَاطٌ کَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسِ وَ نِسَآءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُّمِیْلاَتٌ مَائِلاَتٌ رُؤُسُهُنَّ کَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَآئِلَةِ لاَ یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلاَ یَجِدْنَ رِیْحَهَا وَ اِنَّ رِیْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَّسِیْرَةٍ کَذَا وَ کَذَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’اہلِ دوزخ کی دو قسمیں ایسی ہیں جن کو میں نے نہیں دیکھا۔ ایک قسم تو ان لوگوں کی ہے، جن کے ہاتھ میں بیل کے دُم جیسے کوڑے ہوں گے، جن سے وہ لوگوں کو (ناحق) ماریں گے۔ اور دوسری قسم ان عورتوں پر مشتمل ہے جو بظاہر کپڑے پہنے ہوئے ہوں گی لیکن درحقیقت وہ ننگی ہوں گی۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود ان کی جانب مائل۔ ان کے سر بختی اونٹ کے کوہان کی طرح ہلتے ہوں گے۔ یہ عورتیں نہ تو جنت میں داخل ہوں گی اور نہ اس کی بو پاسکیں گی حالاں کہ جنت کی خوشبو اتنی اتنی دور کی مسافت (یعنی بہت دور) سے آتی ہے۔

تشریح: بختی اونٹ سے مراد لمبی گردن والے اونٹ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظلم و زیادتی کو روا رکھنے والے لوگ جنت کے مستحق نہیں ہوتے اسی طرح وہ عورتیں بھی جنت میں داخل ہونے کا حق نہیں رکھتیں جو اخلاقی لحاظ سے اس پستی کو پہنچ گئی ہوں کہ ان کی زندگی میں سب سے کیف انگیز چیز بس یہ رہ گئی ہو کہ وہ دوسروں کو لبھانے اور انھیں اپنا گرویدہ بنانے میں کامیابی حاصل کریں۔ دوسروں کو اپنا شکار بنائیں اور خود دوسروں کی نگاہِ ہوس کا شکار ہوں۔ ایسی عورتیں دوسروں پر ڈورے ڈالنے کے لیے بناؤ سنگار سے بھی کام لے سکتی ہیں اور اس کے لیے دیگر چال ڈھال بھی اختیار کرسکتی ہیں۔ پھر ان کا لباس ایسا ہوگا کہ اسے زیبِ تن کر کے بھی وہ عریاں ہوں گی۔ ان کا کپڑا اتنا باریک ہوگا کہ اندر سے ان کا

بدن پوری طرح جھلکے گا۔ یا پھر وہ ایسے کپڑے یا ایسی کٹنگ اور تراش وخراش کا لباس پہنیں گی، جو غیر ساتر ہوگا۔ اسے پہننے کے بعد بھی ان کے جسم کے کتنے ہی پرکشش اعضا کھلے رہیں گے۔

ایسی بے شرم اور آبرو باختہ عورتوں کے لیے جنت نہیں بنائی گئی ہے۔ ایسی عورتیں جنت کی خوشبو بھی نہ پاسکیں گی، جب کہ جنت کی خوشبو بہت دور کے فاصلے سے ہی آنے لگتی ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ يَعْلٰیؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأٰی رَجُلاً يَغْتَسِلُ بِالْبَرَازِ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰی عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ حَیٌّ سِتِّيْرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسِّتْرَ فَاِذَا اغْتَسَلَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت یعلیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بغیر تہ بند کے میدان میں غسل کرتے ہوئے دیکھا۔ پھر آپ منبر پر چڑھے اور اللہ کی حمد وثنا کی، اس کے بعد فرمایا: ”بے شک اللہ بہت حیا والا ہے، بڑا پردہ دار ہے اور اسے حیا اور پردہ پوشی بہت پسند ہے۔ پس جب کوئی تم میں سے غسل کرے تو ستر کو چھپائے۔“

تشریح: جب خدا خود حیا والا ہے تو پھر ہمارے اندر بھی حیا کا وصف ہونا چاہیے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر بے حیائی اور بے شرمی کے کاموں سے اپنے کو دور رکھیں۔ اسی طرح جب ہمارے خدا کو پوشیدگی پسند ہے تو ہمیں اس کی قدر و قیمت کا پورا احساس ہونا چاہیے۔

وہ ہر کس و ناکس کے سامنے ظاہر ہونے کا روادار نہیں، پھر ہمیں بھی عزتِ نفس اور خودداری کا پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔ عورت چوں کہ سراپا ستر ہوتی ہے اس لیے اس کا نامحرموں کے سامنے بے حجابانہ آنا خود اپنی قدر ومنزلت گھٹا دینے کے مترادف ہے۔

استیذان

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَوْ اَنَّ رَجُلاً اِطَّلَعَ عَلَيْكَ بِغَيْرِ اِذْنٍ فَخَذَفْتَهُ بِحَصَاةٍ فَفَقَأْتَ عَيْنَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ جُنَاحٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی شخص تمہارے گھر میں بغیر تمہاری اجازت کے جھانکے اور تم اسے ایک کنکری سے مارو اور اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔“

تشریح: زمانہ جاہلیت میں اہل عرب بے تکلف حُيِّيْتُمْ صَبَاحًا، حُيِّيْتُمْ مَسَاءً (صبح بخیر،

شام بخیر) کہتے ہوئے ایک دوسرے کے گھر میں داخل ہو جاتے تھے۔ بعض اوقات عورتوں پر نادیدنی حالت میں نگاہیں پڑ جاتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلاح فرمائی اور ہر شخص کو اس کے اپنے گھر میں تخلیہ (Privacy) کا حق عطا فرمایا۔ اور اجازت کے بغیر کسی کے تخلیہ میں خلل انداز ہونے کو یکسر ممنوع قرار دے دیا۔ کسی کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے جھانکنا معیوب ہے اس کا بخوبی اندازہ حضورؐ کی اس حدیث سے کیا جاسکتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَدَعَوْتُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ ھٰذَا؟ قُلْتُ: اَنَا. قَالَ فَخَرَجَ وَھُوَ یَقُوْلُ: اَنَا اَنَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے آواز دی۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں ہوں۔ آپؐ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے: ''میں تو میں بھی ہوں۔''

تشریح: ابوداؤد کی روایت میں ہے: عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّہٗ ذَھَبَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فِیْ دَیْنِ اَبِیْہِ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ: مَنْ ھٰذَا؟ فَقُلْتُ: اَنَا. قَالَ: اَنَا اَنَا کَاَنَّہٗ کَرِھَہٗ. ''حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ کے قرضے کے سلسلے میں نبی ﷺ کے پاس گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپؐ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ میں۔ آپؐ نے فرمایا: ''میں تو میں بھی ہوں۔'' گویا آپؐ نے اسے سخت ناپسند فرمایا۔

مطلب یہ ہے کہ اس ''میں'' سے کوئی کیا سمجھے کہ تم کون ہو۔ تمھیں صاف صاف اپنا نام لینا چاہیے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلْاِسْتِیْذَانُ ثَلَاثًا فَاِنْ اُذِنَ لَکَ وَ اِلَّا فَارْجِعْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اجازت مانگنی تین بار ہے۔ پھر اگر اجازت ملے تو بہتر ورنہ لوٹ جاؤ۔''

تشریح: یہ تین بار آواز دینا پے در پے نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پکارنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کا امکان ہے کہ صاحبِ خانہ کو کوئی ایسی مشغولیت ہو کہ وہ فوراً جواب دینے سے قاصر ہو اسے اس کا موقع ملنا چاہیے کہ وہ اپنی مشغولیت سے فارغ ہو سکے۔

〈۴〉 وَ عَنْ هُزَيْلٍؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ قَالَ عُثْمَانُ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ فَوَقَفَ عَلٰی بَابِ النَّبِیِّ ﷺ يَسْتَاْذِنُ فَقَامَ عَلَی الْبَابِ. قَالَ عُثْمَانُ مُسْتَقْبِلَ الْبَابِ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ: هٰكَذَا عَنْكَ وَ هٰكَذَا فَاِنَّمَا الْاِسْتِيْذَانُ مِنَ النَّظَرِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ہزیلؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص آئے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ وہ سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ وہ اجازت حاصل کرنے کی غرض سے نبی ﷺ کے عین دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ ان کا منہ ٹھیک دروازے کی طرف تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''پرے ہٹ کر کھڑے ہو اجازت لینے کا حکم اسی لیے ہے کہ نگاہ نہ پڑے۔''

تشریح: یعنی جب تم ایسی جگہ کھڑے ہو کہ گھر کا سب کچھ نظر آ جائے تو پھر اجازت لینے سے کیا فائدہ۔ استیذان کا تو خاص مقصد ہی یہ ہے کہ اچانک کسی پر نگاہ نہ پڑے۔ خود نبی ﷺ جب کسی کے یہاں تشریف لے جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے۔ دروازے کے ٹھیک سامنے ہرگز کھڑے نہ ہوتے۔ (ابوداؤد)

اجازت مانگنے کا طریقہ بھی نبی ﷺ نے سکھایا ہے کہ دروازے پر پہنچ کر یوں کہیں:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَ اَدْخُلُ (ابوداؤد) ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔''

بلا اجازت کسی کے گھر میں جھانکنا تو الگ رہا۔ بغیر اجازت کسی کے خط پر نظر ڈالنا بھی سخت گناہ کی بات ہے۔ چناں چہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ نَظَرَ فِیْ كِتَابِ اَخِيْهِ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ فَاِنَّمَا يَنْظُرُ فِی النَّارِ (ابوداؤد) ''جس کسی نے اپنے بھائی کے خط میں اس کی اجازت کے بغیر نظر دوڑائی وہ بس آگ میں جھانکتا ہے۔''

تخلیہ اور لمس سے اجتناب

〈۱〉 عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِلَّا لَا يَبِيْتَنَّ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''خبردار کوئی مرد کسی ثیّب (شادی شدہ) عورت کے ساتھ شب نہ گزارے الا یہ کہ وہ مرد اس کا خاوند یا محرم ہو۔''

تشریح: یعنی شوہر یا محرم کے علاوہ شادی شدہ عورت کے ساتھ کوئی دوسرا شخص رات نہ بسر کرے۔ تنہائی اور وہ بھی رات کی تنہائی میں، اس کا قوی اندیشہ رہتا ہے کہ نفسانی خواہش کے زیرِ اثر

وہ کوئی غلط کام نہ کر بیٹھیں۔ شریعت نے صرف زنا ہی سے نہیں روکا بلکہ اس نے ان اسباب و محرکات کا بھی سدباب کیا ہے، جو آدمی کو برائی اور جنسی بے راہ روی کی طرف لے جاسکتے ہیں۔

محرم سے مراد عورت کے وہ رشتے دار ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے اس کا نکاح حرام ٹھہرایا گیا ہے، جیسے باپ، دادا، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ۔

اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ عورت شادی شدہ نہیں بلکہ کنواری ہے تو اس کے ساتھ رات گزارنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، جو حکم شادی شدہ عورت کے لیے ہے وہی حکم کنواری کے سلسلے میں بھی ہے۔ یعنی اس کے ساتھ بھی کسی نامحرم کا رات گزارنا جائز نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَآءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ. يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ اَلْمَوْتُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ، حمو کے بارے میں آپؐ کا کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”حمو تو موت ہے۔“

تشریح: حمو سے مراد شوہر کے عزیز اور اقرباء ہیں جیسے خاوند کا بھائی (دیور)، اس کے چچا کا بیٹا، جن سے عورت کا نکاح ہوسکتا ہے، جن سے نکاح نہ ہوسکتا ہو جیسے شوہر کا باپ یا اس کا بیٹا تو یہ حمو میں داخل نہیں ہیں۔

”حمو تو موت ہے“ یعنی وہ سب سے بڑھ کر ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہے۔ تنہائیوں میں حمو کے غیر محرم عورت کے ساتھ نشست و برخاست رکھنے کی وجہ سے ان کے کسی برائی میں مبتلا ہوجانا کوئی غیر متوقع بات نہیں ہے۔ عرب کہتے ہیں: الاسد الموت (شیر موت ہے) اور السلطان النار (سلطان آگ ہے) یعنی ان سے ملنا گویا موت اور آگ سے ملنا ہے۔ الحمو الموت (شوہر کے اقارب موت ہیں) کا مفہوم یہ ہوا کہ شوہر کے رشتے داروں کے ساتھ خلوت نشینی اجنبیوں کے ساتھ خلوت میں رہنے سے کہیں زیادہ اندیشہ ناک ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثُهُمَا الشَّيْطَانَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی مرد تنہائی میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ یکجا ہوتا ہے تو لازماً ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔''

تشریح: یعنی شیطان ان کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہے، اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ بدکاری میں مبتلا ہوں۔ اس لیے خلوت میں کسی اجنبی عورت کے ساتھ کسی مرد کے یکجا ہونے کا موقع ہی نہیں ملنا چاہیے کہ شیطان اپنا حربہ استعمال کر سکے۔

نبی کریم ﷺ نے شیطانی حربہ سے محفوظ رہنے ہی کی غرض سے مخنثوں کو گھروں میں داخل ہونے سے روک دیا۔ کیوں کہ وہ ایک گھر کی عورتوں کا حال دوسرے مردوں سے بیان کرتے تھے اور وہ عورتوں سے دلچسپی لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص جسمانی لحاظ سے بدکاری کے لائق نہ بھی ہو لیکن اگر اس کے اندر صنفی جذبات پائے جاتے ہیں اور اسے عورتوں سے دلچسپی ہے تو وہ بھی فتنوں کے در وا کر سکتا ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لاَ یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلاَ الْمَرْأَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْأَۃِ وَلاَ یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلاَ تُفْضِی الْمَرْأَۃُ اِلَی الْمَرْأَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''نہ مرد مرد کے ستر پر نظر ڈالے اور نہ عورت، عورت کے ستر پر نظر ڈالے اور نہ مرد، مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں ہو جائے۔''

تشریح: جس طرح ستر پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اسے ہاتھ سے چھونا بھی درست نہیں ہے۔ الا یہ کہ کوئی مجبوری یا ناگزیر ضرورت پیش آ جائے۔ مثلاً طبی مدد وغیرہ۔

برہنگی کی حالت میں دو مردوں یا دو عورتوں کا ایک کپڑے میں یکجا ہونا قطعاً حرام ہے۔ اس لیے کہ یہ حیا اور شرم کے بھی منافی ہے اور اس سے جو خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

پردہ

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَنْھَی النِّسَآءَ فِیْ اِحْرَامِھِنَّ عَنِ

اَلْقُفَّازَیْنِ وَ النِّقَابِ وَمَا مَسَّ الْوَرْسُ وَالزَّعْفَرَانُ مِنَ الثِّیَابِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو حالتِ احرام میں عورتوں کو منع فرماتے ہوئے سنا، دستانے استعمال کرنے اور نقاب ڈالنے سے اور ایسے کپڑا پہننے سے جس میں ورس اور زعفران لگی ہو۔“

تشریح: ورس ایک قسم کی گھاس ہے، جس سے رنگائی کا کام لیتے ہیں۔

حج ایک ایسی عبادت ہے، جس میں محبتِ الٰہی سے سرشار ہو کر والہانہ انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس میں بندوں پر ایک بے خودی کی سی کیفیت طاری رہتی ہے۔ زیبائش و آرائش کا اہتمام اس مطلوب کیفیت کے سراسر منافی ہے۔ حج کا مقصود ہی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ سے بے پرواو بے نیاز ہو کر کلی طور پر خدا کے جمال و کمال کو دل و نگاہ میں بسانے کی کوشش کرے۔ اسی لیے حالتِ احرام میں عورتوں کو نہ صرف یہ کہ آرائش اور زیبایش سے روکا گیا ہے بلکہ منہ پر نقاب ڈالنے تک سے منع کیا گیا ہے۔ گویا یہ اس بات کا اظہار ہے کہ خدا کے جمال کے سامنے کسی کا اپنا حسن و جمال کوئی چیز نہیں ہے۔ نقاب ہٹانے کا اصل مقصود خالق کے مقابلے میں مخلوق کے حسن و جمال کی نفی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو عام دنوں میں چہرے پر نقاب ڈال کر باہر نکلنا چاہیے۔ اگر عورتیں چہرے پر نقاب ڈال کر نہ نکلتی ہوتیں تو اس حکم کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آتی کہ حالتِ احرام میں خواتین اپنے چہرے پر نقاب نہ ڈالیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا ہے: یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ (الاحزاب:۵۹) ”اے نبیؐ، اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں۔“ مفہوم یہ ہے کہ اگر خواتین کو باہر نکلنے کی ضرورت پیش آ جائے تو یوں ہی نہ نکل پڑیں بلکہ وہ چادر استعمال کریں اور چادر کا ایک حصہ اپنے چہرہ پر لٹکا لیں تاکہ ان پر کسی کو بری نگاہ ڈالنے کا موقع نہ مل سکے اور دیکھنے والے یہ سمجھ لیں کہ یہ شریف خاندان کی خواتین ہیں، جن سے کوئی غلط قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح یہ خواتین آوارہ مزاج لوگوں کی اذیت رسانیوں سے محفوظ رہیں گی۔

قرآن میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے: وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ

اَبۡصَارِهِنَّ وَ يَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا (النور:۳۱)'' اور مومن عورتوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں، اس کی بات دوسری ہے جو ناگزیر طور پر ظاہر ہو جائے۔''

عورت کی زینت میں ہر وہ چیز شامل ہے، جس سے اسے آراستگی حاصل ہوتی ہے۔ یہ اکتسابی بھی ہو سکتی ہے جیسے زیور، کپڑے وغیرہ اور خلقی بھی جیسے رخسار، بال اور دوسرے جسمانی محاسن۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ عورت اپنی زینت کی نمائش نہ کرے، اس سے مستثنیٰ صرف مَا ظَهَرَ مِنۡهَا (زینت میں سے جو ظاہر ہو جائے) ہے۔ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا سے مراد کیا ہے، اس میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔ عام طور سے اس سے مراد چہرہ اور ہتھیلی لیتے ہیں۔ یہ گویا مومن خواتین کے حق میں ایک رخصت اور تخفیف ہے۔ چہرے اور ہتھیلیوں کے چھپانے میں عورتوں کو سخت دشواریوں اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ اسی لیے انھیں یہ رخصت دی گئی۔ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا کے اس استثنیٰ کے پیش نظر بعض لوگوں نے چہرے اور ہتھیلیوں کو پردے یا حجاب سے مستثنیٰ قرار دے لیا اور یہ اعلان کر دیا کہ چہرے اور ہاتھ کو چھپانا اسلامی پردے میں شامل نہیں ہے۔ اس لیے عورتوں کو غیر محرم مردوں سے چہرہ اور ہاتھ چھپانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالاں کہ دنیا جانتی ہے کہ عورت کی زینت میں سب سے زیادہ دلکشی اور جاذبیت اس کے چہرے ہی میں ہوتی ہے۔

سورۃ النور کی آیت جس میں مَا ظَهَرَ مِنۡهَا (زینت میں سے جو ظاہر ہو جائے) کو پردے سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اس آیت کا تعلق درحقیقت گھر سے باہر کے پردے سے نہیں بلکہ گھر کے اندر کے پردے سے ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب صرف یہ ہوگا کہ گھر کے اندر یا دوسرے لفظوں میں محرم رشتے داروں، خدام اور نابالغ بچوں سے چہرہ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کی اجازت ہے۔ تفصیل کے لیے سورۃ النور کی آیت ۳۱ ملاحظہ کریں، جس میں کہا گیا ہے کہ'' مومن عورتیں اپنی زینت ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے یا اپنے باپوں کے یا اپنے شوہروں کے باپوں یا اپنے بیٹوں کے یا اپنے شوہروں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھتیجوں کے یا بھانجوں کے یا اپنی تعلق کی عورتوں یا جو اُن کی اپنی ملک میں ہوں ان کے، یا زیردست مردوں یعنی ان کے جو عورت کی ضرورت کی عمر سے نکل چکے ہوں، یا ان بچوں کے جو عورتوں کی پسِ پردہ چیزوں سے واقف نہ ہوں۔''

اگر اسلام میں چہرے کا پردہ نہ ہوتا تو پھر قرآن میں اس بات کی ہدایت کیوں دی جاتی: وَاِذَا سَئَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ (الاحزاب: ۵۳) ''اور جب تم ان سے (امہات المومنین سے) کچھ مانگو تو پردے کے پیچھے سے ان سے مانگو۔'' حضورﷺ کی ازواجِ مطہرات کی زندگی مومن خواتین کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

جو اہلِ علم چہرے کے پردے کے حق میں نہیں ہیں وہ بھی حجاب یا پردے کی مناسب تر اور اکمل صورت یہی سمجھتے ہیں کہ عورت حتی الامکان اپنے چہرے کو چھپائے۔ بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ فسق کی گرم بازاری عام ہے۔

بیواؤں اور غریب عورتوں کو اگر اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے لیے باہر نکلنا پڑتا ہے اور ایسی صورت میں نقاب ڈالنے اور اپنی ہتھیلیاں چھپانے میں انھیں دشواریاں اور مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ فقہا کی دی ہوئی رخصت سے فائدہ اٹھا سکتی ہیں، لونڈیوں اور کنیزوں کو شریعت نے معاشرتی مجبوریوں ہی کی وجہ سے حجاب کی پابندیوں کے سلسلے میں رخصت دی ہے۔ لیکن یہ محض ایک رخصت ہے اس سے یہ تصور نہ کیا جائے کہ اسلام میں چہرے کے پردے کا سرے سے کوئی حکم ہی نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَ نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ مُحْرِمَاتٌ فَاِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ اِحْدَانَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَاِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ. (ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم (سفر میں) حالتِ احرام میں رسول اللہؐ کے ہمراہ تھے، ہمارے قریب سے قافلے گزرتے رہتے تھے۔ جب کوئی قافلہ ہمارے سامنے سے گزرتا تو ہم میں سے ہر عورت اپنی چادر اپنے سر پر تان کر اپنے منہ کو ڈھک لیتی۔ پھر جب ہمارے پاس سے قافلہ گزر جاتا تو ہم اپنا منہ کھول دیتے تھے۔

تشریح: اس روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عورت کو حتی الامکان اپنے چہرے کو غیروں سے چھپانا چاہیے، نہ یہ کہ وہ بے جھجک اپنے چہرے کو غیروں کے سامنے عریاں رکھیں۔

〈۳〉 وَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ اَسْمَاءَ بِنْتَ اَبِیْ بَكْرٍ دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ وَ عَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ، فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ قَالَ: ''يَا اَسْمَآءُ، اِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِيْضَ

لَنْ يَّصْلُحَ اَنْ يُرىٰ مِنهَا اِلَّا هٰذَا وَ هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَ كَفَّيْهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار اسماء بنت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ ان کے جسم پر باریک کپڑے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف سے رُخ پھیر لیا اور فرمایا: ''اے اسماء! عورت جب ایام حیض کو پہنچ جائے تو یہ ہرگز درست نہیں کہ اس کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی دے۔ سوائے اس کے اور اس کے۔'' آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

تشریح: آپؐ نے اسماء بنت ابوبکرؓ کی طرف سے رُخ پھیر لیا کیوں کہ ان کے کپڑے باریک ہونے کی وجہ سے کپڑے کے اندر سے بدن جھلک رہا تھا۔ اس سے پوری ستر پوشی نہیں ہو رہی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب عورت سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اسے دوسروں سے اپنے پورے جسم کو چھپانا چاہیے۔ البتہ گھر کے اندر اپنے محرم رشتے داروں اور خادم وغیرہ کے سامنے وہ اپنا چہرہ اور اپنی ہتھیلیاں کھول سکتی ہے۔ اس کے لیے رخصت اور رعایت تو بس یہی ہے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ابن جریر نے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے یہاں ان کے اخیافی بھائی عبداللہ بن الطفیل کی صاحبزادی آئی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے تو ان کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، یہ تو میری بھتیجی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے منہ کے سوا اور ہاتھ میں اس کے سوا ظاہر کرے۔ آپ ﷺ نے اپنی کلائی پر ہاتھ رکھ کر اس طرح ہاتھ کی حد بتائی کہ آپؐ کی مٹھی اور ہتھیلی کے درمیان ایک مٹھی کی جگہ اور باقی تھی۔

رشتے داروں میں ایسے لوگ جن سے رشتہ ابدی حرمت کا نہ ہو کہ ان سے ایک عورت کا کبھی بھی نکاح نہ ہوسکتا ہو ان محرم رشتے داروں کے حکم میں نہیں ہوسکتے کہ عورتیں ان کے سامنے بے تکلفی سے اپنی زینت کے ساتھ آسکیں لیکن ان کو بالکل اجنبیوں کے زمرہ میں بھی شامل نہیں کرسکتے کہ ان کے ساتھ مکمل پردہ کیا جائے، جس طرح غیروں سے پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ان دو انتہاؤں کے درمیان صحیح رویہ کیا ہوسکتا ہے یہ متعین نہیں کیا جاسکتا اور نہ شریعت نے اسے متعین ہی کیا ہے۔ اس کے حدود و آداب رشتوں کی نوعیت، عمر، خاندانی روابط و تعلقات اور ان کے ذاتی

حالات وکوائف کو دیکھتے ہوئے مختلف ہوں گے۔ خود نبی ﷺ کے طرزِ عمل سے اسی بات کی رہ نمائی ملتی ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ آخر وقت تک آپؐ کے سامنے ہوتی تھیں۔ چہرے اور ہاتھوں کی حد تک کوئی پردہ نہ تھا۔ حضرت اُم ہانیؓ جو ابو طالب کی صاحبزادی آپؐ کی چچا زاد بہن تھیں، آخر وقت تک انھوں نے آپ ﷺ سے پردہ نہیں کیا۔ دوسری طرف ام المومنین حضرت زینبؓ جو فضل کی حقیقی پھوپھی زاد بہن ہیں، نبی ﷺ کی موجودگی میں فضل کے سامنے نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان سے پردے کے پیچھے سے بات کرتی ہیں۔ (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کے رشتوں کے سلسلے میں حدود کا تعین حالات اور دیگر پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے ہی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے جس کو ہم ہر موقع، پر اختیار کر سکیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْهَا قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتِ اَبِیْ حُبَیْشٍ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ اِمْرَأَةٌ اُسْتُحَاضُ فَلاَ اَطْهُرُ اَفَادَعُ الصَّلٰوةَ؟ قَالَ: لاَ اِنَّمَا ذٰلِکَ عِرْقٌ وَ لَیْسَ بِالْحَیْضَةِ فَاِذَا اَقْبَلَتِ الْحَیْضَةُ فَدَعِی الصَّلٰوةَ فَاِذَا اَدْبَرَتْ فَاغْسِلِیْ عَنْکِ الدَّمَ وَ صَلِّیْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رسولِ خدا ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے استحاضہ ہو گیا ہے، میں پاک نہیں ہوتی تو کیا میں نماز ترک کر دوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے، حیض نہیں ہے۔ جب حیض کے دن آئیں تو نماز چھوڑ دو۔ پھر حیض کے دن گزر جائیں تو خون دھوڈالو اور نماز ادا کرو۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت پیش آئے تو عورت کے لیے اس کی اجازت ہے کہ وہ غیر محرم مرد سے دینی مسئلہ وغیرہ دریافت کر سکتی ہے۔

☆☆

تعلقات کے وسیع دائرے

نفس کے حقوق

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَا عَبْدَ اللّٰہِ، اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّھَارَ وَ تَقُوْمُ اللَّیْلَ؟ قُلْتُ: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ: فَلاَ تَفْعَلْ صُمْ وَ اَفْطِرْ وَ قُمْ وَ نَمْ فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَّ اِنَّ لِعَیْنِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَ اِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا. (بخاری)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عبداللہ! کیا مجھے یہ خبر نہیں کہ تم دن میں روزے سے رہتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو؟'' میں نے عرض کیا کہ جی ہاں (آپ ﷺ کو صحیح خبر ملی ہے)۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''اچھا تو ایسا نہ کرو۔ روزہ رکھو اور نہ بھی رکھو۔ رات میں قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ کیوں کہ تم پر تمھارے جسم کا بھی حق ہے، اور تم پر تمھاری آنکھ کا حق ہے اور تم پر تمھاری بیوی کا بھی حق ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ آدمی پر صرف دوسروں ہی کے حقوق نہیں بلکہ خود اس کے اپنے نفس کے بھی حقوق ہیں جن کو نظر انداز کرنا جائز نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو شخص حقوقِ نفس کو نہیں پہچانتا وہ دوسروں کے حقوق بھی دیر تک ادا نہیں کر سکتا۔

〈۲〉 وَعَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍؓ قَالَ: سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَاَعْطَانِیْ ثُمَّ سَاَلْتُہٗ فَاَعْطَانِیْ ثُمَّ سَاَلْتُہٗ فَاَعْطَانِیْ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِطِیْبِ نَفْسٍ بُوْرِکَ لَہٗ فِیْہِ وَ مَنْ اَخَذَہٗ بِاِشْرَافِ نَفْسٍ لَّمْ یُبَارِکْ فِیْہِ وَ کَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلاَ یَشْبَعُ وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی. (مسلم)

ترجمہ: حضرت حکیم بن حزامؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے مال مانگا تو آپؐ نے مجھے دیا۔ میں نے پھر آپ سے مانگا تو آپؐ نے عنایت فرمایا۔ میں نے پھر آپؐ سے مانگا تو آپؐ نے مجھے دیا، پھر فرمایا: ''یہ مال ہرا، میٹھا ہے۔ جس کسی نے اُسے طیب نفس کے ساتھ لیا تو اس میں اس کے لیے برکت ہوتی ہے اور جس نے اپنے نفس کو ذلیل کر کے اسے لیا تو اس میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔ اور اوپر رہنے والا ہاتھ نیچے رہنے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔''

تشریح: ''نفس کو ذلیل کر کے اسے لیا'' یعنی حصولِ مال کے لیے لجاجت اور پستی اختیار کی اور دستِ سوال دراز کر کے اپنے وقار کو ضائع کیا۔ ''اس میں کوئی برکت نہ ہوگی'' یعنی اسے کبھی بھی استغنا کی دولت میسر نہیں ہوسکتی۔ ایسا شخص ہمیشہ محتاج کا محتاج ہی رہتا ہے۔ اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ آدمی کو جاننا چاہیے کہ فضیلت کس چیز کو حاصل ہے۔ اس کی کوشش یہ ہو کہ اس کا ہاتھ ہمیشہ اوپر رہے۔ یعنی اس کا ہاتھ دینے والا بنے نہ کہ اسے دینے سے زیادہ لینے کی فکر دامن گیر ہو۔

(۳) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ خَبُثَتْ نَفْسِيْ وَ لٰكِنْ لِّيَقُلْ لَقِسَتْ نَفْسِيْ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ میرے نفس میں خباثت آگئی بلکہ یوں کہے کہ میرے نفس میں کسل مندی آگئی۔''

تشریح: یعنی آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ عزتِ نفس کا پاس ولحاظ رکھے۔ بات چیت اور اپنی گفتگوؤں میں اس بات کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنی زبان سے کیا لفظ ادا کر رہے ہیں۔ ہمیں کبھی بھی ایسا لفظ زبان پر نہیں لانا چاہیے جو ذوقِ سلیم کے منافی ہو اور جو آدمی کی دنائت اور اس کی بے حسی پر دلالت کرنے والا ہو۔ اپنے نفس کو خبث (Vicious) سے منسوب کرنا اپنی تذلیل ہے، جو کسی طرح جائز نہیں۔

(۴) وَ عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ رَاٰى شَيْخًا يُّهَادٰى بَيْنَ ابْنَيْهِ فَقَالَ: مَا بَالُ هٰذَا؟ قَالُوْا: نَذَرَ اَنْ يَّمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ. قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا

نَفْسَهٗ لَغَنِیٌّ وَ اَمَرَهٗ اَنْ یَّرْکَبَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر) راستہ چل رہا ہے۔ آپؐ نے پوچھا: ''اسے کیا ہوا ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ اس نے پیادہ پا بیت اللہ جانے کی نذر مانی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس طرح اپنے آپ کو عذاب میں ڈالنے کی خدا کو کوئی ضرورت نہیں ہے وہ اس سے بالکل بے نیاز ہے۔'' پھر آپؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر جائے۔

تشریح: صحیح مسلم کی روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا: اِرْکَبْ اَیُّهَا الشَّیْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْکَ وَ عَنْ نَذْرِکَ ''سواری پر چلو اے شیخ، کیوں کہ خدا تم سے اور تمھاری اس (تکلیف دہ) نذر و منت کے سے بے نیاز ہے۔'' یعنی اللہ کی کوئی ضرورت اس کے بغیر رُکی ہوئی نہیں ہے کہ تم اپنے آپ کو اس طرح کی مصیبت میں ڈالو۔ اس کی ذات بے نیاز ہے۔ اس لیے اس کی رضا اور اس کی خوش نودی کے حصول کا انحصار اس پر ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کوئی اپنے آپ کو ایسی مشقت میں ڈال دے، جس کو برداشت کرنے کی اس کے اندر سکت نہ ہو۔

(۵) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَسُبُّ اَحَدُکُمُ الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ وَلَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ لِلْعِنَبِ الْکَرْمَ فَاِنَّ الْکَرْمَ الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی زمانے کو برا نہ کہے کیوں کہ اللہ ہی زمانہ ہے اور کوئی تم میں سے انگور کو کرم نہ کہے کیوں کہ کرم تو مردِ مسلم ہوتا ہے۔''

تشریح: ''اللہ ہی زمانہ ہے'' یعنی زمانہ کی باگ ڈور اللہ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ اس لیے زمانہ کو برا کہنا اور اس کی شکایت کرنی درحقیقت خدا سے شاکی ہونا ہے۔ (معاذ اللہ)

عرب کے لوگ انگور اور انگوری شراب کو کرم کہتے تھے۔ کرم میں بنیادی طور پر بزرگی، عزت اور نہایت و مہربانی کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ عرب سمجھتے تھے کہ شراب پینے سے انسان میں کرم کا وصف پیدا ہوتا ہے، اس لیے وہ خود انگور اور اس کی شراب کو بھی کرم سے موسوم کرتے تھے۔ جب خدا نے شراب کو حرام قرار دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شراب کو کرم سے موسوم نہ کرے،

کیوں کہ اس نام سے شراب جیسی بری شے کو قدر و اہمیت حاصل ہوتی تھی۔
''کرم تو مرد مسلم ہوتا ہے۔'' اس فقرے سے مسلم و مومن بندے کی توقیر کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مردِ مومن کو جو مرتبہ خدا نے بخشا ہے وہ خاص اسی کا حق ہے۔

〈۶〉 وَعَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ غَیَّرَ اسْمَ عَاصِیَۃَ وَ قَالَ: اَنْتِ جَمِیْلَۃُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاصیہ نام (جو ایک عورت کا تھا) بدل دیا اور فرمایا: ''تو جمیلہ ہے۔''

تشریح: عاصیہ کے معنی نافرمان اور گنہگار عورت کے ہوتے ہیں اور جمیلہ کے معنی نیک اور خوب صورت کے ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے اس عمل سے پتہ چلتا ہے کہ کسی کا ایسا نام رکھنا جو برا ہو درست نہیں ہے۔ خود اپنا کوئی برا نام تجویز کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔ بعض شعراء اپنا تخلص عاصی، برباد وغیرہ رکھ لیتے ہیں۔ شاید انھیں خبر نہیں کہ ان کا یہ طرزِ عمل عزت نفس کے جذبہ کے بالکل منافی ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِحَدِیْدَتِهٖ فِیْ یَدِهٖ یَتَوَجَّأُ بِهَا فِیْ بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَ مَنْ شَرِبَ سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ یَتَحَسَّاهُ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا وَ مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَهُوَ یَتَرَدّٰی فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُّخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے ہلاک کر لے تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، اسے وہ آتشِ جہنم کے اندر اپنے پیٹ میں بھونکتا رہے گا۔ ہمیشہ مستقلاً وہ اسی میں رہے گا۔ اور جو کوئی زہر پی کر خودکشی کر لے تو وہ آتشِ دوزخ میں وہی زہر گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا رہے گا۔ وہ ہمیشہ مستقل طور پر اسی میں رہے گا۔ اور جو شخص کسی پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا کر ہلاک کر ڈالے تو وہ آتشِ جہنم میں ہمیشہ گرا کرے گا۔ اور سدا وہ اسی حال میں رہے گا۔''

تشریح: خودکشی کو کسی بھی مہذب سماج نے جائز قرار نہیں دیا ہے۔ اسلامی شریعت کی رو سے بھی خودکشی حرام ہے۔ کوئی انسان اپنی جان اور اپنے وجود کا اصل مالک نہیں ہے۔ جسم و جان کا حقیقی مالک خدا ہے۔ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی امانت ہے۔ جان بھی اس کی ایک امانت ہے۔ اس امانت کو ضائع کرنا شدید قسم کا جرم اور خیانت ہے۔ اپنے وجود کو نقصان پہنچانا اور اپنے کو

ہلاک کرنا درحقیقت ملکیتِ غیر میں بے جا تصرف ہے۔ یہ محض ایک گناہ نہیں بلکہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اسی لیے اس کے ارتکاب پر بڑے ہولناک اور دردناک عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کوئی شخص جس چیز کے ذریعے سے اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے آخرت میں اس کے لیے اسی کو ہمیشہ کے لیے عذاب کا ذریعہ بنا دیا جائے گا۔ گویا یہ اس حقیقت کا اظہار ہوگا کہ کسی شخص کا اس کا اپنا آخری فعل اور آخری طرزِ عمل ہی اس کا اصل عمل ہے۔ اسی کو اس کی دائمی حالت قرار دی جائے گی۔ اس نے اگر سفرِ حیات طے کر کے جس منزل پر پہنچنا چاہا ہے وہ ہلاکت ہے تو یہی ہلاکت ہی اس کی آخری منزل ہوگی۔ وہ مسلسل ہلاکت کا مزہ چکھتا رہے گا۔ اس سے نجات پانے کی کوئی صورت اس کے لیے نہ ہوگی۔

منکرِ حق اور کفار کے لیے تو یہ عذاب یقیناً دائمی ہوگا، جیسا کہ حدیث کے الفاظ مخلدًا، ابدًا اور خالدًا سے ظاہر ہے۔ اور اگر کوئی مومن اس جرم کا مرتکب ہوتا ہے تو مدت دراز تک عذاب میں مبتلا رہنے کا وہ بھی مستحق قرار پائے گا۔

آدمی پر اس کے نفس کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اسے دنیا میں بھی ہلاک نہ کرے اور آخرت کی ہلاکت اور تباہی سے بچانے کے لیے تو اسے ہر وقت فکرمند رہنا چاہیے۔ ہوش مندی کی بات یہی ہے۔ اس کے برعکس جو روش بھی کوئی شخص اختیار کرتا ہے وہ اس کی نادانی اور بے حسی کی دلیل ہوگی۔

صلہ رحمی اور رشتہ کا پاس ولحاظ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهُ وَ مَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: رحم رحمٰن سے نکلا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”جو تجھے جوڑے گا میں بھی اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا، میں بھی اسے توڑوں گا۔“

تشریح: عربی زبان میں رحم کا لفظ بطورِ استعارہ رشتے داری اور قرابت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص کے تمام ہی رشتے دار اس کے ذوی الارحام ہیں خواہ وہ رشتے دار دور کے ہوں یا قریب کے ہوں۔ البتہ جس سے جتنا زیادہ قریب کا رشتہ ہوگا اس کا حق بھی اتنا ہی زیادہ ہوگا اور

اس سے قطع رحمی کرنا اتنا ہی بڑا گناہ قرار پائے گا۔ صلہ رحمی سے مراد یہ ہے کہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ آدمی جو نیکی اور بھلائی کر سکتا ہو وہ اس سے دریغ نہ کرے۔ قطع رحمی یہ ہے کہ آدمی کا سلوک اپنے رشتے دار کے ساتھ اچھا نہ ہو یا اپنے رشتے دار کے ساتھ جس بھلائی کی استطاعت اس میں ہو اس سے وہ پہلو تہی کرے۔

بخاری کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: اَلرَّحِمُ شُجْنَةٌ مِّنَ الرَّحْمَةِ مَنْ وَصَلَهَا وَ صَلْتُهٗ وَ مَنْ قَطَعَهَا قَطَعْتُهٗ ”رحم اور قرابت (رحمان سے ملی ہوئی) ایک شاخ ہے، جو اس سے ملے میں اس سے ملتا ہوں اور جو اس سے قطع تعلق کرے میں اس سے قطع تعلق کرتا ہوں۔“ مطلب یہ ہے کہ یہ ناتے رشتے درحقیقت رحمان سے جڑے ہوئے ہیں۔ یعنی یہ خدا کی رحمت کے آثار میں سے ہیں، جو شخص ناتے رشتوں کے حقوق کو نہیں پہچانتا اور اپنے رشتے داروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش نہیں آتا وہ حقیقت میں رحمتِ خداوندی سے اپنا تعلق منقطع کرتا ہے۔ خدا بھی ایسے شخص سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہے۔ حدیث میں لفظ شجنة استعمال ہوا ہے، جو درخت کے ان ریشوں اور ٹہنیوں کو کہتے ہیں جو جڑ سے پیوست اور باہم مختلط ہوں۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِیْ وَ لٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِیْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”حقیقی صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ چکائے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس کی قرابت کو منقطع کر دیا جائے تو وہ اس قرابت کو قائم رکھے۔“

تشریح: یعنی کامل اور حقیقی صلہ رحمی وہی ہے، جو محض بدلہ چکانے کے لیے نہ ہو کہ کسی کے رشتے دار اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تو اس کے جواب میں وہ بھی ان کے ساتھ صلہ رحمی کرے بلکہ اسے تو محض حق شناسی کے احساس کے ساتھ رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا چاہیے۔ خواہ اس کے ساتھ اس کے رشتے دار صلہ رحمی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں۔ کامل شخص کہلانے کا مستحق درحقیقت وہی ہے، جو دوسروں کا حق اس سے بالکل بے پروا ہو کر ادا کرے کہ دوسرے اس کا حق ادا کرتے ہیں یا وہ اس کے حقوق کو بالکل فراموش کر بیٹھے ہیں۔

(۳) وَ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّ

لِیْ مَالاً وَ اِنَّ وَالِدِیْ یَحْتَاجُ اِلٰی مَالِیْ قَالَ: اَنْتَ وَ مَالُکَ لِوَالِدِکَ اِنَّ اَوْلَادَکُمْ مِنْ اَطْیَبِ کَسْبِکُمْ کُلُوْا مِنْ کَسْبِ اَوْلَادِکُمْ. (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں مال دار ہوں اور میرے والد میرے مال کے ضرورت مند ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم اور تمھارا مال دونوں ہی تمھارے باپ کے ہیں۔ کیوں کہ تمھاری اولاد تمھاری بہترین کمائی ہے۔ لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی میں سے (بے تکلف) کھاؤ۔''

تشریح: یعنی تمھارے باپ کو پورا حق حاصل ہے کہ وہ تم سے اپنی خدمت کا کام لیں اور تمھارے مال سے بھی فائدہ اٹھائیں۔ تمھیں نہایت خوش دلی کے ساتھ باپ کی خدمت کرنی چاہیے اور ان پر اپنا مال بھی خرچ کرنا چاہیے۔ اور اس کو اپنی سعادت سمجھنی چاہیے۔ یہ جو فرمایا کہ تمھاری اولاد تمھاری بہترین کمائی ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اولاد کی کمائی سے مستفید ہونے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرنا چاہیے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: وَھَبَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ غُلَامَیْنِ اَخَوَیْنِ فَبِعْتُ اَحَدَھُمَا فَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَا عَلِیُّ مَا فَعَلَ غُلَامُکَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ: رُدَّہٗ رُدَّہٗ. (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دو غلام عطا فرمائے، جو آپس میں بھائی بھائی تھے۔ پھر میں نے ان میں سے ایک کو بیچ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''اے علی، تمھارا ایک غلام کیا ہوا؟'' میں نے آپ ﷺ کو اطلاع کردی (کہ میں نے اسے بیچ دیا)۔ آپؐ نے فرمایا: ''اسے واپس کرلو، اس کو واپس کرلو۔''

تشریح: یعنی اس بیع کو فسخ کردو اور اس غلام کو اپنے ہی پاس رکھو۔ ''اس کو واپس کرلو'' اس جملہ کو دوبار آپؐ نے تاکیداً فرمایا تاکہ اس حکم کو ہلکا نہ تصور کیا جائے۔

بھائی کو بھائی سے جدا کرنا اس رشتہ کے احترام کے خلاف ہے جو ان کے درمیان پایا جاتا ہے۔ ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لونڈی اور اس کے بیٹے میں جدائی ڈالنا بھی صحیح نہیں ہے کہ دونوں میں سے ایک کو بیچ دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے دیا۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: اِنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ لِیْ قَرَابَةً اَصِلُهُمْ وَ يَقْطَعُوْنَنِیْ وَ اُحْسِنُ اِلَيْهِمْ وَ يُسِيْئُوْنَ اِلَیَّ وَ اَحْلُمُ عَنْهُمْ وَ يَجْهَلُوْنَ عَلَیَّ. فَقَالَ: لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَاَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ، وَلاَ يَزَالُ مَعَکَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيْرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلٰی ذَالِکَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، میرے کچھ رشتے دار ہیں، میں ان کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھتا ہوں مگر ان کا سلوک میرے ساتھ اس سے مختلف ہوتا ہے۔ میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے بدسلوکی سے پیش آتے ہیں۔ میرا سلوک ان کے ساتھ حلم اور بردباری کا ہوتا ہے اور وہ میرے ساتھ جاہلانہ سلوک اختیار کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تمھارا بیان ہے تو گویا تم ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال رہے ہو۔ اور اللہ ان کے مقابلہ میں ہمیشہ تمھاری پشت پناہی فرمائے گا جب تک کہ تم اپنی روش پر قائم رہو گے۔''

تشریح: ''گویا تم نے ان کے منہ میں گرم راکھ ڈال دی۔'' یعنی تمھارا حسنِ سلوک اور حسن اخلاق ان کی ذلت اور ان کی کمینگی کو نہایت درجہ نمایاں کر دے رہا ہے اگر انھوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ان کے حصے میں دوزخ بھی آئے گا، جہاں عذاب کے ساتھ ذلت اور رسوائی کا پورا سامان بھی موجود ہوگا۔

''اللہ تمھاری پشت پناہی فرمائے گا۔'' یعنی خدا کی تائید تمھارے حق میں ہوگی۔ سرفراز تمھیں ہوگے۔ خدا اپنے فرشتوں کے ذریعے سے بھی تمھاری مدد فرمائے گا۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَ عَلٰی ذَوِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ. (نسائی، ترمذی)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے اور غریب رشتے دار کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''

تشریح: یعنی اس میں دوہرا ثواب ہے ایک صدقہ کرنے کا اور دوسرا رشتے داری کا حق ادا کرنے کا۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَكْرٍ قَالَتْ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ

وَ هِیَ مُشْرِکَةٌ فِیْ عَهْدِ قُرَیْشٍ اِذْ عَاهَدَهُمْ فَاسْتَفْتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ، قُلْتُ: قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّیْ وَهِیَ رَاغِبَةٌ اَفَاَصِلُ اُمِّیْ؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِیْ اُمَّکِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، میری ماں میرے پاس آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے، جس زمانے میں آپؐ نے قریش سے صلح کا معاہدہ فرمایا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور وہ دین سے بیزار ہیں تو کیا میں رشتہ کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، اپنی ماں کے حقوق کا پاس ولحاظ رکھو (حسن سلوک کرو)۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ رشتے دار خواہ مشرک اور کافر ہی کیوں نہ ہوں حتی الوسع ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیے۔ اس حدیث میں لفظ رَاغِبَةٌ آیا ہے۔ اس کا ترجمہ ہم نے 'بیزار ہیں' کیا ہے، اس کا ترجمہ خواہش مند بھی ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ میری ماں خواہش مند ہوکر آئی ہیں۔ یعنی وہ اس کی طالب ہیں کہ میں ان کی کچھ مالی مدد کروں۔

حضرت حنظلہؓ جو ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا باپ ابوعامر راہب بڑا ہی دشمن حق اور شدید العناد تھا۔ حضرت حنظلہؓ نے اسے قتل کردینے کی نبی ﷺ سے اجازت طلب کی لیکن آپؐ نے انھیں باپ کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی کہ اگر اسے قتل ہی کرانا ہوگا تو کیا ضروری ہے اس کے لیے اس کے بیٹے کو استعمال کیا جائے جب کہ دوسرے لوگ موجود ہیں ان سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ حتی الامکان وہ اپنے دل کو سخت ہونے سے بچائے۔ بے مروتی اور دل کی سختی سے بری چیز شاید دوسری کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَهٗ فِیْ رِزْقِهٖ وَ یُنْسَأَ لَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں فراخی ہو اور اس کی موت میں تاخیر کی جائے اس کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک اور ان کے ساتھ احسان کرے۔''

تشریح: ''موت میں تاخیر کی جائے گی۔'' یعنی اس کی عمر دراز ہو۔ اصل میں لفظ اثر استعمال ہوا ہے۔ 'اثر' دراصل قدموں کے اس نشان کو کہتے ہیں جو چلتے وقت زمین پر پڑتا ہے۔ یہ نشان زندگی

کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ جس کسی کی موت آجاتی ہے اس کے قدموں کا نشان زمین پر نہیں پڑتا۔ اس لیے عرب مدتِ عمر کو 'اثر' کہتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رزق میں وسعت اور فراخی اور درازی کے ظاہری اسباب کے علاوہ اس کے اخلاقی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ یہ چیز عقیدۂ قضاوقدر سے ہرگز متصادم نہیں ہے اس لیے کہ اسباب وعوامل بھی قضاوقدر میں شامل و داخل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ وسعتِ رزق اور درازی عمر میں برکت کا مفہوم بھی شامل ہے یعنی اسے اپنے زرق میں برکت محسوس ہوگی اور اسی طرح اپنے اوقاتِ حیات میں بھی اس کو برکات کا احساس ہوگا۔ اس کے تھوڑے وقت کو بھی خدا زیادہ کارآمد اور موجبِ خیر بنادیتا ہے۔ اور جو رزق بھی اس کے حصے میں ہوگا اس سے غیر معمولی فائدہ اٹھائے گا کہ لوگوں کو اس سے حیرانی اور تعجب ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ آدمی کی اپنی اولاد اس کے حق میں دعائے مغفرت کرتی ہے اور راہِ نیک اختیار کرکے اس کے ذکرِ خیر کو دیر تک زندہ رکھتی ہے۔

قطع رحمی

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: ثَلاَ ثَةٌ لاَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَ قَاطِعُ الرَّحِمِ وَ مُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ. (احمد)

ترجمہ: ''حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین طرح کے لوگ جنت میں داخل نہ ہوسکیں گے: ہمیشہ شراب پینے والا، ناتے رشتے کا توڑنے والا اور جادو پر یقین کرنے والا۔''

تشریح: جب صورتِ حال یہ ہو کہ خدا کے ایسے بندوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے میں اسے کوئی باک نہیں جن کو خدا نے اس کے اپنے ناتے دار بنا کر پیدا کیا تھا۔ ایسی حالت میں آخر وہ کس بنیاد پر یہ امید کرسکتا ہے کہ خدا اسے اپنی جنت میں جگہ عنایت فرمائے گا۔ جب اس نے اس رشتہ کا پاس ولحاظ نہیں رکھا جو اس کے اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان پایا جاتا ہے تو خدا کو آخر اس کے لیے وہ کیسے مجبور سمجھتا ہے کہ وہ اس رشتہ اور تعلق کے پیش نظر جو خالق اور مخلوق کے درمیان پایا جاتا ہے اسے جنت میں داخل فرماوے گا۔ اس نے تو اپنے رویہ سے اس بنیاد ہی کو ڈھا

دیا، جس کی وجہ سے باہم ایک پر دوسرے کے حقوق قائم ہوتے ہیں۔ اس نے حقیقت میں نہایت سنگین قسم کے جرم کا ارتکاب کر کے اپنے سارے ہی استحقاق ضائع کر دیے۔

سحر کی کئی قسمیں ہیں: ان میں سے بعض صریحاً مشرکانہ ہیں۔ ان سے دلچسپی ان ہی لوگوں کو ہوسکتی ہے اور وہی لوگ اسے اہمیت دے سکتے ہیں، جو توحید سے یکسر بے گانہ ہوں۔ پھر سحر کسی قسم کا ہو اس پر بایں معنی یقین رکھنا کہ وہ موثر بالذات ہے ایک باطل عقیدہ ہے۔ پھر باطل پرستوں کا جنت میں گزر کیوں کر ہوسکتا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰیؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰی قَوْمٍ فِیْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ. (بیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی، جس میں قاطعِ رحم (ناتے رشتے کو توڑنے والا) موجود ہو۔''

تشریح: قاطعِ رحم ایک منحوس وجود ہوتا ہے۔ اس کی نحوست سے پوری قوم گرفتارِ بلا ہوسکتی ہے۔ قوم سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں، جو اس قاطع رحم سے ہم دردی رکھتے ہوں اور اس کے حامی اور مددگار ہوں۔ اور اسے قطع رحمی سے باز آنے کی تلقین نہ کریں۔

رحمت نازل نہ ہونے کے سبب سے یہ بھی ممکن ہے کہ اس قوم کی سرزمین بارش سے محروم رہے اور وہ قوم قحط سالی کے عذاب میں مبتلا ہو جائے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''قطعِ رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

تشریح: قطع رحمی اسلامی شریعت میں قطعاً حرام ہے۔ یہ انسانی فطرت کے بھی منافی ہے کہ انسان اپنے رشتے داروں سے حسن سلوک نہ کرے۔ خلافِ فطرت روش اختیار کرنے والا شخص آخر اس راحت اور انجامِ نیک کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے جو درحقیقت ان کے لیے مقدر ہے، جن کی زندگی دینِ فطرت کی پیروی میں بسر ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَّصَلَنِیْ وَ صَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ'' رشتہ عرش سے علاقہ رکھتا ہے کہتا ہے کہ جو مجھے ملائے گا خدا اسے اپنے سے ملائے گا اور جو مجھے کاٹے گا، خدا اسے اپنے سے کاٹے گا'' یعنی رشتہ اور ناتہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اس کا سرا عرش اور خدا سے ملا ہوا ہے۔ بلا وجہ رشتہ ناتہ منقطع کرنا درحقیقت خدا سے اپنا رشتہ منقطع کرنا ہے۔ رشتہ کو باقی رکھنا اور اس کا پاس و لحاظ رکھنا تقوی اللہ میں شامل ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَكْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰى اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِی الدُّنْيَا مَعَ مَا يُدَّخِرُ لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْیِ وَ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی گناہ امامِ وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحم سے بڑھ کر اِس بات کا جواز فراہم نہیں کرتا کہ خدا ان کے مرتکب کے لیے آخرت میں جو ذخیرہ کرے گا (یعنی جو عذاب مہیا رکھنے کا نظم کرے گا) اس کے ساتھ دنیا میں بھی اُسے سزا دینے میں تعجیل کرے۔''

تشریح: یعنی یہ دو گناہ ایسے ہیں کہ آدمی کو ان کی وجہ سے دنیا میں بھی سزا ملتی ہے خواہ وہ جس شکل میں ہو اور آخرت میں بھی وہ مبتلائے عذاب ہوگا۔ کیوں کہ یہ گناہ ایسے ہیں کہ ان کے برے اثرات نمایاں طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ دنیا میں ان کے نتیجے میں فتنہ وفساد اور خوں ریزی کا بازار گرم ہوتا ہے۔ دلوں کا چین اور اطمینان رخصت ہو جاتا ہے۔ محبت اور ہم دردی، بغض و عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ رہا آخرت کا معاملہ تو آخرت کی دنیا تو بنائی ہی اس لیے گئی ہے کہ اچھے لوگ اپنی نیکیوں کا اچھا اجر وثواب حاصل کر سکیں اور خدا کی رحمتیں اور نعمت ہائے فراواں ان کے حصے میں آئے اور مجرمین اپنے جرائم کا حقیقی مزہ چکھ سکیں۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ محض ان ہی دو گناہوں کے ساتھ یہ بات مخصوص نہیں ہے کہ ان کے مرتکب کو دنیا اور آخرت دونوں میں سزا ملے گی بلکہ دوسرے گناہ بھی ایسے ہو سکتے ہیں، جن کی وجہ سے آدمی دنیا اور آخرت دونوں میں مبتلائے عذاب ہو۔ لیکن جن دو گناہوں کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے وہ درحقیقت ان میں نہایت شنیع اور بدترین قسم کے گناہ ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ وَ اَبِیْ بَکْرَۃَؓ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنِ ادَّعٰی غَیْرَ اَبِیْهِ وَهُوَ یَعْلَمُ اَنَّهٗ غَیْرُ اَبِیْهِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْهِ حَرَامٌ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ دوسرا شخص اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔''

تشریح: یعنی جو شخص سہواً نہیں جان بوجھ کر ایسے شخص سے اپنا نسبی رشتہ قائم کرے، جو حقیقت میں اس کا باپ نہیں ہے، وہ جنت کا حق دار نہیں ہوسکتا۔ یہ نہایت بے شرمی، نالائقی، کمینگی اور احسان فراموشی کی بات ہے کہ کوئی شخص اپنے حقیقی باپ کا انکار کر کے کسی دوسرے کو اپنا باپ قرار دے لے۔ جنت کی تخلیق خدا نے ایسے احسان فراموش کمینہ شخص کے لیے نہیں کی ہے، البتہ اگر کوئی شخص احتراماً مجازی طور پر کسی کو ابا کہتا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْهِ فَقَدْ کَفَرَ۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے باپ سے نفرت نہ کرو (یعنی غیر شخص سے اپنا نسبی تعلق نہ جوڑو) کیوں کہ جس کسی نے اپنے باپ سے نفرت کی اس نے کفر کیا۔''

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں یہ ایک عام برائی رہی ہے کہ بعض لوگ بڑائی کی خاطر اپنے اصل باپ سے اپنے نسب کا انکار کر کے دوسروں کو اپنا باپ قرار دے لیتے تھے۔ اسلام اسے عمل کفر قرار دیتا ہے۔

شریعت اسلامی میں سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنی مخلوقیت کا رشتہ اپنے اصل خالق سے منقطع کر کے اس سے جوڑنے لگے جو حقیقت میں اس کا خالق نہیں ہے۔ اس کے بعد سب سے بڑا کفر اور احسان فراموشی یہ ہے کہ کوئی اپنی ابنیت کا رشتہ اپنے والد کو چھوڑ کر اس شخص سے قائم کرے، جو فی الواقع اس کا والد نہ ہو۔ اس طرح کی حرکتیں ہمیشہ کسی نفسیاتی اور ذہنی پستی اور کمینگی کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔ کفر اور احسان فراموشی ایک قسم کا سنگین جرم ہے۔ کفر میں مبتلا شخص اپنے وجود کی پاکیزگی کھو چکا ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کا مستحق نہیں رہ جاتا کہ وہ کسی درجہ میں

قابل احترام ہو اور اس کے حقوق خدا کے یہاں محفوظ ہوں۔

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ کسی کے نسب پر طعن کرنا بھی ایک عمل کفر ہے۔ چناں چہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: اِثْنَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ (مسلم) ''لوگوں میں دو باتیں کفر کی پائی جاتی ہیں: نسب پر طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔'' نسب عربوں کے مفاخر میں شامل تھا۔ اس لیے دوسروں کے نسب پر طعن کرنے کو وہ اپنی شان تصور کرتے تھے۔ اسی طرح نوحہ کو بھی وہ شرف کا مظہر سمجھتے تھے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ دونوں ہی چیزیں جاہلیت اور کفر کی ہیں، جن کو ترک کرنا ایک مومن کے لیے ضروری ہے۔

والدین کے حقوق

〈۱〉 عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رِضَى الرَّبِّ فِیْ رِضَى الْوَالِدِ وَ سَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''رب کی رضامندی باپ کی رضامندی میں ہے اور رب کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔''

تشریح: یہی حکم ماں کے بارے میں بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کی رضا جوئی کے لیے والدین کی رضا جوئی لازمی ہے۔ والدین کو ناراض کر کے کوئی خدا کو راضی نہیں کر سکتا۔ قرآن میں خدا کا ارشاد ہے: وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلاَّ تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:۲۳) ''تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِیْ؟ قَالَ: اُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمُّكَ. قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اَبُوْكَ. وَ فِیْ رِوَايَةٍ قَالَ: اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میری اچھی رفاقت کا (یعنی میری جانب سے حسن سلوک وخدمت کا) سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

آپؐ نے فرمایا: ''تمھاری ماں'' اس نے عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: ''تمھاری ماں'' اس نے عرض کیا: پھر کون؟ فرمایا: ''تمھاری ماں۔'' اس نے عرض کیا، پھر کون؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمھارا باپ۔'' ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے (اس شخص کے سوال کے جواب میں) فرمایا: ''تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں، پھر تمھارا باپ، پھر تمھارا وہ عزیز جسے نزدیک کی قرابت حاصل ہو پھر ان کے بعد جو قریبی رشتے دار ہوں۔''

تشریح: والدین کی خدمت اور ان کا ادب واحترام کرنا اولاد کے لیے ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ماں، اولاد کی توجہ کی کچھ زیادہ ہی مستحق ہوتی ہے جیسا کہ اس حدیث سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ ماں عورت ہونے کی وجہ سے ایک تو باپ کے مقابلے میں کمزور اور ناتواں ہوتی ہے لہٰذا اس کی طرف اولاد کو خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ دوسرے یہ کہ پرورش میں باپ کے مقابلہ میں ماں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ حمل کا بوجھ وہی اٹھاتی ہے۔ وہی ولادت کی تکلیف برداشت کرتی اور بچہ کو دودھ پلانے کی خدمت انجام دیتی ہے۔

امام نوویؒ کے نزدیک حسنِ سلوک کے سلسلہ میں عزیز واقارب کی ترتیب یہ ہے: پہلے ماں پھر باپ، پھر اولاد، پھر دادا دادی، نانی پھر بھائی بہن، پھر دوسرے قریبی رشتہ والے مثلاً چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ۔ بعید کے مقابلہ میں نزدیک مقدم ہے۔ اسی طرح حقیقی مقدم ہے علاتی اور اخیافی پر۔ پھر اس کے بعد دوسرے اعزہ کا حق ہوتا ہے جیسے چچا، ماموں اور خالہ کی اولاد پھر سسرالی رشتہ والے، پھر غلام اور پھر ہم سایہ۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍؓ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَبَرُّ؟ قَالَ: اُمَّكَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمَّكَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: اُمَّكَ. قُلْتُ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت بہز بن حکیمؓ اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں کس کے ساتھ بھلائی کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا: ''اپنی ماں کے ساتھ۔'' میں نے عرض کیا: پھر کس کے ساتھ؟ آپؐ نے فرمایا: ''اپنے باپ کے ساتھ، اور اس کے ساتھ جو تمھارا قریب تر عزیز ہو اور پھر

اس کے ساتھ جوان کے بعد دوسروں سے زیادہ قریبی عزیز ہو۔"

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَغِمَ اَنْفُهٗ. رَغِمَ اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ: مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَنْ اَدْرَکَ وَالِدَیْهِ عِنْدَ الْکِبَرِ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "خاک آلود ہو ناک اس شخص کی، خاک آلود ہو ناک اس شخص کی، خاک آلود ہو ناک اس شخص کی۔" پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ، کس کی (ناک خاک آلود ہو)؟ فرمایا: "اس شخص کی جو اپنے والدین میں سے کسی ایک یا دونوں ہی کو بڑھاپے کی حالت میں پائے اور پھر جنت میں داخل نہ ہو۔"

تشریح: والدین کی خدمت جنت کے حصول کا خاص ذریعہ ہے۔ اس کے برخلاف اُن کی نافرمانی اور ایذا رسانی آدمی کو دوزخ کا مستحق بنا دیتی ہے۔ والدین جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جاتے ہیں تو وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کی خدمت کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے، جس سے آدمی کے لیے جنت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ جس شخص کو اپنے بوڑھے باپ یا بوڑھی ماں کی خدمت کا موقع میسر ہو اور وہ ان کی خدمت کر کے جنت کا مستحق نہ بن سکے اس سے بڑھ کر بدنصیب اور رسوا و ذلیل دوسرا کون ہو سکتا ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ جَاهِمَةَؓ اَنَّ جَاهِمَةَ جَآءَ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُ وَ قَدْ جِئْتُ اَسْتَشِیْرُکَ فَقَالَ: هَلْ لَّکَ مِنْ اُمٍّ؟ فَقَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا. (احمد، نسائی، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن جاہمہؓ سے روایت ہے کہ جاہمہؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں۔ اور اس سلسلے میں آپؐ سے مشورہ لینے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "کیا تمھاری ماں (زندہ) ہے؟" انھوں نے کہا کہ ہاں آپؐ نے فرمایا: "تم ان کی خدمت کو اختیار کرو کیوں کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے۔"

تشریح: "جنت ماں کے قدموں میں ہے" مطلب یہ ہے کہ تم ماں کے قدموں میں پڑے رہ کر ان کی خدمت و اطاعت کو مقدم سمجھو۔ ان کی خدمت تمھیں جنت کا مستحق بنا دے گی۔ واضح رہے کہ اس جملہ میں بطور کنایہ اس تواضع اور انکساری کی طرف بھی اشارہ فرمایا گیا ہے، جو اولاد کو اپنے

والدین کے سامنے اختیار کرنا چاہیے۔ یعنی مطلوب یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت نہایت ادب و احترام کے ساتھ کرنی چاہیے اور ان کے سامنے اولاد کو متواضع بن کر رہنا چاہیے۔ قرآن میں آیا ہے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا (بنی اسرائیل: ۲۴) ''اور ان کے (ماں باپ کے) آگے رحم دلانہ عاجزی کے بازو بچھائے رکھو اور کہو: میرے رب، جس طرح انھوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے تو بھی ان پر رحم فرما۔''

اس حدیث کا یہ مطلب لینا صحیح نہ ہوگا کہ ماں باپ کی موجودگی میں جہاد یا دین کی خدمت کے لیے کوئی باہر نکل ہی نہیں سکتا۔ یہ فریضہ بس وہ لوگ انجام دیں گے، جن کے ماں باپ وفات پا چکے ہوں۔ بلکہ حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اگر ماں باپ زندہ ہیں اور وہ خدمت کے سخت محتاج ہیں اور دوسرا کوئی ان کی خبر گیری کے لیے موجود بھی نہیں ہے، تو پھر ان کی خدمت اور خبر گیری ہی کو دوسری خدمات پر ترجیح دینی چاہیے۔ ان کی خدمت کوئی کم درجہ کا عمل نہیں ہے، ان کی خدمت اور راحت رسانی بھی آدمی کے اس کردار کی مظہر ہے، جس کردار کے سبب سے آدمی خدا کے یہاں جنت میں جگہ پائے گا۔

〈۶〉 وَ عَنْ اَبِي اُمَامَةَؓ اَنَّ رَجُلاً قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ عَلٰى وَلَدِهِمَا؟ قَالَ: هُمَا جَنَّتُكَ وَ نَارُكَ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اولاد پر والدین کا کیا حق ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمھارے والدین تمھاری جنت بھی ہیں اور جہنم بھی۔''

تشریح: اس حدیث میں بڑا ہی بلیغ انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ والدین کا حق اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس حق کی ادائی تمھیں جنت کا مستحق بنا سکتی ہے اور اس کی طرف سے بے پروائی ہی آدمی کو نارِ جہنم میں گرا دینے کے لیے کافی ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَحَافِظْ عَلَى الْبَابِ اَوْ ضَيِّعْ. (ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''والد جنت کے دروازوں میں سے بہترین دروازہ ہے، اب تمھیں اختیار ہے کہ چاہو تو اس دروازے کی محافظت کرو اور چاہو تو اس کو ضائع کر دو۔''

تشریح: اس حدیث میں بہت ہی بلیغ اندازِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ والدین کا حق اتنی اہمیت کا حامل ہے کہ اس حق کی ادائی آدمی کو جنت کا مستحق بنا سکتی ہے اور اس سے غفلت اور بے پروائی اسے نارِ جہنم میں گرا دینے کے لیے کافی ہے۔ کسی کے والدین اس کے لیے جنت کا نشان بھی ہیں لیکن ان کی نافرمانی اور ناراضی کی وجہ سے انسان مستوجب عذاب بھی ہو سکتا ہے۔

(۸) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ. قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَ هَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ اَبَاهُ وَ يَسُبُّ اُمَّهٗ فَيَسُبُّ اُمَّهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کا اپنے والدین کو گالی دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول، کیا کوئی اپنے والدین کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کے باپ کو گالی دے، جواب میں وہ اس کے باپ کو گالی دے اور وہ اس کی ماں کو گالی دے، جواب میں وہ اس کی ماں کو گالی دے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ ماں باپ کو گالی دینا گناہِ کبیرہ ہے، اور یہ کہ یہ بھی اپنے ماں باپ کو گالی دینا ہے کہ کوئی شخص گرچہ خود تو اپنے والدین کو گالی نہ دے، لیکن اس کے غلط رویہ کی وجہ سے اس کے والدین کو گالیاں سننی پڑیں۔ اس طرح وہ گویا خود اپنے والدین کو گالی دے کر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

اولاد کے حقوق

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اُتِیَ بِصَبِیٍّ فَقَبَّلَهٗ فَقَالَ: اَمَا اِنَّهُمْ مَبْخَلَةٌ مَجْبَنَةٌ وَ اِنَّهُمْ لَمِنْ رَيْحَانِ اللّٰهِ. (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا۔ آپؐ نے اس کا بوسہ لیا اور فرمایا: ''جان لو، یہ بچے باعثِ بخل اور بزدلی کا سبب بنتے ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ یہ بچے خدا کا پھول اور خوشبو یا عطا ہیں۔''

تشریح: ''یہ بچے باعث بخل اور بزدلی کا سبب بنتے ہیں'' یعنی انسان اولاد کی محبت میں پڑ کر

بخیل بن جاتا ہے۔ اولاد کے لیے سرمایہ اکٹھا کرنے کی فکر اسے دامن گیر ہو جاتی ہے اور ان کی وجہ سے مردانگی کے کام انجام دینے میں بھی اکثر اسے تامل ہوتا ہے۔

یہ بچے خدا کی بخشی ہوئی بہترین نعمت اور سامانِ دل بستگی ہوتے ہیں۔ ان کی وجہ سے چمن زارِ حیات میں بہار آ جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ خدا کا پھول اور خوشبو اور عطا ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ یَّا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَیُّ الذَّنْبِ اَکْبَرُ عِنْدَ اللّٰہِ؟ قَالَ: اَنْ تَدْعُوَ لِلّٰہِ نِدًّا وَّ ھُوَ خَلَقَکَ. قَالَ: ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ: اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَکَ خَشْیَۃَ اَنْ یَّطْعَمَ مَعَکَ. قَالَ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَنْ تُزَانِیَ حَلِیْلَۃَ جَارِکَ. فَاَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالیٰ تَصْدِیْقَھَا: وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً آخَرَ وَلاَ یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ یَزْنُوْنَ. (الاٰیۃ) (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول، کون سا گناہ خدا کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تم خدا کا کوئی ہمسر ٹھہراؤ حالاں کہ خدا ہی تمھارا خالق ہے۔'' پھر پوچھا، اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دو کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گی؟'' پھر اس نے پوچھا، اور اس کے بعد؟ آپؐ نے فرمایا: ''یہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو۔'' اور اللہ نے اس کی تصدیق میں آیت نازل فرمائی: وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً آخَرَ وَلاَ یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلاَّ بِالْحَقِّ وَلاَ یَزْنُوْنَ. (الاٰیۃ) آخر آیت تک (اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اور نہ کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ حق کا تقاضا ہی یہی ہو، اور نہ وہ زنا کرتے ہیں)۔

تشریح: اس حدیث میں کئی ایسی باتوں کی طرف نشان دہی فرمائی گئی ہے، جو انسانیت کے دامن پر بدنما داغ ہوتی ہیں اور جن کو شریعت اسلامی نے کبائر (بڑے گناہوں) میں شمار کیا ہے۔ جن کا مرتکب سخت عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔

سب سے بڑا جرم و گناہ تو یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی کو خدا کا ہمسر و ہمتا قرار دے۔ اور اسے اپنی زندگی میں وہ مرتبہ و مقام دے، جو مقام خدا کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ سب کا خالق خدا ہے۔ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے۔ پھر خدا کا ہمسر کوئی کیوں کر ہو سکتا ہے۔

دوسرا بڑا گناہ یہ بتایا کہ کوئی اپنی اولاد کو اس وجہ سے ہلاک کردے کہ وہ اس کے سر کا بوجھ بنے گی اور اسے اس کی معاشی ذمے داریاں قبول کرنی پڑیں گی۔ زمانہ جاہلیت میں افلاس کے خوف سے لوگ اپنی اولاد کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ یہاں اس ظالمانہ حرکت کو جرم عظیم قرار دیا گیا۔

تیسرا بڑا گناہ اس کو قرار دیا گیا کہ کوئی اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرے، زنا کرنا یوں بھی بڑا گناہ ہے۔ پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنے سے جرم و گناہ کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ وہ خواہش نفس کی تکمیل میں اپنے پڑوسی کے حقوق کو بھی فراموش کر دیتا ہے اور اپنے ہمسایہ کے اس اعتماد کو سخت چوٹ پہنچاتا ہے، جو فطری طور سے ہمسایہ اس پر رکھتا ہے۔

آپؐ نے جو آیت تلاوت فرمائی اس کے لیے دیکھیں سورۃ الفرقان آیت: ۶۸۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ، قَالَ: اَعْطَانِىْ اَبِىْ عَطِيَّةً فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتِ رَوَاحَةَ: لاَ اَرْضٰى حَتّٰى تُشْهِدَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اِنِّىْ اَعْطَيْتُ ابْنِىْ مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً فَاَمَرَتْنِىْ اَنْ اُشْهِدَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. قَالَ: اَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هٰذَا؟ قَالَ: لاَ، قَالَ: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا بَيْنَ اَوْلاَدِكُمْ. قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ. وَ فِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهُ قَالَ: اِنِّىْ لاَ اَشْهَدُ عَلٰى جَوْرٍ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میرے والد نے مجھے ایک عطیہ دیا تو (میری والدہ) عمرہ بنت رواحہ نے (میرے والد سے) کہا، جب تک آپ رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنالیں میں راضی نہ ہوں گی۔ چناں چہ وہ (حضرت بشیرؓ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میں نے اپنے بیٹے کو جو عمرہ بنت رواحہ کے بطن سے ہے، ایک عطیہ دیا ہے۔ عمرہ نے مجھے تاکید کی ہے کہ میں اس پر آپؐ کو گواہ ٹھہرالوں۔ آپؐ نے فرمایا: ”کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اسی طرح عطیہ دیا ہے؟“ انھوں نے کہا: نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان انصاف کرو۔“ راوی کا بیان ہے کہ نعمان کے والد واپس آئے اور اپنا عطیہ انھوں نے واپس لوٹا لیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے (حضرت بشیرؓ کی بات سن کر) فرمایا: ”میں ظلم و جور پر گواہی نہیں دے سکتا۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ اپنی اولاد کے درمیان فرق و امتیاز کرنا نہایت ناپسندیدہ بات ہے۔ کسی نے ایک چیز اپنے ایک بیٹے کو دی اور اپنے دوسرے بیٹوں اور بیٹیوں کو نہ دیا تو یہ بے مروّتی کی بات ہوگی، جسے کبھی بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اولاد ہمیشہ اپنے باپ سے مساویانہ سلوک کی توقع رکھتی ہے۔ اور اس کی یہ توقع ایک فطری امر ہے، جس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ اَیُّوْبَ بْنِ مُوْسٰی عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدَهٗ مِنْ نُحْلٍ اَفْضَلَ مِنْ اَدَبٍ حَسَنٍ. (ترمذی، البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ایوب بن موسیٰ اپنے والد سے اور وہ ایوب کے دادا (حضرت ابن سعدؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی باپ نے اپنی اولاد کو حسنِ ادب سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ گراں قدر اور بیش بہا تحفہ جو ایک باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے وہ حسنِ ادب اور اس کی صحیح تعلیم و تربیت سے بڑھ کر کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی۔ لوگوں کو فکر ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بہتر سے بہتر عطیہ دے سکیں، یہ ایک فطری بات ہے۔ لیکن اولاد کے حق میں جو سب سے بہتر چیز ہو سکتی ہے وہ اس کی صحیح تربیت ہے، جس کی طرف بالعموم لوگوں کو توجہ نہیں ہوتی۔ حدیث میں اسی کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَانَتْ لَهٗ اُنْثٰی فَلَمْ یَئِدْهَا وَلَمْ یُهِنْهَا وَ لَمْ یُؤْثِرْ وَلَدَهٗ عَلَیْهَا قَالَ یَعْنِی الذُّكُوْرَ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی کے پاس لڑکی ہو پھر وہ اسے زندہ نہ گاڑے اور نہ اس کو ذلیل و خوار سمجھے اور نہ اس پر لڑکے کو فوقیت دے تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ لڑکی کو کمتر اور ذلیل اور بیٹوں کو اس کے مقابلے میں برتر سمجھنا نادانی ہے۔ آدمی کا فرض ہے کہ وہ لڑکی کو اپنے لیے مصیبت خیال نہ کرے اور اسے زمانۂ جاہلیت کی طرح زندہ دفن کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر وہ محبت اور خوش دلی کے ساتھ اس کی پرورش کرتا ہے تو خدا کی نگاہ میں اس کا یہ عمل اس درجہ مستحسن ہے کہ اس کی جزا اس کے یہاں جنت سے کم نہیں ہو سکتی۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْهِنَّ کُنَّ لَهٗ سِتْرًا مِّنَ النَّارِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: ’’جو لڑکیوں کی وجہ سے مبتلائے آزمائش ہو، پھر وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے تو وہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہوں گی۔‘‘

تشریح: لڑکیوں کے ساتھ نیک سلوک کرے۔ یعنی خوش دلی کے ساتھ اُن کی پرورش کرے اور اُن کے ساتھ شفقت و محبت سے پیش آئے۔ اور نیک شخص کے ساتھ اُن کا نکاح کرے۔

’’لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہوں گی‘‘ یعنی لڑکیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی وجہ سے وہ جہنم کی آنچ سے مامون و محفوظ رہے گا، خدا کی پکڑ اور اس کے عذاب سے محفوظ رہنا کسی شخص کے لیے بہت بڑی خوش بختی کی بات ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ عَالَ جَارِیَتَیْنِ حَتّٰی تَبْلُغَا جَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَنَا وَهُوَ ضَمَّ اَصَابِعَهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو دو لڑکیوں کی پرورش کرے، یہاں تک کہ وہ جوان ہو جائیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے۔‘‘ اور آپؐ نے اپنی انگلیوں کو باہم ملایا۔

تشریح: یعنی جس کسی شخص کے ذمہ دو لڑکیوں کی پرورش کرنی ہو اور وہ اس ذمے داری کو قبول کرتا ہے اور کسی مرحلے میں بھی اپنی سرپرستی سے ہاتھ نہیں کھینچتا، یہاں تک کہ وہ لڑکیاں اپنی جوانی کو پہنچ جاتی ہیں۔ ایسے شخص کو آخرت میں رسولِ خدا ﷺ کی رفاقت و معیت کا شرف حاصل ہوگا۔ اس لیے اس کا کام اپنی نوعیت کے لحاظ سے کارِ نبوت سے مشابہت رکھتا ہے۔ نبی کا کام دراصل بندگانِ خدا کی بھلائی اور ان کے ساتھ سوز و دردمندی کا ہوتا ہے۔ وہ خود پیکرِ عمل ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کے طرزِ عمل کو اپنے لیے اسوہ سمجھیں تاکہ بھلائی کے کاموں کو دنیا میں فروغ حاصل ہو اور بے مروّتی و بے اعتنائی اور خود غرضی کا خاتمہ ہو۔ محبت اور ایثار و قربانی کی قدر و قیمت لوگوں پر واضح ہو۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ اَنَّ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ اَبْصَرَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یُقَبِّلُ حُسَیْنًا فَقَالَ اِنَّ لِیْ عَشَرَةً مِّنَ الْوَلَدِ مَا فَعَلْتُ هٰذَا بِوَاحِدٍ مِّنْهُمْ. فَقَالَ رَسُوْلُ

اللّٰہِ ﷺ: مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابسؓ نے رسول اللہؐ کو دیکھا کہ آپؐ حسینؓ کا بوسہ لے رہے ہیں تو کہا کہ میرے دس بچے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''جو شخص رحم نہ کرے، اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچوں کا یہ بھی حق ہے کہ والدین ان سے اپنی محبت اور لگاؤ کا اظہار کریں۔ بچوں کی ذہنی نشو ونما پر پیار اور محبت کا نہایت خوش گوار اثر پڑتا ہے، جو بچے پیار سے محروم رہتے ہیں۔ ذہنی لحاظ سے وہ عموماً غیر متوازن ہوتے ہیں اور اس سے ان کی پوری زندگی متاثر ہو کر رہتی ہے۔

بھانجے کا حق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِبْنُ اُخْتِ الْقَوْمِ مِنْھُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی قوم کا بھانجا اسی قوم میں سے ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بھانجہ کو غیر نہ جانو، اسے اپنی ہی قوم کا ایک فرد سمجھو۔ اس کے باپ کی قوم میں اگر کسی وجہ سے اس کا کوئی نہ رہا ہو تو اسے بے یار و مددگار اور بے ٹھکانہ نہ چھوڑو۔ ماموں کی موجودگی میں وہ بے سہارا نہیں ہوسکتا۔

خالہ کے حقوق

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَجُلاً اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَصَبْتُ ذَنْباً عَظِیْمًا فَھَلْ لِّیْ مِنْ تَوْبَۃٍ؟ قَالَ: ھَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ: لَا، قَالَ: وَھَلْ لَّکَ مِنْ خَالَۃٍ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَبَرَّھَا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، مجھ سے ایک بڑے گناہ کا صدور ہو گیا ہے۔ کیا میری توبہ کی کوئی صورت ہے۔ آپ نے فرمایا: ''کیا تمھاری ماں ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمھاری خالہ ہے؟'' اس نے عرض کیا کہ ہاں! آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم اس کے

ساتھ نیک سلوک کرو۔"

تشریح: اس شخص کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں کیا عمل اختیار کروں کہ خدا کی رحمت میری طرف متوجہ ہو سکے اور میرا گناہ بخش دیا جائے۔

توبہ کی عام شکل تو یہ ہے کہ آدمی اپنے برے عمل پر پچھتائے اور خدا سے اپنے گناہ کی معافی مانگے لیکن ماں باپ یا ان کی عدم موجودگی میں خالہ ہی کی خدمت کی جائے تو گناہ بالکل دُھل جاتا ہے۔ اور برائی اور گناہ کے اثرات سے آدمی پاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے خالہ کی خدمت واطاعت کرو اور اپنی استطاعت کے مطابق اس کی مالی اعانت بھی کرتے رہو۔

〈۲〉 عَنْ عَلِیٍّ قَالَ: لَمَّا خَرَجْنَا مِنْ مَکَّۃَ تَبِعَتْنَا بِنْتُ حَمْزَۃَ تُنَادِیْ یَا عَمِّ یَا عَمِّ، فَتَنَاوَلَھَا عَلِیٌّ فَاَخَذَ بِیَدِھَا وَ قَالَ دُوْنَکِ بِنْتَ عَمِّکِ فَحَمَلَتْھَا فَقَصَّ الْخَبَرَ قَالَ وَ قَالَ جَعْفَرٌ اِبْنَۃُ عَمِّیْ وَ خَالَتُھَا تَحْتِیْ فَقَضٰی بِھَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِخَالَتِھَا وَ قَالَ: اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب ہم مکہ سے نکلے تو حمزہ کی بیٹی ہمارے پیچھے ہو کر اے چچا، اے چچا، کہہ کر پکارنے لگی۔ علیؓ نے اسے لے لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر (اسے حضرت فاطمہؓ کے حوالے کرتے ہوئے) کہا کہ لو اپنے چچا کی بیٹی کو، فاطمہؓ نے اسے اٹھا لیا۔ پھر یہ قصہ بیان کیا۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ وہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لیے میں اس کی پرورش کا زیادہ حق دار ہوں)۔ نبی ﷺ نے وہ لڑکی اس کی خالہ کو دلا دی اور فرمایا: "خالہ مثل ماں کے ہے۔"

تشریح: یعنی خالہ کو ماں کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ وہی اس کی مستحق ہے کہ وہ اپنی بھانجی کو اپنے پاس رکھے اور اس کی پرورش کر کے اپنے جذبۂ محبت کو تسکین دے۔

یہ جو فرمایا کہ "خالہ مثل ماں کے ہے" اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ خالہ کا یہ حق ہوتا ہے کہ اس کا ادب ولحاظ اور اس کی خدمت ماں کی طرح کی جائے۔ اسے غیر سمجھنا درست نہ ہوگا۔

بڑوں کا حق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: اِنَّ اِجْلَالَ اللّٰہِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرَ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلاَ الْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ابو داؤد، البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی بوڑھے مسلمان کی اور ایسے حاملِ قرآن کی تعظیم جو قرآن میں افراط وتفریط سے کام نہ لے در حقیقت خدا کی تعظیم کرنے میں شامل ہے اور اسی طرح انصاف پسند حکمراں کی تعظیم بھی۔''

تشریح: جو حاملِ قرآن یا قرآن کا حافظ کلامِ الٰہی کا حق پہچانتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کی تلات کے آداب کا بھی پورا خیال رکھتا ہے۔ اس کی تعظیم کرنی ہمارا فرض ہے۔ اسی طرح وہ حکمراں یا امیرِ سلطنت جو عدل وانصاف قائم کرتا ہے وہ خدا کی خاص صفت عدل کا مظہر ہوتا ہے، پھر اس کی تعظیم ہمارے لیے کیوں ضروری نہ ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح جو مسلمان خدا کی طاعت و بندگی میں بڑھاپے کو پہنچ گیا وہ بھی اس بات کا مستحق ہے کہ ہم اس کا اکرام کریں۔ اگر ہمارے اندر خدا کی عظمت اور اس کی بزرگی کا احساس پایا جاتا ہے تو ہمارے لیے ان تینوں ہی کی تعظیم ضروری ہے۔ کیوں کہ ان کی تعظیم حقیقت میں خدا کی تعظیم ہی کا ایک تقاضا ہے۔

مہمان کے حقوق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ نِالْعَدَوِیِّؓ قَالَ: سَمِعَتْ اُذُنَایَ وَ اَبْصَرَتْ عَیْنَایَ حِیْنَ تَکَلَّمَ النَّبِیُّﷺ فَقَالَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ جَارَہٗ. وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ جَائِزَتَہٗ. قَالَ: وَمَا جَائِزَتُہٗ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ: یَوْمٌ وَّلَیْلَۃٌ وَالضِّیَافَۃُ ثَلاَ ثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا کَانَ وَرَاءَ ذٰلِکَ فَھُوَ صَدَقَۃٌ عَلَیْہِ، وَ مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ لِیَصْمُتْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوشریح عدویؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے دونوں کانوں نے سنا اور میری دونوں آنکھوں نے دیکھا جب کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان

رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اُسے چاہیے کہ اپنے مہمان کی جائزہ (باہتمام خاطر مدارات) سے عزت کرے۔'' کہا: اے اللہ کے رسول، اس کا جائزہ کب تک ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایک دن ایک رات اور ضیافت (عام میزبانی) کی مدت تین روز ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ اس پر صدقہ ہے اور جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ اچھی بات زبان سے نکالے یا پھر خاموش رہے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلا دن دادودہش کا ہے، جس میں مہمان کی باہتمام مدارات کرنی چاہیے۔ دوسرے اور تیسرے دن جو کچھ میسر ہو بے تکلف مہمان کے سامنے پیش کرے۔ تین روز سے زیادہ مہمان کی تواضع موجب اجروثواب ہے۔ اس لیے اسے صدقہ سے تعبیر فرمایا۔

زبان کی حفاظت ضروری ہے۔ غیبت ہو یا بدکلامی یا یاوہ گوئی اور فضول گفتگو ہو، ان سب سے پرہیز کرنا چاہیے۔ زبان کھولنے سے پہلے سوچ لے کہ وہ جو کچھ کہنے جارہا ہے وہ مومن کے شایانِ شان بھی ہے یا نہیں۔ نازیبا اور فضول گفتگو سے بہتر یہ ہے کہ آدمی خاموش رہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ انسان کا اخلاق بلند سے بلند ہو۔ ایمان کے مطلوبہ اثرات اگر انسان کی زندگی میں نمایاں نہیں ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ایمان کے تقاضوں کو سرے سے جانا ہی نہیں۔ ایمان انسان کے محض نظریات اور عقائد سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ انسان کی پوری زندگی کو ایک خاص ڈھانچہ میں ڈھال دینا چاہتا ہے۔ اگر ہم ایمان کے تقاضوں کا پاس ولحاظ رکھ سکیں تو لازماً ہم اعلیٰ کردار کے پیکر بن سکتے ہیں۔ دین وایمان اگر ہمارا کردار نہ بن سکا تو حقیقت میں ہم ایمان سے ناآشنا کے ناآشنا ہی رہے اور اس سے بڑھ کر محرومی کی دوسری بات نہیں ہوسکتی۔

‹۲› وَ عَنْ اَبِیْ کَرِیْمَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّمَا رَجُلٍ اَضَافَ قَوْمًا فَاَصْبَحَ الضَّیْفُ مَحْرُوْمًا فَاِنَّ نَصْرَہٗ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوکریمہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کے پاس بحیثیت مہمان جائے اور وہ صبح تک محروم رہے تو اس کی مدد کرنی ہر ایک مسلمان پر لازم ہو جاتا ہے۔''

تشریح: اگر کسی مہمان کی ضیافت نہ ہوسکی تو پھر ہر مسلمان پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی

طرف توجہ دے اور حق میزبانی ادا کرے۔

(۳) وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَصْبَحَ بِفِنَائِهٖ فَهُوَ عَلَيْهِ دَيْنٌ اِنْ شَآءَ اقْتَضٰى وَ اِنْ شَآءَ تَرَكَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو کریمہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''ایک رات مہمان کا حق ہر ایک مسلمان پر ہے تو جو ضیافت سے محروم رہے تو یہ میزبان کے ذمہ قرض ہے وہ چاہے اُسے وصول کرے اور چاہے تو چھوڑ دے۔''

تشریح: مہمان کا یہ حق ہے کہ اس کی ضیافت کی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ رات گزر جائے اور کوئی اس کی خبر نہ لے۔ اگر ایسی صورت پیش آگئی تو گویا اب ایک قرض ہے، جسے ادا کرنا ضروری ہے۔

(۴) وَ عَنْ اَبِيْ شُرَيْحِ نِ الْخُزَاعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلضِّيَافَةُ ثَلاَ ثَةُ اَيَّامٍ وَ جَائِزَتُهٗ يَوْمٌ وَّ لَيْلَةٌ وَ لاَ يَحِلُّ لِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ اَنْ يُّقِيْمَ عِنْدَ اَخِيْهِ حَتّٰى يُؤَثِّمَهٗ قَالَ يُقِيْمُ عِنْدَهٗ وَلاَ شَيْءَ لَهٗ يَقْرِيْهِ بِهٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوشریح خزاعیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''ضیافت تین روز تک ہے اور اس کے لیے باہتمام مدارات (انعام وعطیہ) ایک دن رات تک ہے اور کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں ٹھہرا رہے یہاں تک کہ وہ اسے گناہ میں مبتلا کردے۔'' آپؐ نے فرمایا: ''اس کے پاس ٹھہرا رہے اور اس کے پاس کھلانے اور مہمان داری کے لیے کچھ نہ ہو۔''

تشریح: ضیافت تو یہ ہے کہ بغیر کسی انقباض کے آنے والے کے قیام وطعام کا نظم کیا جائے اور اس کی تکریم میں کوتاہی نہ ہونے دے۔ لیکن مہمان کے اندر بھی خودداری کا جذبہ ہونا چاہیے۔ اس کے لیے درست نہیں کہ وہ میزبان پر تین روز سے زیادہ کا بوجھ ڈالے۔ البتہ اگر میزبان کی خواہش کے احترام میں وہ مزید قیام کرتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مہمان کسی کے یہاں اتنے دن قیام نہ کرے کہ اسے ضیق اور پریشانی میں مبتلا کردے، جس میں اس کا امکان ہے کہ اس کی زبان پر اپنے مہمان کے لیے کوئی نازیبا الفاظ آجائیں۔ یا مہمان کو اپنے یہاں سے رخصت کرنے کے لیے وہ کسی خفیف حرکت پر مجبور ہوجائے۔ مہمان کو سوچنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا میزبان تنگ دستی میں ہو اور وہ اس

پوزیشن میں نہ ہو کہ ضیافت کا سامان کرسکے۔ مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے میزبان کی رسوائی کا سبب بنے۔

ضیافت سے متعلق احادیث میں جن آداب کا ذکر فرمایا گیا ہے اگر ان کا لحاظ رکھا جائے تو اجتماعی زندگی میں نہایت خوش گوار فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

پڑوسی کے حقوق

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُـہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَ لِیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ. (البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جسے یہ پسند ہو کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھے یا اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہیے کہ وہ جب بولے تو سچ بولے، اور جب اس پر اعتماد کیا جائے تو وہ اپنے امین ہونے کو متحقق کردے اور پڑوسیوں کے ساتھ اچھی ہم سائیگی کا ثبوت دے۔“

تشریح: اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھنی بڑے مرتبہ و مقام کی بات ہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول کسی شخص سے محبت رکھیں یہ درجہ کسی کو حاصل ہوجائے تو اس کی قسمت کا کیا کہنا۔ مگر یہ بلند مرتبہ و مقام محض کسی زبانی دعویٰ سے تو حاصل ہونے سے رہا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے کردار و عمل سے آدمی یہ ثابت کرے کہ وہ اپنی زندگی کو اسی سیرت و کردار سے مزین رکھنا چاہتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ پسند کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ انھیں باتوں کو اختیار کرے گا جن کا حکم اللہ اور اس کے رسولؐ نے دیا ہے اور وہ ان باتوں سے اجتناب کرے گا، جن کو اللہ اور اس کے رسولؐ ناپسند کرتے ہیں۔

اس حدیث میں تین باتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے: (۱) سچ بولنا (۲) امانت (۳) پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان تینوں باتوں پر عمل کیا جائے تو دوسرے اخلاقی محاسن آدمی کے اندر خود بخود پیدا ہوجائیں گے۔ اس حدیث سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا اپنے کردار کی محافظت کے لیے کس قدر ضروری

ہے۔ پڑوسی کے ساتھ بدسلوکی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ آدمی کی زندگی شرافت، انسانیت اور اخلاقی خوبیوں سے عاری ہے۔ ایسی زندگی حقیقت کی نگاہ میں کس کام کی ہوسکتی ہے۔ اور پھر ایسا شخص خدا اور رسول کی محبت کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِیْ يَشْبَعُ وَ جَارُهُ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ. (البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: ''وہ شخص مومن نہیں، جو پیٹ بھر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہ جائے۔''

تشریح: یہ انتہائی بے مروّتی اور خودغرضی کی بات ہے کہ پڑوسی بھوکا رہے اور ہم شکم سیر ہوکر کھائیں۔ اس بے حسی کی کسی مومن سے موقع نہیں کی جاسکتی۔ اسی لیے آپؐ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص فی الواقع ایمان ہی سے ناآشنا ہے۔ اگر ایمان زندگی کی اسپرٹ بن کر اس کے دل میں اُتر چکا ہوتا تو اسے ہرگز یہ گوارا نہ ہوتا کہ وہ آسودہ ہوکر کھائے اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةً تُذْكَرُ مِنْ كَثْرَةِ صَلَا تِهَا وَ صِيَامِهَا فَصَدَقَتِهَا غَيْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِيْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ: هِیَ فِی النَّارِ. قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. فَاِنَّ فُلَانَةً تُذْكَرُ قِلَّةَ صِيَامِهَا وَ صَدَقَتِهَا اَوْ صَلَاتِهَا وَ اِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاِقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِيْرًا قَالَ: هِیَ فِی الْجَنَّةِ. (احمد، بیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، فلاں عورت کو اپنی کثرتِ نماز، روزہ اور صدقہ کی وجہ سے بہت شہرت حاصل ہے۔ لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، فلاں عورت جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بہت کم (نفل) روزے رکھتی، بہت کم صدقہ وخیرات کرتی ہے اور بہت کم (نفل) نماز پڑھتی ہے۔ وہ بس چند ٹکڑے پنیر کے صدقہ کرتی ہے لیکن وہ اپنی زبان سے اپنے ہم سایوں کو اذیت نہیں پہچاتی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔''

تشریح: دین میں جہاں یہ ضروری ہے کہ عبادات وطاعات سے زندگی معمور ہو وہیں یہ بھی

ضروری ہے کہ آدمی گناہ اور معصیت سے دور رہے۔ گناہ اور معصیت سے اجتناب کے بغیر پرستش اور عبادت کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اگر کوئی ترکِ معصیت کے بغیر عبادات اور نوافل کا اہتمام کرتا ہے تو خواہ اس کا یہ اہتمام کتنا ہی غیر معمولی کیوں نہ ہو خدا کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوسکتی۔ زندگی میں حسن و خوبی اسی صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کہ انسان ایک طرف خدا سے اپنا رشتہ قائم رکھے، اسے مستحکم سے مستحکم کرنے کی فکر میں لگا رہے، اور اس سلسلے میں فرائض و واجبات سے غافل نہ ہو، دوسری طرف وہ بندگانِ خدا کے حقوق کو پامال نہ ہونے دے۔ سیرت و کردار کو ہم خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ جو شخص بندگانِ خدا کے حق میں بہتر نہیں ہے وہ اپنے رویہ سے ثابت کر رہا ہے کہ اس کی زندگی اسلام کے مطلوب کردار سے خالی ہے۔ پھر ایسے بے کردار شخص کی نمازیں اور روزے سبھی محض رسمی قسم کے ہوں گے۔ وہ کسی اعلیٰ اخلاق و کردار کا مظہر نہیں ہوسکتے۔ اسی لیے حضور ﷺ پڑوسیوں کو اذیت پہنچانے والی صوم و صلوٰۃ کی پابند عورت کو دوزخی قرار دے رہے ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں دین کے اصل مزاج اور اس کی فطرت کو ہر شخص بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

(۴) **وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: اِنَّ لِیْ جَارَيْنِ فَاِلٰى اَيِّهِمَا اُهْدِیْ، قَالَ: اِلٰى اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا.** (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ (تحفہ) بھیجوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ان میں سے جس کا دروازہ تم سے قریب تر ہو۔''

تشریح: یہاں حصر مراد نہیں ہے کہ اسی کو ہدیہ بھیجیں، جس کا دروازہ قریب تر ہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ پہلا حق اس ہمسایہ کا ہوتا ہے جس کا دروزہ قریب ہو۔ قریب کے ہمسایہ کے ساتھ ملنا جلنا زیادہ ہوتا ہے اور اس کے حالات کا ہمیں علم بھی زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اسے مقدم رکھنا ایک فطری بات ہے۔

(۵) **وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَ هَا وَ تَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ.** (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب تم گوشت پکاؤ تو

شوربا زیادہ کردو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔"

تشریح: یعنی تمھیں اپنی ہی فکر نہ ہونی چاہیے بلکہ پڑوسیوں کی ضرورت کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے، جس کسی کے یہاں محسوس ہو کہ اسے سالن کی ضرورت ہے، اس کے یہاں سالن بھیج دو۔ اس کے لیے ایسا کر سکتے ہو کہ شوربا زیادہ کردو، اس طرح سالن دینے میں تمھیں دشواری بھی نہ ہوگی۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: كَانَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: يَا نِسَآءَ الْمُسْلِمَاتِ لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرماتے تھے۔: "مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو معمولی چیز بھی ہدیہ بھیجنے کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کُھر ہی کیوں نہ ہو۔"

تشریح: "بکری کا کُھر" یعنی معمولی یا تھوڑی چیز بھی پڑوسن کے یہاں بھیجنے کو عار نہ سمجھو۔ تھوڑی اور معمولی چیز بھی بے تکلف ہدیہ بھیجو، اسی طرح پڑوس سے اگر ہدیہ آئے تو اسے خوش دلی سے قبول کرو، خواہ وہ کتنا ہی مختصر اور معمولی کیوں نہ ہو۔ اُسے حقیر اور بُرا نہ سمجھو۔ اصل دیکھنے کی چیز وہ جذبہ ہوتا ہے، جس کے تحت کوئی کسی کے یہاں ہدیہ بھیجتا ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ رَافِعٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اَلْجَارُ اَحَقُّ بِسَقَبِهٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پڑوسی اپنے قرب کی وجہ سے زیادہ مستحق ہوتا ہے۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی معاملے میں ہمسایہ کا خیال رکھنا اسلامی اصول و آداب میں سے ہے۔ مثلاً ہم اپنی زمین فروخت کرنا چاہتے ہیں اور پڑوسی اسے لینے کا ارادہ رکھتا ہے تو دوسروں کے مقابلے میں اسے ہی ترجیح دینی چاہیے۔ پڑوسی سے زمین کی قیمت اگر کچھ کم ہی ملے جب بھی اخلاق یہی ہے کہ قیمت سے زیادہ اس قرب کا لحاظ کریں، جو ہمارے اور ہمارے پڑوسی کے مابین پایا جاتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَن لّاَ يَامَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جس کے شر و فساد سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔"

تشریح: ہمسایہ کو ستانا اور اسے اپنی بدی کا نشانہ بنانا اتنا بڑا ظلم ہے جو آدمی کو جنت سے محروم کر دینے کے لیے کافی ہے۔ جنت تو حقیقت میں ان لوگوں کی جائے قرار ہے جو سراپا خیر و رحمت اور بدی اور شر و فساد کے جذبہ سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ اسی لیے خدا کی بے پایاں رحمتوں کو ان کا انتظار ہوتا ہے۔ خدا آخرت میں انھیں ہر طرح کی پریشانیوں اور مشکلوں سے مامون و محفوظ رکھے گا۔

〈۹〉 وَ عَنْ اَبِیْ شُرَیْحِ نِ الْخُزَاعِیْ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: وَاللّٰہُ لاَ یُؤْمِنُ وَاللّٰہُ لاَ یُؤْمِنُ وَاللّٰہُ لاَ یُؤْمِنُ. قِیْلَ: وَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ: اَلَّذِیْ لاَ یَاْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوشریح خزاعیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”بہ خدا وہ مومن نہیں، بہ خدا وہ مومن نہیں، بہ خدا وہ مومن نہیں۔“ عرض کیا گیا: یارسول اللہ، کون مومن نہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ”وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی بدی سے محفوظ نہ ہو۔“

تشریح: یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیک سلوک اختیار کریں۔ یہاں تک کہ وہ سوچ بھی نہ سکیں کہ انھیں ہماری طرف سے کسی قسم کا نقصان یا تکلیف پہنچ سکتی ہے۔ اس کے بغیر ہمارا ایمان گویا کالعدم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہوا ہے: مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلاَ یُؤْذِ جَارَہٗ (بخاری، مسلم) ”جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو تو وہ اپنے ہمسایہ کو اذیت نہ پہنچائے۔“

ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کا تقاضا صرف یہی نہیں ہے کہ ہمارا پڑوسی ہمارے شر سے محفوظ رہے بلکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضا ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا ہے: وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا. (احمد، ترمذی)۔ اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو تب تم مومن ہوگے۔

〈۱۰〉 وَ عَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: لاَ یَمْنَعُ اَحَدُکُمْ جَارَہٗ اَنْ یَّغْرِزَ خَشَبَۃً فِیْ جِدَارِہٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوشریحؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص ہمسایہ کو اپنی دیوار میں لکڑی (کھونٹی) گاڑنے سے منع نہ کرے۔“

تشریح: یہ اس لیے کہ یہ مروّت اور جذبۂ خیر خواہی کے منافی بات ہے کہ ہم پڑوسی کو اس چیز

سے روکیں، جس میں اپنا کوئی نقصان بھی نہ ہو اور پڑوسی کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہو۔

〈۱۱〉 وَعَنْ عَائِشَةَ تَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا زَالَ جِبْرَئِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ يُوَرِّثُهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جبرئیل مجھے ہمسایہ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی برابر تاکید کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ ہمسایہ کو وراثت میں شریک کردیں گے۔''

تشریح: یعنی شاید ایک ہمسایہ دوسرے ہمسایہ کا وارث قرار دے دیا جائے گا۔ اس حدیث سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ پڑوسی کے حقوق کی ادائی کس قدر ضروری ہے۔ شریعت نے پڑوسی کو وراثت میں شریک تو نہیں کیا کیوں کہ اس طرح وہ پڑوسی نہیں بلکہ گھر کا ایک فرد قرار پاتا اور اس سے مختلف قسم کی دشواریاں پیدا ہوتیں۔ پڑوسی کی اصل حیثیت کو باقی رکھتے ہوئے شریعت نے اس کے ساتھ ہر طرح کے حسنِ سلوک کی تاکید کی ہے۔ کسی شخص کے بھلے ہونے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے پڑوسی اس سے خوش ہوں اور اگر اس کے پڑوسی کو یہ معلوم ہو کہ وہ اب کہیں دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ اس کے جدا ہونے کے احساس سے مغموم ہو جائے۔ اس کے برخلاف جس کے پڑوسی اس سے نالاں ہوں اور اس کے چلے جانے کو اپنے لیے نجات تصور کرتے ہوں تو ایسا شخص خدا کی نگاہ میں کبھی پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔ مومن تو وہ ہے، جو اپنے شرارت پسند ہمسایوں کو بھی شکایت کا موقع نہ دے اور ان کا ہمدرد و غم گسار بنا رہے۔ پڑوسی کا ایک بڑا حق یہ ہے کہ ہم اس کے بارے میں سوءِ ظن سے کام نہ لیں اور اگر اس کی طرف سے کسی کمزوری کا صدور ہو تو ہم چشم پوشی سے کام لیں۔ کسی کی اصلاح کا بہترین طریقہ بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ شریفانہ طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ. (احمد)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز سب سے پہلے جھگڑنے والے دو ہمسایہ ہوں گے۔''

تشریح: ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں

محاسبہ ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے قتل کے مقدمات پیش ہوں گے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے دو ہمسایوں کی مخاصمت کا معاملہ پیش ہوگا۔ بظاہر ان روایتوں میں تضاد نظر آتا ہے، لیکن غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ حقوق اللہ میں سب سے اہم اور بنیادی حق اللہ کا یہ ہے کہ بندہ نماز کا پابند ہو۔ وہ اپنے رب کی جناب میں سر بہ سجود ہو اور اس کی عبادت اور پرستش سے ہرگز غافل نہ ہو۔ اسی لیے حقوق اللہ کے سلسلے میں سب سے پہلے جس چیز کا سوال ہوگا، وہ نماز ہے۔ حقوق اللہ کے سلسلے میں درحقیقت سب سے شدید جرم یہ ہے کہ آدمی تارکِ نماز بن کر زندگی گزارے۔ اس لیے بندے سے پہلے اسی کا سوال ہونا بھی چاہیے۔

حقوق العباد میں بندوں کا سب سے پہلا حق یہ ہے کہ ان کی جان کا احترام کیا جائے اور انھیں ناحق قتل نہ کیا جائے۔ اسی لیے حقوق العباد کے سلسلے کے مقدمات میں سب سے پہلے قتل و خون کے مقدمات کا فیصلہ کیا جائے گا۔

رہے ایسے لوگ جن میں باہم ایک کو دوسرے سے شکایت ہوگی تو ان میں سے ان دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ سب سے پہلے کیا جائے گا، جو ایک دوسرے کے پڑوسی ہوں گے۔ کسی پر ظلم و زیادتی کرنا ہر حال میں برا ہے لیکن یہ برا سلوک اگر پڑوسی کے ساتھ ہو تو پھر جرم انتہائی شدید ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نوعیت کے معاملات میں سب سے پہلے اسی معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ باہمی مخاصمت میں سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ دو ایسے آدمیوں کو باہم ایک دوسرے سے شکایت ہو، جو باہم پڑوسی ہوں۔

عام انسانوں کے حقوق

(۱) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ النَّاسَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اس شخص پر رحم نہیں فرماتا، جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے ہمارا سلوک سختی کا نہیں بلکہ نرمی کا ہونا چاہیے۔ ان کے لیے ہمارے دلوں میں کدورت اور نفرت کے بجائے رحم کا جذبہ پایا جانا چاہیے۔ پھر اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم خدا کی رحمت کے مستحق اسی صورت میں ہوسکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر بھی رحم دلی کا جذبہ موجود ہو۔ خدا کی رحمت تو اس کے غضب پر غالب ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اگر ہمارے قلوب شفقت و محبت اور مروّت اور جذبۂ رحم سے ناآشنا ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کی صفتِ خاص رحمت کے عکوس سے ہمارے دل کے آئینے یکسر خالی ہیں۔ ایسی صورت میں خدا سے ہمارا رشتہ اور تعلق کیسے قائم ہوسکتا ہے۔ خدا کی رحمت کے مستحق تو وہی ہوں گے جن کا خدا سے خصوصی تعلق ہو۔ خدا سے بے گانہ شخص تو خدا کی عنایات سے محروم ہی رہے گا۔

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ. (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر ہم اہلِ زمین پر رحم کرتے ہیں اور ان کی فلاح اور بہبود کی فکر رکھتے ہیں اور ان کی بہی خواہی کرتے ہیں تو خدا ہم پر مہربان ہوگا۔ ''آسمان والا'' سے مراد خدا کی ذات ہے، جس کی شان اور کمالِ قدرت خاص طور سے آسمان میں نمایاں ہے اور جس کی سلطنت زمین سے لے کر آسمان تک وسیع ہے۔ خدا ہم پر مہربان ہوتا ہے تو آسمان کے فرشتے بھی ہمارے لیے دعا اور طلبِ رحمت کرتے ہیں اور خدا کے حکم سے وہ ہماری حفاظت کا کام بھی انجام دیتے ہیں۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِماً اَوْ مَظْلُوْماً فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْماً فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، مظلوم کی مدد تو میں کرتا ہوں مگر ظالم کی مدد کیوں کر کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''اس کو ظلم سے باز رکھو یہی اس کے حق میں تمھاری مدد ہے۔''

تشریح: یعنی ظالم کو ظلم سے باز رکھنا اس کے حق میں تمھاری مدد ہے۔ کوشش کرو کہ ظالم ظلم کرنے سے باز آجائے اور وہ اپنے نفس پر قابو پالے اور شیطان کو مایوس کردے، جو ظلم وستم کا روادار واقع ہوا ہے۔ دینی لحاظ سے اس طرح کی کوشش ہرگز معیوب نہیں بلکہ مطلوب ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اسے اپنے لیے پسند ہے۔''

تشریح: ''وہی چیز'' سے مراد بھلائی ہے۔ چناں چہ ایک روایت میں صریح طور پر ''مِنَ الْخَیْرِ'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ فطری بات ہے کہ ہر شخص اپنی بھلائی اور کامیابی کا خواہاں ہوتا ہے۔ مومن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے بھی دنیا وآخرت کی بھلائی اور فلاح چاہتا ہے۔ اگر کسی شخص کے اندر یہ وسعت نہیں پائی جاتی اور وہ صرف اپنی ہی بھلائی چاہتا ہے۔ دوسروں کی یا تو اسے سرے سے کوئی فکر ہی نہیں ہوتی یا وہ ان کا بدخواہ ہے، تو حقیقت میں ایمان کی کیفیت سے اس کا دل ابھی تک آشنا نہیں ہوسکا ہے۔ ایمان کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ آدمی کو صرف اس کی اپنی خوشی اور مسرت ہی مسرور نہ کرے بلکہ دوسروں کی خوشی اور مسرت بھی اس کے لیے سامانِ راحت ہو۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَآءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِهِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَعْمَلُ بِهِنَّ؟ قُلْتُ: اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْساً فَقَالَ: اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَ اَرْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ وَ اَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا وَ اَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِکَ تَکُنْ مُّسْلِمًا وَلَا تُکْثِرِ الضِّحْکَ فَاِنَّ کَثْرَةَ الضِّحْکِ تُمِیْتُ الْقَلْبَ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے جو مجھ سے ان باتوں کو حاصل کرے، پھر ان کو عمل میں لائے یا اس شخص کو سکھائے جو ان پر عمل کرے؟'' میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ شخص میں ہوں۔ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور وہ پانچ باتیں گنائیں اور

ان کو بیان فرمایا: ”محارم (جن چیزوں کو شریعت نے حرام ٹھہرایا ہے) سے بچو، تم لوگوں میں سب سے بڑھ کر عبادت گزار ہو گے۔ اس پر راضی رہو، جس کو اللہ نے تمھاری قسمت میں لکھ دیا ہے، تم سب سے بڑھ کر تونگر ہو جاؤ گے۔ اپنے ہمسایہ کے ساتھ اچھا سلوک کرو تم مومن ہو جاؤ گے۔ تم جو چیز اپنے لیے پسند کرتے ہو اسی کو سب لوگوں کے لیے پسند کرو، مسلم ہو جاؤ گے اور زیادہ نہ ہنسو کیوں کہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔“

تشریح: شریعت نے جن چیزوں کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے، ان سے بچنے کے بعد ہی آدمی صحیح معنی میں خدا کا سچا فرماں بردار کہلانے کے لائق ہوسکتا ہے۔ ایک شخص بہت سارے فرائض اور نوافل ادا کرتا ہے لیکن ان باتوں سے اجتناب کرنے میں غفلت سے کام لیتا ہے، جن سے خدا نے اسے روکا ہے تو سمجھ لیجیے کہ اس کی بندگی میں قصور پایا جاتا ہے۔ ممنوعات اور حرام چیزوں سے اجتناب لازمی ہے۔ ممنوع اور حرام چیزوں سے اپنے کو دور رکھنا فرائض سے کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اب جو شخص ممنوعات سے بچتا اور حرام چیزوں کے قریب نہیں جاتا حقیقت میں وہی خدا کی بندگی میں مثالی کردار ادا کرسکتا ہے اور یقیناً ایسا ہی شخص لوگوں میں بہتر عبادت گزار کہلانے کا مستحق ہوسکتا ہے۔

قلبی استغنا ہی اصل استغنا اور تونگری ہے۔ خدا نے قسمت میں جو لکھ دیا ہے اس پر راضی ہو جانے کے بعد آدمی کا دل حرص و ہوس سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے اسے جو بھی دیا ہے وہ اس کا کرم و احسان ہے۔ ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ دنیا طلبی میں پڑ کر لوگوں کے مال و متاع پر حریصانہ نگاہ ڈالتے پھریں۔ جائز طریقے سے جو بھی مل جائے وہی کافی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اپنے مقسوم پر مطمئن اور راضی ہونے پر خدا کی خوشی اور خوش نودی حاصل ہوگی، جو دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ظاہر ہے ایسے پاکیزہ جذبات جس شخص کے ہوں گے اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسرا تونگر اور مستغنی نہیں ہوسکتا۔

ہمسایہ اور پڑوسی سے انسان کو صبح و شام برابر سابقہ پیش آتا ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ جو برابر ملتے رہتے ہوں حسن سلوک کا اہتمام آسان نہیں ہوتا۔ یہ اہتمام وہی شخص کرسکتا ہے، جس کا دل ایمان کی لذتوں سے آشنا ہو چکا ہو۔ ایسا شخص ایمان کے تقاضوں کو فراموش نہ کرسکے گا جو ایمان کو سیرت و کردار کی روح سمجھتا ہے، جو جانتا ہے کہ دوسرے انسان بھی ہماری ہی طرح خدا

کے بندے ہیں۔ پھر خدا کو اس کے بندوں کے ساتھ بدسلوکی کر کے کیسے راضی رکھ سکتے ہیں۔ آدمی کو اپنے پڑوسی اور ہمسایہ سے برابر سابقہ پیش آتا رہتا ہے۔ اس طرح اُسے اپنی ایمانی حالت کے جانچنے کا موقع بھی برابر ملتا رہتا ہے۔

پچھلی حدیث میں اپنے بھائی کی بھلائی چاہنے کو مسلم کا کردار بتایا گیا ہے۔ اس حدیث میں مسلم اس کو کہا گیا ہے جو سارے ہی انسانوں کا اسی طرح خیر خواہ ہو، جس طرح وہ اپنا خیر خواہ ہوتا ہے۔

زیادہ ہنسنا غفلت اور بے پروائی کی علامت ہے۔ غفلت کے ساتھ انسان کا دل کبھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ مردہ ہو جانے کے بعد دل کسی کام کا نہیں رہتا۔ ایسے دل میں نہ تو گہری حقیقتوں کو سمجھنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے اور نہ اس میں روحانی بالیدگی اور نور پایا جا سکتا ہے اور نہ وہ خدا سے قریب ہو سکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُّ سُلَامٰی مِنَ النَّاسِ عَلَیْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْهِ الشَّمْسُ، تَعْدِلُ بَیْنَ الْاِثْنَیْنِ صَدَقَةٌ وَ تُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَابَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ عَلَیْهَا اَوْ تَرْفَعُ لَهٗ عَلَیْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ وَ بِكُلِّ خُطْوَةٍ تَمْشِیْهَا اِلَی الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَ تُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَةٌ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر روز جس میں سورج طلوع ہوتا ہے لوگوں کے ہر عضو پر صدقہ لازم ہوتا ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان صلح صفائی کرانا صدقہ ہے۔ سواری کے سلسلے میں کسی کی مدد کرو اس طرح کہ اسے اس پر سوار کرا دو یا اس پر اُس کا سامان لدوا دو تو یہ بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنی بھی صدقہ ہے، تمھارا نماز کی طرف اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے اور راستے سے تکلیف وہ چیز (کانٹا، پتھر وغیرہ) کو ہٹا دو تو یہ بھی صدقہ ہے۔“

تشریح: انسان کے جسم کا ہر عضو خدا کی ایک نوازش اور اس کی عطا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ روزانہ خدا کے اس احسان کا شکر یہ صدقات کے ذریعے سے ادا کرتا رہے اور یہ صدقہ وہ اس طرح کر سکتا ہے کہ نیکی اور بھلائی کے کسی کام سے اسے عار نہ ہو۔ وہ سب کے کام آئے۔ اور اپنے رب سے اپنا رشتہ قائم رکھے، جس کے اظہار کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهَا سَتَكُوْنُ بَعْدِیْ اَثَرَةٌ وَ اُمُوْرٌ تُنْكِرُوْنَهَا. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَيْفَ تَاْمُرُ مَنْ اَدْرَكَ مِنَّا ذٰلِكَ؟ قَالَ تُؤَدُّوْنَ الْحَقَّ الَّذِیْ عَلَيْكُمْ وَ تَسْاَلُوْنَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَكُمْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بعد ایسی ترجیحات اور ایسے امور پیش آئیں گے، جنھیں تم ناپسند کرو گے۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ ہم میں سے جو کوئی ایسی صورت سے دوچار ہو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جو حقوق تم پر عائد ہوتے ہیں وہ تم ادا کرو اور اپنا حق اللہ سے مانگو۔''

تشریح: یعنی تم اپنی ذمے داری سے غافل نہ ہونا۔ جو حقوق تمھارے ذمہ ہوں ان کو ادا کرتے رہنا۔ تمھیں اس کی پروا نہ ہونی چاہیے کہ تمھیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ وقت کے حکمراں یا سربر آوردہ لوگ تمھیں نظر انداز کر سکتے ہیں۔ وہ تمھارے مقابلہ دوسروں کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ لیکن اس سے متاثر ہو کر تم ہرگز اپنی ذمے داری کو فراموش نہ کرنا۔ اگر تمھارا حق مارا جاتا ہے تو تم اپنا حق خدا سے طلب کرنا۔ اس کے پاس تمھارے لیے بہت کچھ راحتیں اور سامانِ عزت و افتخار موجود ہے۔ وہ تمھیں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ صبر اختیار کرنے کے لیے اتنا کافی ہے۔

〈۸〉 وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: لاَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ فِیْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ. فَقَالَ رَجُلٌ: اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَّكُوْنَ ثَوْبُهٗ حَسَنًا وَ نَعْلُهٗ حَسَنَةً فَقَالَ: اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جس کے دل میں ذرّہ بھر تکبر ہو۔'' ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کے جوتے اچھے ہوں (تو کیا یہ بھی تکبر ہے) آپؐ نے فرمایا: ''بے شک اللہ جمیل ہے اور جمال اور خوب صورتی کو پسند فرماتا ہے۔ تکبر تو یہ ہے کہ حق کا انکار کیا جائے اور لوگوں کو حقیر سمجھا جائے۔''

تشریح: اچھے لباس اور اچھی وضع کو پسند کرنا کبر نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا خود جمال کو پسند فرماتا ہے۔ کبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی دوسرے کو حقیر جانے یا حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرے۔ بالعموم قوموں کی ہلاکت کا سبب کبر و استکبار ہی رہا ہے۔ حق ان قوموں کے سامنے پیش کیا گیا،

جس کے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حق کو تسلیم کرنے سے جو چیز مانع ہوئی وہ کبر کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

〈۹〉 وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰہِ. (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: یہ ایک روایت کا اہم حصہ ہے۔ اس روایت میں غلام کے ساتھ حسنِ سلوک کی تائید فرمائی گئی ہے۔ یہاں ایک بنیادی بات ارشاد ہوئی ہے کہ مخلوقِ خدا کو تکلیف دینا درست نہیں ہے۔ مخلوق کو تکلیف پہنچا کر آدمی اس کے خالق کو ناراض کرتا ہے، اور یہ نہایت نادانی کی بات ہے۔ آدمی کو سوچنا چاہیے کہ خدا نے تو اُس پر نوازش فرمائی کہ اسے وجود کی نعمت سے نوازا۔ اب ہم اگر اس پر ظلم کرتے ہیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم نے نہ تو خدا کو پہچانا اور نہ ہم اس کے وسیع دائرے کے حقوق کو جان سکے۔

چچا کا حق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: یَا عُمَرُ، اَمَا شَعُرْتَ اَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”اے عمر، کیا تم نہیں جانتے کہ کسی شخص کا چچا اور اس کا باپ ایک ہی جڑ کی دو شاخیں ہیں۔“

تشریح: یعنی چچا کی توقیر و تعظیم اسی طرح کرنی چاہیے جیسے باپ کی توقیر و تکریم کی جاتی ہے۔ اِس لیے کہ دونوں ایک دادا کی اولاد ہیں۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔

سن رسیدہ اور بڑوں کی تعظیم و تکریم

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ابو داؤد، البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سن رسیدہ مسلمان کی عزت و توقیر کرنی اور حاملِ قرآن کی جب کہ وہ قرآن میں غلو کرنے والا اور اس سے ہٹ جانے والا نہ ہو اور عادل سلطان کی تکریم من جملہ تعظیمِ خداوندی کے ہے۔“

تشریح: یعنی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ سن رسیدہ مسلمان

کی عزت کی جائے۔ اس کی کبرسنی کا لحاظ رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ تعظیمِ خداوندی کا ایک تقاضا یہ بھی ہوتا ہے کہ حاملِ قرآن اور سلطانِ عادل کی تکریم وتوقیر کی جائے۔ حامل قرآن میں حفاظ، مفسر اور قرآن کی تلاوت کرنے والے اور قرآن کی تعلیمات اور اس کے پیغام کو عام کرنے والے افراد وغیرہم سبھی داخل ہیں۔ قرآن میں غلو اختیار نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن کی قرأت میں الفاظ کی تجوید اور حسنِ قرأت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے۔ تلاوت اس طرح کی جائے قرآن کے الفاظ صحیح طور پر ادا ہوں۔ اور تلاوت میں خوش آوازی پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کلامِ الٰہی کی عظمت اور اس کا وقار ہرگز مجروح نہ ہو۔ قرآن سے ہٹ جانے والا نہ ہو، اس سے مراد یہ ہے کہ حامل قرآن آیاتِ قرآنی کی غلط تاویلات اور ان کے غلط معانی ومطالب بیان کرنے سے پرہیز کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک طرف تو تجوید اور قرأت کے آداب سے اعراض نہ کرے، دوسری طرف قرآن کی تعلیمات اور اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی حتی الامکان کوشش کرے۔ قرآن کے احکام پر عمل کرنے سے ہرگز گریز نہ کرے۔ خلاصہ یہ کہ حاملِ قرآن، قرآن کے معاملہ میں افراط وتفریط سے ہرگز کام نہ لے۔

عادل سلطان سے مراد وہ حکمراں یا حاکم ہے جو عدل کا پیکر ہو۔ نہ تو وہ عوام پر ظلم وجور کو روا رکھے اور نہ اس کا کوئی فیصلہ عدل وانصاف کے منافی ہو۔

استاذ کا حق

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ وَ تَعَلَّمُوْا لِلْعِلْمِ السَّكِیْنَةَ وَالْوَقَارَ، وَ تَوَاضَعُوْا لِمَنْ تَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُ. (طبرانی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”علم سیکھو اور علم کے لیے سکینت اور وقار سیکھو اور جس سے علم حاصل کرو، اس سے تواضع سے پیش آؤ۔“

تشریح: ”علم سیکھو“ علم سے مراد یہاں دین کا علم ہے۔ علم دین ایک وقیع چیز ہے۔ یہ کوئی معمولی شئے نہیں ہے، جس کی قدر وقیمت کے احساس سے مومن کا دل خالی ہو۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لیے وقار وسکینت اور دل جمعی درکار ہے۔ اس کے لیے ذہن کی یکسوئی اور قلب کا انشراح واطمینان بھی چاہیے۔ علم دین کے ذریعے سے ہی آدمی کو اپنی اصل قدر وقیمت اور اپنے مقامِ بلند کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ یہی وہ علم ہے جو آدمی کو خدا کی عظمت اور اس کی بزرگی کا

احساس بخشتا ہے اور اسے اس بات سے باخبر کرتا ہے کہ اس کے رب کو اس سے کیا چیز مطلوب ہے۔ وہ خدا کی رضا اور اس کی خوشنودی کیسے حاصل کرسکتا ہے۔

والدین کے بعد استاذ کا حق تسلیم کیا گیا ہے۔ والدین نے ہمیں پال پوس کر بڑا کیا لیکن آدمی کی فکری و دینی تربیت میں بڑا حصہ اساتذہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے حقوق کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ ہم ان کے سامنے ادب و احترام سے پیش آئیں۔ ان کے ساتھ ہمارا برتاؤ ہمیشہ تواضع و انکسار کا ہو۔

حق رفاقت

﴿۱﴾ عَنْ عَبدِ اللّٰهِ الْخِطْمِيِّ ؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ: اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَ اَمَانَتَكُمْ وَ خَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ خطمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب لشکر کو رخصت کرنے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: ”میں تمھارے دین، تمھاری امانت اور تمھارے آخری اعمال کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔“

تشریح: یعنی تم میرے ساتھ تھے۔ دین و ایمان اور امانت داری اور سیرت و کردار ہر لحاظ سے تمھاری تربیت اور محافظت کا میں خیال رکھتا رہا ہوں۔ اب تم دور جا رہے ہو تو خدا تمھاری محافظت فرمائے گا۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ حق رفاقت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی اپنے ساتھیوں کے دین و اخلاق کی محافظت میں بھی اس کا مددگار ہو۔

دوستی کا حق

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلرَّجُلُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس اسے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کرتا ہے۔“

تشریح: یعنی حقیقی دوستی تو یہ ہے کہ دوستوں کے درمیان کسی قسم کا بعد اور اجنبیت نہ پائی جائے۔ دوست وہی ہے، جو ایک ہی فکر و نظر کے حامل ہوں اور ان کے جذبات اور ان کی

آرزوئیں بھی ایک طرح کی ہوں۔ اس لیے کسی شخص کو دوست بنانے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس کا دین و مذہب کیا ہے؟

〈۱〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّهٗ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَیْنَ الْمُتَحَآبُّوْنَ لِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ. (موطا امام مالک)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا: کہاں ہیں وہ لوگ جو باہم میری عظمت کے پیشِ نظر محبت رکھتے تھے۔ آج کے دن میں انھیں اپنے سائے میں رکھوں گا۔ یہ وہ دن ہے کہ کوئی سایہ نہیں سوائے میرے سائے کے۔“

تشریح: جو باہم میری عظمت کے پیش نظر محبت رکھتے تھے۔“ یعنی ان کی دوستی کا اصل محرک خدا کی عظمت کا احساس رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی بزرگی اور اس کی عظمت کا تقاضا صرف یہی نہیں ہوتا کہ ہم اسے بزرگ اور عظیم مانیں بلکہ خدا کی عظمت کو ہماری زندگیوں پر بھی اثر انداز ہونا چاہیے۔ مثلاً خدا کی عظمت اس بات کی متقاضی ہے کہ ہماری باہمی دوستیوں کے پیچھے اصل میں خدا کی عظمت کا احساس کام کر رہا ہو نہ کہ کوئی دوسری چیز۔ جس دوستی کو خدا ناپسند کر رہا ہو اس سے ہم دور رہیں اور جو دوستی اور الفت اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہو اسے ہم اختیار کریں۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ عالمِ آخرت میں سارے جھوٹے سہارے ختم ہو چکے ہوں گے۔ بس ایک خدا کا سہارا باقی رہ جائے گا۔ کتنے خوش قسمت ہوں گے، وہ لوگ جن پر خدا آخرت میں مہربانی فرمائے گا۔ اور انھیں اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

مسلمانوں کے حقوق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ اَلْمُؤْمِنُ اَخُوا الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْهُ ضَیْعَتَهٗ وَ یَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَآئِهٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ”مومن مومن کا آئینہ ہے اور مومن مومن کا بھائی ہے، جو چیز اس کے لیے نقصان کی ہو اس کو اس سے روکتا ہے اور اس کے پیٹھ پیچھے اس کی حفاظت و نگرانی کرتا ہے۔“

تشریح: یعنی ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ اس کا بھائی ہوتا ہے اور اس کے ساتھ

ہی اس کا محافظ بھی۔ جس طرح آئینہ میں آدمی خود اپنا ہی چہرہ دیکھتا ہے، کسی غیر کا چہرہ نہیں دیکھتا۔ ٹھیک اسی طرح مومن جب کسی دوسرے مومن سے ملتا ہے تو وہ کسی غیر سے نہیں بلکہ وہ گویا اپنے آپ سے ملاقات کر رہا ہوتا ہے بلکہ مومن کی حیثیت آئینہ سے بھی بڑھی ہوتی ہے۔ آئینہ میں کوئی شعور نہیں ہوتا۔ اسے اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی کہ اس میں کون اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے برخلاف مومن، مومن کے لیے ایک زندہ آئینہ ہوتا ہے، اسی لیے آئینہ کے بعد فرمایا کہ مومن، مومن کا بھائی ہوتا ہے۔ بھائی بھی ایسا جو اس کا سچا خیر خواہ اور محافظ بھی ہوتا ہے۔ اسے اپنے بھائی کا مال اس کی عزت اور آبرو سب عزیز ہوتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بھائی کو کسی قسم کا گزند پہنچے۔

(۱) وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَ يَقُوْلُوْنَ الْكَرَمُ اِنَّمَا الْكَرَمُ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ''لوگ کرم کہتے ہیں حالاں کہ کرم تو مومن کا دل ہے۔''

تشریح: یعنی انگور کو کرم کہتے ہیں۔ کرم میں چوں کہ عمدگی اور شرافت کا مفہوم شامل ہے، اس لیے اس لقب کا اصل مستحق انگور نہیں بلکہ مومن کا دل ہی ہوتا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کو اپنا دل کیسا رکھنا چاہیے۔

(۳) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهٗ وَلاَ يُسْلِمُهٗ، وَ مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ، وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ہلاکت و مصیبت کے لیے چھوڑتا ہے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کی سعی میں ہوتا ہے اللہ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے۔ اللہ قیامت کی مشکلات میں سے اس کی کوئی مشکل آسان فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ قیامت کے روز اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

تشریح: اس حدیث میں مسلمانوں کے کچھ حقوق بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان حقوق کے ادا کرنے کا اجروثواب بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خدا کے یہاں بندوں کو ان کے اعمال کی جزا، اعمال کے مناسب حال عطا کی جائے گی۔ دیگر احادیث سے بھی اس حقیقت پر روشنی پڑتی ہے کہ جزا من جنس العمل ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ مسلم کے حقوق کی خدا کے یہاں وہ اہمیت ہے کہ ان حقوق کو ادا کرنے والوں کو بدلہ براہِ راست خدا خود عطا فرمائے گا۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتُّ خِصَالٍ یَعُوْدُهٗ اِذَا مَرِضَ وَ یَشْهَدُهٗ اِذَا مَاتَ وَ یُجِیْبُهٗ اِذَا دَعَاهُ وَ یُسَلِّمُ اِذَا لَقِیَهٗ وَ یُشَمِّتُهٗ اِذَا عَطَسَ وَ یَنْصَحُ لَهٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَهِدَ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ”ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہوتے ہیں۔ جب وہ بیمار ہوتو اس کی عیادت کرے۔ مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے۔ وہ بلائے تو اس کے ہاں چلا جائے۔ اس سے ملاقات ہوتو سلام کرے۔ اس کے چھینک آنے پر (وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو) اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے۔ اس کی عدم موجودگی اور موجودگی دونوں حالتوں میں اس کی خیر خواہی کرتا رہے۔“

تشریح: اس سلسلے میں ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: وَیُحِبُّ لَهٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ”اور اس کے لیے وہی پسند کرتا ہو، جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

〈۵〉 وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اَلْمُسْلِمُ اَخُوا الْمُسْلِمِ لاَ یَظْلِمُهٗ وَلاَ یَخْذُلُهٗ وَلاَ یُحْقِرُهٗ. اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَ یُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ. بِحَسْبِ امْرَءٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یُّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ، کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَ مَالُهٗ وَ عِرْضُهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو رسوا ہونے دیتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔“ آپؐ نے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کرکے فرمایا: ”تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ کسی آدمی کے برے ہونے کے لیے بس یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر اُس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو سب حرام ہے۔“

تشریح: یعنی کسی شخص کو اس کے ظاہری حال کو دیکھ کر اسے معمولی آدمی خیال نہ کرو۔ آدمی تو تقویٰ کی وجہ سے محترم قرار پاتا ہے۔ اور تقویٰ کا تعلق دل سے ہے۔ تمھیں کیا معلوم تقویٰ کے لحاظ سے کس کو کیا مقام حاصل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنے بھائی مسلمان کی جان، اس کے مال اور اس کی آبرو سب کا محافظ ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُؤمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلىٰ دِمَائِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ. (ترمذی، نسائی، عن ابی ھریرةؓ) ''مسلم وہ ہے، جس کی زبان اور جس کے ہاتھ کی ایذا رسانیوں سے مسلمان محفوظ ہوں اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے اپنی جان اور مال کے سلسلے میں لوگ بے خوف ہوں۔''

〈۶〉 عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تَلاَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی محافظت کے لیے اس کی طرف سے مدافعت کرتا ہے تو اللہ پر لازمی طور پر حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے روز جہنم کی آگ کو اس سے ہٹا کر اس کی حفاظت فرمائے۔'' اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الروم: ۴۷) مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔''

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِيْهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَآءَ بِهٖ اَحَدُهُمَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو اے کافر!' کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ بات چسپاں ہو کر رہتی ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کو کافر کہہ کر پکارنا نہایت سنگین بات ہے۔ آدمی کے منہ سے جو کلمہ بھی نکلتا ہے وہ یوں ہی فنا نہیں ہو جاتا، وہ تو اپنا اثر دکھا کر رہتا ہے۔ جس کو کافر کہا ہے اگر وہ فی الواقع کافر نہیں ہے تو پھر یہ بات اس کے کہنے والے ہی کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غیر کافر کو کافر کہنا خود کفر ہے۔ خدا اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ مسلمان کو کافر کہنے والا خود اپنی تکفیر کرتا ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں بھی کہا گیا ہے کہ جب کوئی کسی شخص پر لعنت بھیجتا ہے تو

لعنت کا کلمہ آسمان کی طرف جاتا ہے۔ وہاں جگہ نہ ملنے پر وہ زمین کی طرف لوٹ آتا ہے۔ پھر دائیں بائیں گھومتا ہے۔ جب کہیں بھی جگہ نہیں ملتی تو اس کی طرف بڑھتا ہے جس پر لعنت کی گئی تھی۔ اب اگر وہ لعنت کا مستحق نہیں ہوتا تو لوٹ کر پھر لعنت کرنے والے ہی کی طرف آ جاتا ہے۔ یہ لعنت خود اسی لعنت کرنے والے پر پڑتی ہے۔

(۸) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ كُفْرٌ. (بخاری)

تشریح: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو نازیبا کلمات سے نوازنا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنی کفر ہے۔''

تشریح: کسی مسلمان کو سخت وسست کہنا یا اسے سب وشتم سے نوازنا کسی فسق سے کم نہیں ہے۔ ایسی حرکت اسی کو زیب دیتی ہے، جو فاسق وفاجر ہو۔ اور مسلمان سے لڑنا اور اس سے قتال کرنا تو ایسی حرکت ہے جو برائی کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہ حرکت تو آدمی کا اسلام سے رشتہ ہی بڑی حد تک منقطع کر دیتی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے: وَ مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَ مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ ''جس کسی نے کسی مومن پر لعنت کی تو وہ ایسا ہے جیسے اسے قتل کر دیا گیا ہو اور جس نے کسی مومن کو کفر سے متہم کیا تو وہ بھی اس کے قتل کی طرح ہے۔''

(۹) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ ﷺ يَقُوْلُ: لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِیْ كُفَّارًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میرے بعد پھر کافر مت ہو جانا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔''

(۱۰) وَ عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِیِّؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلٰثًا: قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دین سراپا نصح وخیر خواہی ہے۔'' یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ (خیر خواہی) کس کے لیے ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے اماموں کے

لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔“

تشریح: یہ حدیث جوامع الکلام میں سے ہے۔ بتایا جارہا ہے کہ دین اسلام کی روح اور اصل اسپرٹ خیر پسندی اور خیر خواہی ہے۔ مومن کا فرض ہے کہ وہ خدا کے حقوق کا پورا پاس ولحاظ رکھے۔ اس سے محبت رکھے اور اس کی بندگی میں کوتاہی نہ کرے۔ اس کی کتاب کی وقعت اس کے دل کی گہرائی میں ہو۔ اس کی کوشش یہ ہو کہ خدا کی زندہ کتاب انسان کی زندگیوں میں روحِ زندگی بن کر اُتر جائے۔ لوگ اُسے اپنا رہنما بنالیں۔ خدا کے رسول جان و دل سے عزیز ہوں۔ اُن کی نافرمانی سے بچے۔ اسلامی حکومت کے ائمہ اور سربراہوں کے ساتھ وفاداری کو قائم رکھا جائے۔ انھیں ان کی غلطیوں پر متنبہ ضرور کیا جائے لیکن نظم وحکومت میں خلل وابتری ہرگز پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عام مسلمانوں کی دنیوی واخروی بھلائی کو بھی کسی حال میں نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس کے لیے ہر ممکن سعی و جہد سے کام لیا جاتا رہے۔

معلوم ہوا کہ دین خیر خواہی ہے اور اپنے وسیع مفہوم ومعنی میں خیر خواہی ہے۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنِ اغْتِيبَ عِنْدَهٗ اَخُوْهُ الْمُسْلِمُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ فَنَصَرَهٗ نَصَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَاِنْ لَّمْ يَنْصُرْهُ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلٰى نَصْرِهٖ اَدْرَكَهُ اللّٰهُ بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جس کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور وہ اس کی مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور اس کی مدد کرے۔ اللہ اس کی دنیا و آخرت میں مدد فرمائے گا۔ اور اگر وہ اس کی مدد نہ کرے حالاں کہ اسے اس کی مدد کی قدرت حاصل ہو تو خدا دنیا اور آخرت میں اس کا مواخذہ کرے گا۔“

تشریح: یعنی سخت مواخذہ کرے گا اور انتقام لے گا کہ اس نے قدرت رکھنے کے باوجود اپنے مسلمان بھائی کی مدد سے کیوں گریز کیا۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ اَسْمَاءِ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ ذَبَّ عَنْ لَحْمِ اَخِيْهِ بِالْمَغِيْبَةِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّعْتِقَهٗ مِنَ النَّارِ. (البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو اپنے بھائی کا گوشت کھانے سے اس کی عدم موجودگی میں باز رکھے تو اللہ پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ

کی آگ سے آزاد فرمائے گا۔"

تشریح: کوئی شخص کسی مسلمان بھائی کی غیبت کررہا ہو اور کوئی اس کو اس حرکت سے روکتا ہے تو اس کا اجروثواب غیر معمولی ہے۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ اِمْرِءٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ اِمْرَءً مُّسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَهَکُ فِیْهِ حُرْمَتُهٗ وَ یُنْتَقَصُ فِیْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اِلَّا خَذَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ وَ مَا مِنْ اِمْرِءٍ مُّسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ فِیْهِ مِنْ عِرْضِهٖ وَ یُنْتَهَکُ فِیْهِ مِنْ حُرْمَتِهٖ اِلَّا نَصَرَهُ اللّٰهُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْهِ نُصْرَتَهٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو مسلمان شخص اس موقع پر اس مسلمان شخص کی مدد نہ کرے جہاں اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبروریزی کی جاتی ہو تو لازماً اللہ بھی اس موقع پر اس کی مدد نہ کرے گا (دنیا و آخرت میں) جہاں اسے اس کی مدد پسند (اور مطلوب) ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف جو مسلمان شخص اس موقع پر مسلمان کی مدد کرے جہاں اس کی بے حرمتی کی جارہی ہو اور اس کی آبروریزی کی جاتی ہو تو لازماً اللہ بھی اس موقع پر اس کی مدد فرمائے گا جہاں اسے اس کی مدد پسند (اور درکار) ہوتی ہے۔"

﴿۱۴﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ مَنْ یَّسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَّسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ سَتَرَ عَلٰی مُسْلِمٍ سَتَرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "جو شخص کسی مسلمان پر سے دنیا کی سختی اٹھائے گا تو اللہ اس پر سے روزِ قیامت کی کوئی نہ کوئی سختی اٹھا دے گا۔ اور کوئی نادار پر (اپنا روپے وصول کرنے میں) آسانی کرے گا (سختی سے کام نہیں لے گا) تو اللہ بھی دنیا و آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے گا تو اللہ بھی دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا اور اللہ اپنے بندے کی مدد میں لگا رہتا ہے، جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

تشریح: آدمی اخلاق کے جس درجہ پر ہوتا ہے، اس کا فطری تقاضا یہی ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ بھی اسی اخلاق کا مظاہرہ ہو، جس اخلاق کا اظہار اس کی طرف سے دوسروں کے لیے ہوتا ہے۔

آقا کے حقوق

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِہٖ وَ اَحْسَنَ عِبَادَۃَ اللّٰہِ فَلَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جب غلام اپنے مالک کی خیر خواہی کرے اور اللہ کی اچھی طرح سے عبادت کرے تو اس کے لیے دوہرا اجر و ثواب ہے۔“

تشریح: خادم اور غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مالک کا خیر خواہ ہو۔ بدخواہ نہ ہو۔ اب اگر وہ اس خیر خواہی کا حق ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنے حقیقی آقا اور مالک یعنی اللہ رب العزت کی بندگی کی طرف سے بھی غافل نہیں ہے بلکہ حتی الوسع وہ خدا کی عبادت بھی بحسن و خوبی کرتا ہے تو وہ لازماً دوہرے اجر و ثواب کا مستحق قرار پائے گا۔ اس لیے کہ اس نے خدا کا بھی حق پہچانا اور اپنے مخدوم و مالک کا حق بھی ادا کرتا رہا۔

﴿۲﴾ عَنْ جَرِیْرٍ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَہٗ صَلٰوۃٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب غلام بھاگ جائے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔“

تشریح: زندگی ایک کل ہے۔ انسان کی سیرت اور اس کے کردار کو بھی ایک کل کی حیثیت حاصل ہے۔ کردار کے حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے۔ بندگانِ خدا کے سلسلے میں ہماری جو ذمے داری ہوتی ہے۔ اس کا بھی ہماری نماز سے گہرا تعلق ہے۔ بندگانِ خدا کے حقوق ادا کرنے سے اگر ہم گریز کرتے ہیں تو ہمارے اس فعل سے ہماری نماز بھی متاثر ہوگی۔ اس سے ہماری نماز بے وزن اور بے روح ہو کر رہ جائے گی۔ ایسی صورت میں بے روح اور کردار سے خالی نماز سے اجر و ثواب کی امید رکھنا اور یہ سمجھنا کہ ہماری نماز خدا کی جناب میں شرفِ قبولیت حاصل کرے گی ایک زبردست مغالطہ ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو یہ مغالطہ رفع ہو جانا چاہیے۔

﴿۳﴾ وَعَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَیُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ الذِّمَّۃُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی غلام بھاگ جائے

تو اس کے سلسلے کی ضمانت اور ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔"

تشریح: جو شخص اپنی ذمے داریوں کو ادا کرتا ہے۔ وہ خدا کی امان میں ہوتا ہے۔ سوسائٹی کے افراد کی ذمے داری ہوتی ہے کہ وہ اس کے حقوق کا بخوبی پاس و لحاظ رکھیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنی ذمے داریوں کو بالکل فراموش کر بیٹھتا ہے تو پھر اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کی توقع رکھے کہ اس کے حقوقِ سابق بدستور قائم رہیں گے اور اسے خدا کی وہی پناہ اور محافظت حاصل رہے گی، جو پہلے سے حاصل تھی۔ اور اس پر کسی قسم کی سختی روا نہیں رکھی جا سکتی۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْکِ اَنْ یَّتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَ طَاعَةِ سَیِّدِهٖ نِعِمَّا لَهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "کیا ہی اچھی بات ہے غلام کے لیے کہ اللہ اسے اس حال میں وفات دے کہ وہ اپنے رب کی اچھی عبادت اور اپنے مالک کی خدمت میں لگا رہا ہو۔"

تشریح: یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ زندگی خداوند رب کائنات کی بندگی اور حسنِ عبادت میں صرف ہو اور دوسرے کسی شخص کا جو حق ہم پر عائد ہوتا ہو اس کے ادا کرنے میں بھی ہم سے قصور نہ ہو۔

☆☆

کمزوروں کے حقوق

غلام اور خادموں کے حقوق

﴿۱﴾ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ عُوَیْمِرٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَبْغُوْنِیْ فِی الضُّعَفَآءِ فَاِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَ تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَائِکُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابودرداء عویمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیوں کہ کمزوروں ہی کی بدولت تمھاری مدد کی جاتی ہے اور تمھیں رزق عطا کیا جاتا ہے۔''

تشریح: یعنی اگر تمھیں خدا کی خوشنودی مطلوب ہے اور تم خدا کے رسولؐ کو خوش کرنا چاہتے ہو تو کمزوروں اور بے کسوں اور بے سہارا لوگوں کی طرف توجہ دو۔ خدا کے پیشِ نظر اصلاً اس کے کمزور و نادار بندے ہوتے ہیں۔ وہ تمھیں روزی اس لیے نہیں دیتا کہ تمھیں صرف اپنا ہی خیال ہو بلکہ تمھیں اپنے کمزور اور بے سہارا بھائیوں کی بھی فکر کرنی چاہیے۔ تمھارے مال میں ان کا بھی حصہ رکھا گیا ہے۔ اس بات کو کبھی نہ بھولو۔

﴿۱﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰہُ اَخَاہُ تَحْتَ یَدَیْہِ فَلْیُطْعِمْہُ مِمَّا یَاْکُلُ وَلْیُلْبِسْہُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُکَلِّفْہُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُہٗ اِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ عَلَیْہِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''(یہ غلام) تمھارے بھائی ہیں، اللہ نے ان کو تمھارا دستِ نگر بنایا ہے۔ پس اللہ جس کے زیر دست اس کے کسی بھائی کو

کردے تو اسے چاہیے کہ اس کو وہی کھلائے جو وہ خود کھاتا ہو اور وہی پہنائے جو وہ خود پہنتا ہو اور اُس کو ایسے کسی کام پر مجبور نہ کرے، جو اس کی طاقت سے زیادہ ہے اور اس کے لیے بھاری ہو۔ اور اگر ایسا کام اس سے لے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو تو پھر اس کام میں خود بھی اس کی اعانت اور مدد کرے۔''

تشریح: نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے تقریباً تمام دنیا میں غلامی کی رسم پائی جاتی تھی۔ فاتح قومیں مفتوح قوم کے افراد کو غلام بنالیتی تھیں۔ وہ ان کی ملکیت ہو جاتے تھے۔ غلاموں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ ان سے جانوروں کی طرح مشقت کا کام لیا جاتا تھا۔ اسلام نے غلاموں کی آزادی کے لیے متعدد تدابیر اختیار کیں۔ اسلامی تعلیمات نے غلاموں کی دنیا یکسر بدل دی۔ چناں چہ ان میں سے کتنے ہی امت کے پیشوا، ائمہ بلکہ حکمراں تک ہوئے ہیں۔ جنگ میں دشمن کا زور ختم کرنے اور انھیں قید کرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اس کے متعلق قرآن کی پاکیزہ تعلیم یہ ہے: فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد: ۴) ''پھر یا تو احسان کرو یا فدیہ کا معاملہ کرو تا آں کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔'' مطلب یہ ہے کہ یا تو ان کو بلا معاوضہ رہا کر دو یا کچھ معاوضہ لے کر انھیں آزاد کر دو۔ پہلے سے جو غلام چلے آرہے تھے ان کے ساتھ جس حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے وہ اس حدیثِ مبارکہ سے عیاں ہے۔ پھر ان کی آزادی کے لیے مختلف راہیں نکالی گئیں۔ غلام آزاد کرنے کو کارِ ثواب اور گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا۔ طرح طرح سے انھیں آزاد کرنے کی ترغیب دی گئی۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَ كِسْوَتُهٗ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا يُطِيْقُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کھانا اور کپڑا غلام کا حق ہے اور اس سے بس وہی کام لیا جائے، جس کے کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہو۔''

(۴) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمْ نَعْفُوْا عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ: اعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آیا اور عرض

کیا کہ اے اللہ کے رسول، ہمیں خادم کو کتنی بار معاف کر دینا چاہیے؟ آپ خاموش رہے، اس شخص نے پھر اپنی بات عرض کی۔ آپؐ نے پھر سکوت فرمایا۔ پھر جب تیسری دفعہ اس نے عرض کیا، تو آپؐ نے فرمایا: ''ہر روز ستر بار۔''

تشریح: عفو و درگزر کی فضیلت کا اندازہ آپؐ کے اس ارشاد سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاف کرنے کی فضیلت کو اگر آدمی صحیح طور پر سمجھ جائے تو وہ کبھی بھی اس فضیلت کے حاصل کرنے کے مواقع کو گنوانے پر راضی نہیں ہو سکتا۔ وہ برابر اپنے زیردست کے قصور معاف ہی کرتا رہے گا۔

〈۵〉 وَ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ نِالْاَنْصَارِیِّؓ قَالَ: کُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ اَللّٰهُ اَقْدَرُ عَلَیْکَ مِنْکَ عَلَیْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْکَ النَّارُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو مسعود انصاریؓ کہتے ہیں کہ میں اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی کہ ''اے ابو مسعود، جان لو کہ اللہ کو تم پر اس سے کہیں زیادہ قدرت حاصل ہے جتنی تمھیں اس (غلام) پر حاصل ہے۔'' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، اب یہ خدا کے لیے آزاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تمھیں جان لینا چاہیے کہ اگر تم یہ نہ کرتے تو جہنم کی آگ تم کو جلا ڈالتی۔'' یا یہ فرمایا: ''جہنم کی آگ تمھیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔''

تشریح: بعض دوسری روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجبور و بے کس غلام کو مارنا انتہائی نازیبا اور دل کی ملائمت اور جذبۂ رحم کے سراسر منافی ہے۔ اس کی تلافی کی اگر کوئی صورت ہے تو وہ بس یہی کہ اس غلام کے ساتھ انتہائی درجہ کا حسنِ سلوک کیا جائے یعنی اسے غلامی سے آزاد کر دیا جائے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے: مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْکَهٗ اَوْ ضَرَبَهٗ فَکَفَّارَتُهٗ اَنْ یَّعْتِقَهٗ ''جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ لگائے یا مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اسے آزاد کر دے۔''

〈۶〉 وَ عَنْ عَلِیٍّؓ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِﷺ: اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ (وفات سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام یہ تھا: ''نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو اور اپنے غلاموں اور زیردستوں کے بارے میں خدا کا ڈر رکھو۔''

تشریح: یعنی آپؐ نے امت کو جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی کہ نماز سے غافل نہ ہونا اور اپنے زیردستوں کے بارے میں خدا سے ڈرتے رہنا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کرو اور اس پر خدا کے یہاں تمھاری سخت گرفت ہو جائے۔

خدا کو اپنا مخاطب بنا کر جو آخری بات آپؐ نے فرمائی وہ یہ تھی: اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی ''اے اللہ، مجھے رفیقِ اعلیٰ سے ملا۔'' (بخاری عن عائشہ)

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَۃً مُّسْلِمَۃً اَعْتَقَ اللّٰہُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِّنْہُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ حَتّٰی فَرْجَہٗ بِفَرْجِہٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی غلام کو آزاد کرے تو اللہ اس (غلام) کے ہر ایک عضو کے بدلے اس کے عضو کو جہنم کی آگ سے آزاد فرمائے گا یہاں تک کہ اس کی شرم گاہ کو اس کی شرم گاہ کے عوض آزاد فرمائے گا۔''

تشریح: یعنی اگر تم نے غلام کو غلامی سے آزاد کیا تو تمھارا یہ عمل اللہ کو اس درجہ پسند ہے کہ وہ اس کے عوض تمھیں جہنم کے عذاب سے نجات دے گا۔ جہنم کے دردناک اور ہولناک عذاب کے مقابلے میں غلامی کی تکلیف اور رنج کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ لیکن تم وہ عمل کر کے دکھاؤ جو تم کر سکتے ہو، پھر خدا تمھارے ساتھ وہ سلوک فرمائے گا، جس کی قدرت اسے اور صرف اسے حاصل ہے۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ کَانَتْ لَہٗ جَارِیَۃٌ فَعَالَھَا فَاَحْسَنَ اِلَیْھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا وَ تَزَوَّجَھَا کَانَ لَہٗ اَجْرَانِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کے پاس لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی طرح پرورش کرے۔ پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس کے لیے دوہرا اجر وثواب ہے۔''

تشریح: یعنی اس لونڈی کی پرورش اور داشت وپرداخت خود ایک بڑی نیکی ہے۔ پھر اسے آزاد کر کے اسے بیوی کا درجہ دے دینا ایک دوسری بڑی نیکی ہے۔ اس لیے خدا کے یہاں لازماً

وہ دوہرے اجر و ثواب کا مستحق قرار پائے گا۔

〈۹〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ یُحَدِّثُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَطْعِمْ رَبَّکَ وَضِّیْ رَبَّکَ اِسْقِ رَبَّکَ وَلْیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَایَ وَلَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ اَمَتِیْ وَلْیَقُلْ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ غُلَامِیْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی (غلام سے) یہ نہ کہے کہ اپنے رب (مالک) کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اپنے رب کو پانی پلا اور چاہیے کہ وہ کہے سیدی، مولائی (میرے سردار، میرے آقا) اور تم میں سے کوئی (اپنے غلام اور لونڈی کو) میرا بندہ، میری بندی نہ کہے بلکہ چاہیے کہ وہ کہے فتائی، فتاتی، غلامی (میرا نوجوان مرد، میری نوجوان عورت، میرے لڑکے)۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ رب تو صرف خدا ہی کو کہنا چاہیے۔ حقیقی حاکم و مالک اور پالنہار وہی ہے۔ سارا نظامِ ربوبیت اسی کے ہاتھ میں ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے: کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰہِ وَ کُلُّ نِسَائِکُمْ اِمَاءُ اللّٰہِ ''تم میں سے ہر ایک خدا کا بندہ ہے اور تمھاری سبھی عورتیں خدا کی لونڈیاں اور بندیاں ہیں۔'' اس لیے اپنے غلام و لونڈی کو عبدی و امتی یعنی اپنا بندہ اور اپنی بندی کہہ کر نہ پکارو۔

بیوہ کا حق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوِ الْقَائِمِ اللَّیْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بیواؤں اور مسکین کے لیے محنت اور دوڑ بھاگ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے یا رات میں عبادت کرنے والے، دن میں روزہ رکھنے والے کی طرح ہے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ بیواؤں اور مسکینوں کے معاش کی فکر اور اس کے لیے تدبیر اور کوشش کرنی کوئی معمولی نیکی ہرگز نہیں ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کوشش جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھتی ہے اور یہ نیک عمل ایسا ہے جیسے کوئی شخص راتوں میں عبادت میں مشغول رہتا ہو اور دن میں خدا کی خوشنودی کے لیے روزے رکھتا ہو۔

یتیموں کا حق

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْهِ، وَ شَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُّسَآءُ اِلَیْهِ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے گھروں میں سب سے بہتر گھر وہ ہے، جس میں کوئی یتیم ہو، جس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے۔ اور مسلمانوں کے گھروں میں بدترین گھر وہ ہے، جس میں کوئی یتیم ہو، جس کے ساتھ برا سلوک کیا جائے۔''

تشریح: مسلمان کے گھر کو تو بہترین اور نمونہ کا گھر ہونا چاہیے۔ لیکن یتیم کے ساتھ اگر گھر میں اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تو اسلام کی نگاہ میں اسے بہترین گھر کے بجائے بدترین گھر ہی قرار دیا جائے گا۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اٰوٰی یَتِیْماً اِلٰی طَعَامِهٖ وَ شَرَابِهٖ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ اِلَّا اَنْ یَّعْمَلَ ذَنْباً لَا یُغْفَرُ. وَمَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَ رَحِمَهُنَّ حَتّٰی یُغْنِیَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ: "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوِ اثْنَتَیْنِ؟ قَالَ: اَوِثْنَتَیْنِ" حَتّٰی لَوْ قَالُوْا: اَوْ وَاحِدَةً؟ لَقَالَ: "وَاحِدَةً" (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے کھانے اور پینے میں کسی یتیم کو شریک کر لے تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دیتا ہے الا یہ کہ وہ کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہو جو بخشے جانے کے قابل نہ ہو۔ اور جو شخص تین بیٹیوں یا انھیں کی طرح تین بہنوں کی پرورش کرے۔ پھر ان کی تربیت کرے اور ان پر رحم و شفقت کرے یہاں تک کہ اللہ انھیں بے نیاز کر دے (یعنی وہ بڑی ہو جائیں اور ان کی شادی ہو جائے) اس کے لیے اللہ جنت واجب کر دیتا ہے۔'' اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا دو (بیٹیوں یا دو بہنوں) کی پرورش کرنے پر بھی یہ اجر ملے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں دو پر بھی یہی اجر ملے گا۔'' اگر صحابہ ایک بیٹی یا ایک بہن کے بارے میں دریافت کرتے تو آپؐ یہی جواب دیتے کہ ''ہاں، ایک پر بھی یہی اجر ملے گا۔''

تشریح: یتیم کے ساتھ بیٹیوں اور بہنوں کا ذکر اس لیے فرمایا گیا کہ لڑکیاں خواہ وہ بیٹیاں ہوں یا بہنیں بیٹوں اور بھائیوں کے مقابلے میں کمزور واقع ہوتی ہیں۔ لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی طرف بالعموم بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ عام طور پر وہ عدم توجہی کا شکار ہو کر رہتی ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی پرورش خواہ وہ بہن ہوتی ہوں یا بیٹیاں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ان کے ساتھ رحمت وشفقت کا سلوک ہونا چاہیے۔ خدا کی نگاہ میں یہ ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ اس کے سبب سے بندہ خدا کے یہاں جنت کا حق دار قرار پاتا ہے۔

(۳) وَ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ قَالَ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةَ وَالْوُسْطٰى. (بخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میں اور یتیم کی کفالت وسرپرستی کرنے والا دونوں جنت میں اس طرح پاس پاس رہیں گے۔" اور آپؐ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے اس کی نزدیکی بتائی۔

تشریح: یتیم کی کفالت وسرپرستی کو کارِ نبوت اور خصائلِ نبوت سے گہرا ربط وتعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے شخص کو جو یتیم کی سرپرستی کی ذمے داری قبول کرتا ہے، جنت میں خدا کے رسول ﷺ کی قربت ومحبت کی بشارت دی جارہی ہے۔ اور اس کے بعد آپؐ نے بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کی باہمی قربت سے مثال دی۔

بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا "اور شہادت کی انگلی اور درمیان کی انگلی سے اشارہ فرمایا اور ان کے بیچ ذرا سا فاصلہ رکھا۔" یہ دراصل اس بات کا اظہار ہے کہ انتہائی قربت کے باوجود ایک نبی کو جو خصوصی امتیاز حاصل ہے، اسے باقی رہنا چاہیے اور وہ باقی رہے گا۔

(۴) وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلاً شَكَا اِلَى النَّبِيِّ ﷺ قَسْوَةَ قَلْبِهٖ، قَالَ اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے اپنی قساوتِ قلبی (سخت دلی) کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یتیم کے سر پر (پیار کا) ہاتھ پھیرا کرو اور مسکینوں اور ضرورت مندوں کو کھانا کھلایا کرو۔"

تشریح: یتیموں کے سر پر شفقت و محبت کا ہاتھ پھیرنا اور بھوکوں اور مسکینوں کو کھانا کھلانا درحقیقت ترحم اور دردمندی و سوزِ دلی کا اظہار ہے۔ اپنے دل میں اگر کوئی شخص جذبۂ ترحم اور دردمندی نہ پائے یا اس کی اسے کمی محسوس ہو تو اسے حضور ﷺ کے بتائے ہوئے اس عمل کو اختیار کرنا چاہیے۔ خدا نے چاہا تو اس سے دل کی قساوت اور سختی دور ہو جائے گی اور وہ اپنے اندر دردمندی اور ترحم کی کیفیت محسوس کرنے لگے گا۔

مفلسوں اور حاجت مندوں کے حقوق

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَ جَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ، یَا ابْنَ اٰدَمَ، مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ، قَالَ: یَا رَبِّ، وَ کَیْفَ اَعُوْدُکَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِیْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْعُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَّنِیْ عِنْدَهٗ؟ یَا ابْنَ اٰدَمَ، اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ. قَالَ: یَا رَبِّ وَ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ قَالَ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهٗ اَسْتَطْعَمَکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ، فَلَمْ تُطْعِمْهُ؟ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ؟ یَا ابْنَ اٰدَمَ، اِسْتَسْقَیْتُکَ، فَلَمْ تُسْقِنِیْ، قَالَ، یَا رَبِّ، کَیْفَ اَسْقِیْکَ وَ اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ؟ قَالَ: اِسْتَسْقَاکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ، اَمَا اِنَّکَ لَوْ سَقَیْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائے گا: اے آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا لیکن تم نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب، میں کیسے آپ کی عیادت کرسکتا ہوں، جب کہ آپ تمام عالم کے رب ہیں؟ اللہ فرمائے گا: کیا تمھیں نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمھیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تم نے اس کی عیادت کی ہوتی تو تم مجھے اس کے پاس پاتے؟ (پھر فرمائے گا) اے آدم کے بیٹے! میں نے تم سے کھانا طلب کیا، تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب، میں کیسے آپ کو کھانا کھلا سکتا ہوں، جب کہ آپ سارے عالم کے رب ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا طلب کیا تھا

تو تم نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تم جانتے نہیں تھے کہ اگر تم اسے کھانا کھلاتے تو اسے (اس کے اجر و ثواب کو) میرے پاس پاتے۔ (پھر کہے گا اللہ تعالیٰ) اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا تو تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ وہ کہے گا کہ اے میرے رب، میں کیوں کر آپ کو پانی پلا سکتا ہوں، جب کہ آپ سارے جہان کے پروردگار ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ تم سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا تو تم نے اسے پانی نہیں پلایا، اگر تم نے اسے پانی پلایا ہوتا تو اسے (اس کے اجر و ثواب کو) میرے پاس پاتے۔''

تشریح: ''تم نے میرے بیمار بندے کی عیادت کی ہوتی تو تم مجھے اس کے پاس پاتے'' معلوم ہوا کہ خدا کی پہچان اور اس کی معرفت کے لیے دنیا میں خوب صورت اور شاداب وادیاں اور حسین مناظر ہی نہیں پائے جاتے۔ اس کی تلاش اس کے معذور و ناچار بندوں میں بھی ہونی چاہیے۔ احساسِ درد اور اخلاقی اعمال کے ذریعے سے جس کا انکشاف و تجربہ آدمی کو ہو سکتا ہے اس کا مقابلہ کوئی دوسرا علم نہیں کر سکتا۔

اس حدیثِ قدسی سے کئی باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو اپنے بندوں سے گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان کی بھوک، پیاس اور بیماری کو اپنی بھوک، پیاس اور بیماری قرار دیتا ہے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ مفلسوں اور ضرورت مندوں کے کام آنا کوئی گھاٹے اور خسارے کا کام نہیں ہے۔ جو شخص حاجت مندوں اور مفلسوں کی مدد کرتا اور ان کی تسکین اور تسلی کی فکر رکھتا ہے خدا اسے اس کے ان اعمالِ نیک کے اجر و ثواب سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا۔ وہ خدا کے یہاں پہنچ کر اپنی ان تمام خدمات کا صلہ پائے گا، جو خدمات دنیا میں اس نے خدا کے لیے معذور و نادار بندوں کے لیے کی ہوں گی۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَیُّمَا مُؤْمِنٍ اَطْعَمَ مُؤْمِنًا عَلٰی جُوْعٍ اَطْعَمَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَ اَیُّمَا مُؤْمِنٍ سَقٰی مُؤْمِنًا عَلٰی ظَمَاٍ سَقَاهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنَ الرَّحِیْقِ الْمَخْتُوْمِ وَ اَیُّمَا مُؤْمِنٍ کَسَا مُؤْمِنًا عَلٰی عُرًی کَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی مومن

(مسلم) نے کسی بھوکے مومن کو کھانا کھلایا، اللہ اسے قیامت کے دن جنت کی غذا کھلائے گا اور جس کسی مومن نے کسی پیاسے مومن کو پانی پلایا، اللہ اسے قیامت کے روز خالص بہترین مہر بند مشروب پلائے گا۔ اور جس کسی مومن نے کسی ننگے مومن کو کپڑا پہنایا اللہ قیامت کے روز اسے جنت کا لباس پہنائے گا۔"

مظلوم و مضطر کا حق

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَنْ اَغَاثَ مَلْهُوْفًا كَتَبَ اللّٰہُ لَهٗ ثَلاَ ثاً وَ سَبْعِيْنَ مَغْفِرَةً، وَاحِدَةٌ فِيْهَا صَلاَحُ اَمْرِهٖ كُلِّهٖ وَ ثِنْتَانِ وَ سَبْعُوْنَ لَهٗ دَرَجَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمه: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص مظلوم و مضطر کی فریاد رسی کرتا ہے، اللہ اس کے لیے تہتر بخششیں لکھ دیتا ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اس کے ہر معاملے کی اصلاح اور درستی کی ضامن بن جاتی ہے اور باقی بہتر قیامت کے روز اس کے درجات بلند کرنے کا سبب ہوں گی۔"

تشریح: یعنی اسے ایسی بخششیں حاصل ہوں گی کہ ان میں سے صرف ایک بخشش ہی اس کے تمام کام بنانے کے لیے کافی ہے۔ باقی بہتر قیامت میں اس کے بلند درجات کی شکل میں ظاہر ہوں گی۔

یہ حدیث اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مغفرت (بخشش) کا مفہوم گناہوں اور خطاؤں کی معافی سے کہیں وسیع تر ہے۔ یہ بھی خدا کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے کہ آدمی کے جملہ امور درست ہو جائیں گے، اس کے تمام کام بن جائیں اور درجات کی بلندی اور رفعت بھی خدا کی مغفرت اور رحمت ہی کا نمایاں اظہار ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی غم زدہ اور مظلوم و مضطر کی جو شخص فریاد رسی کرتا اور اس کے غم اور تکلیف کو دور کر دیتا ہے وہ بظاہر تو ایک بے قرار اور پریشان شخص کو پریشانیوں سے نجات دلاتا ہے لیکن اس کا یہ عمل حقیقت کی نگاہ میں اپنے اندر غیر معمولی اثرات و خصوصیات رکھتا ہے۔ اس کے اس عمل نیک سے اس کا خدا اس سے اس درجہ خوش ہو جاتا ہے کہ وہ خود اس کو بھی کبھی

پریشان، مظلوم وغم زدہ دیکھنا پسند نہیں کرسکتا۔ اس کے اپنے سارے کام بن جاتے ہیں اور خدا کے یہاں قربِ خاص اس کے حصے میں آتا ہے۔

بیمار کا حق

〈۱〉 عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَائِدُ الْمَرِيْضِ فِیْ مَخْرَفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰی يَرْجِعَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''بیمار کی (اس کے گھر جا کر) عیادت کرنے والا واپسی تک جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔''

تشریح: ہر ایک چیز اپنی کوئی نہ کوئی تاثیر یا اثر رکھتی ہے۔ اس حدیث میں اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ دوسری چیزوں کی طرح آدمی کے اعمال بھی اثر و تاثیر سے خالی نہیں ہوتے۔ سب سے زیادہ نتیجہ خیز اور مسرت آفریں اثرات آدمی کے اعمال نیک ہی ہوتے ہیں۔ اس سے اعمالِ نیک کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ آدمی جب اپنے بھائی کی عیادت کے لیے اس کے پاس جاتا ہے تو حقیقت کے لحاظ سے وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے، اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے وہ اعلیٰ ترین مقام پر ہوتا ہے۔ غور کیجیے جو عمل آدمی کو جنتی بنادینے کی صلاحیت رکھتا ہو وہ عمل بذاتِ خود کتنی پاکیزگی، حسن اور سرور و کیف کا حامل ہوگا۔ اس کا تصور عام ذہن نہیں کرسکتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صحیح فرمایا ہے کہ بیمار کی مزاج پرسی کرنے والا جب تک مزاج پرسی کر کے واپس نہیں ہو جاتا وہ باغِ جنت میں ہوتا ہے۔ عیادت اور مزاج پرسی کا عمل جنت میں داخل ہونے سے کم اہمیت کا حامل ہرگز نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَحْضُرْ اَجَلُهٗ فَقَالَ عِنْدَهٗ سَبْعَ مِرَاراً اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلَّا عَافَاهُ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرَضِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی ایسے مریض کی عیادت کرے، جس کی موت کا ابھی وقت نہ آیا ہو اور وہ اس کے پاس سات بار یہ دعا پڑھے: اَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ (میں عظمت والے خدا سے جو عرش

عظیم کا مالک ہے درخواست کرتا ہوں کہ وہ تمھیں شفا دے) اللہ ضرور اسے شفا عطا فرمائے گا۔“

تشریح: مریض کے پاس جا کر اس کی صحت کے لیے دعا کرنے سے مریض کو بڑا سہارا ملتا ہے۔ دعا اگر اس کا وقت پورا نہیں ہو گیا ہے تو قبول بھی ہوتی ہے اور مریض بیماری سے شفایاب ہو جاتا ہے۔

﴿۳﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ عَلٰی اَعْرَابِیٍّ یَعُوْدُهٗ قَالَ وَ کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا دَخَلَ عَلٰی مَرِیْضٍ یَعُوْدُهٗ فَقَالَ لَهٗ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک اعرابی کے پاس اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور نبی ﷺ جب کسی بیمار کے پاس اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے تو فرماتے: ”کوئی خوف و ہراس کی بات نہیں، یہ بیماری ان شاء اللہ (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ مریض کی عیادت کرنی سنتِ نبوی ہے۔ عیادت میں مریض کو تشفی و تسلی دینی چاہیے اور اس کے لیے خدا سے شفا کی دعا کرنی چاہیے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدٍ اَنَّ اَبَاهَا قَالَ تَشَکَّیْتُ بِمَکَّةَ شَکْوًا شَدِیْدًا فَجَاءَنِیَ النَّبِیُّ ﷺ یَعُوْدُنِیْ وَضَعَ یَدَهٗ عَلٰی جَبْهَتِیْ ثُمَّ مَسَحَ یَدَهٗ عَلٰی وَجْهِیْ وَ بَطْنِیْ ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ اشْفِ سَعْدًا وَّ اَتِمِمْ لَهٗ هِجْرَتَهٗ. فَمَا زِلْتُ اَجِدُ بَرْدَهٗ عَلٰی کَبِدِیْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ بنت سعدؓ سے روایت ہے کہ ان کے والد بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں سخت بیمار ہوا تو نبی ﷺ میرے پاس میری عیادت کو تشریف لے آئے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھا، پھر میرے چہرے اور میرے پیٹ پر اپنا ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی: ”اے اللہ، سعدؓ کو شفا دے اور اس کی ہجرت کو مکمل فرما۔“ اس وقت سے اب تک برابر میں اپنے جگر میں اس کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہوں۔

تشریح: یعنی آپؐ کی دعا بارگاہِ رب العزت میں مقبول ہوئی۔ آپؐ نے جو دستِ شفقت میری پیشانی، چہرے اور پیٹ پر پھیرا تھا اس کی ٹھنڈک اور اثر میں اب تک محسوس کر رہا ہوں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا اَتٰی مَرِیْضًا اَوْ اُوْتِیَ بِهٖ قَالَ:

اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ وَ اَنْتَ الشَّافِیْ، لاَ شِفَآءَ اِلَّا شِفَائُکَ شِفَآءً لاَ یُغَادِرُ سَقَمًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ جب کسی مریض کے پاس تشریف لے جاتے یا آپ کے پاس کوئی مریض لایا جاتا تو آپؐ دعا فرماتے: ''اے لوگوں کے رب! شفا دینے والا تو ہی ہے اور شفا تو بس تیری ہی شفا ہے۔ خوف دور فرما اور ایسی شفا دے، جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔''

تشریح: یعنی جس کو اللہ صحت عطا فرمائے اسے صحتِ کلی حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہر مرض سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ خدا کو اس پر قدرت حاصل ہے کہ وہ ہر مرض کو انسان سے دور رکھے۔ بیماری جسمانی ہو یا فکری واخلاقی، اصل شفا بخشنے والا اللہ ہی ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ ثَوْبَانَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: مَنْ عَادَ مَرِیْضًا لَمْ یَزَلْ خُرْفَةَ الْجَنَّةِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی مریض کی عیادت کرے گا، وہ ہمیشہ جنت کے باغیچے سے میوے چنتا رہے گا۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کی تکلیفوں میں ان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی اپنے اندر غیر معمولی اثرات رکھتا ہے۔ اس کے خوش گوار نتائج لازماً سامنے آئیں گے۔ مثلاً مریض کی عیادت کے پیچھے جس قسم کے جذبات کی کارفرمائی اسلام میں مطلوب ہے وہ جذبات یقیناً ایسے بہترین جذبات ہیں، جن کی قدر و قیمت کسی بھی باغ کے خوش ذائقہ پھلوں سے ہرگز کم نہیں ہے۔

قیدی کا حق

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ عُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَ فُکُّوا الْعَانِیْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔''

تشریح: بھوکا، بیمار اور قیدی یہ تینوں مجبور و بے بس ہوتے ہیں۔ ان کی طرف سے غافل ہونا

درست نہیں۔ ان کے سلسلے میں جو ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس کا ہمیں پورا احساس ہونا چاہیے۔ بھوکا بھوکا نہ رہے۔ بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کی جائے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ ہمیں ان سے تعلق اور ہمدردی ہے۔ ہم ان کو غیر نہیں جانتے۔ اہل ایمان کو تو ساری انسانیت سے ناتہ اور رشتہ ہوتا ہے، اسی لیے وہ مومن کہلاتے ہیں۔ ایمان کا تعلق رنگ ونسل، مقام اور کسی زمانہ خاص سے نہ ہو کر انسان کے اخلاق وکردار سے ہوتا ہے۔

اسیر اور قیدی بھی نہایت مجبوری اور بے بسی کی حالت میں ہوتا ہے۔ حتی الوسع اسے آزاد کرانے کی سعی کرنی چاہیے۔ خاص طور سے اگر وہ بے قصور یا دشمن کے قبضے میں ہو۔

غم میں شرکت

‹۱› عَنْ مُعَاذٍؓ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ ابْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ التَّعْزِيَةَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَ اَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَ رَزَقَنَا وَ اِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَ اَمْوَالَنَا وَ اَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيَّةِ وَ عَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَ سُرُوْرٍ وَ قَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ، اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَ لَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَ اعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَ مَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ: وَالسَّلَامُ. (الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ: حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ان کے ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا تو نبی ﷺ نے انھیں یہ تعزیت نامہ لکھایا:

> ”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم“ اللہ کے رسول محمدؐ کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ تم پر سلام ہو۔ میں اس اللہ کی حمد تم سے بیان کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بعد ازاں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تمھیں (اس صدمہ کا) اجر عظیم عطا فرمائے اور تمھارے دل کو صبر عطا کرے۔ اور ہمیں اور تمھیں شکر کی توفیق عنایت کرے۔ کیوں کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل وعیال اللہ کے مبارک عطیات ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں۔ (تمھارا بیٹا بھی اللہ کی امانت

تھا) اللہ نے خوشی اور سرور کے ساتھ اس سے تمھیں فائدہ اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع عنایت فرمایا اور اس کی مشیت ہوئی تو اس نے اسے تم سے ایک بڑے اجر کے بدلے واپس لے لیا۔ اس کی نوازش، رحمت اور خاص ہدایت تمھارے لیے ہے اگر تم نے ثواب کی نیت سے صبر سے کام لیا۔ پس (اے معاذ) صبر اختیار کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمھاری جزع فزع (بے صبری) تمھارے اجر کو غارت کر دے اور پھر تمھیں ندامت ہو۔ اور جان لو کہ جزع فزع (رونے چلّانے) سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے اور خدا کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ واقع ہو چکا ہوتا ہے۔ (اس کا ہونا تو یقینی ہوتا ہے)۔''

تشریح: نبی ﷺ کے اس تعزیت نامے سے معلوم ہوا کہ ہمارے پاس جو نعمتیں بھی ہیں خواہ اولاد کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں وہ سب کی سب اللہ کی عطا کردہ ہیں۔ یہ نعمتیں ہماری خوشیوں، مسرتوں اور راحتوں کا سبب بنتی ہیں۔ آدمی کو ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان میں اپنا جی بہلاتے ہوئے یہ کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ خدا کی امانت ہیں۔ وہ اپنی امانت واپس بھی لے سکتا ہے۔ لیکن اس کے واپس لینے کا مقصد انسانوں کی دل آزاری اور انھیں غم میں مبتلا کرنا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے خدا کی عظیم حکمتیں کام کرتی ہیں، جن کا بالعموم ہمیں پورا علم نہیں ہوتا اور ہو بھی نہیں سکتا ہے۔ البتہ ایسے موقع پر اگر آدمی صبر کرتا اور خدا کے فیصلہ پر راضی ہوتا ہے تو خدا اسے محروم نہیں رکھے گا، خدا کے یہاں اس کا بہترین اجر و ثواب ہے۔

''اس کی نوازش، رحمت اور خاص ہدایت تمہارے لیے ہے اگر تم نے ثواب کی نیت سے صبر سے کام لیا۔'' اس ارشاد میں اشارہ قرآن کی ان آیتوں کی طرف ہے: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ○ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رَحْمَةٌ ط وَّ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ○ (البقرۃ:۱۵۶،۱۵۷) ''جو اس وقت جب کہ ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں: ''بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔'' یہی لوگ ہیں، جن پر ان کے رب کی خاص نوازشیں ہیں، اور رحمت بھی اور یہی ہیں جو ہدایت یاب ہیں۔''

غیر مسلموں کا حق

(۱) عَنْ اَسْمَآءَ قَالَتْ قَدِمَتْ اُمِّیْ وَ ھِیَ مُشْرِکَةٌ فِیْ عَھْدِ قُرَیْشٍ وَ مُدَّتِھِمْ اِذَا

عَاهَدُوا النَّبِيَّ ﷺ مَعَ اَبِيهَا فَاسْتَفَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقُلْتُ: اِنَّ اُمِّي قَدِمَتْ وَهِيَ رَاغِبَةٌ. قَالَ: نَعَمْ صِلِي اُمَّكِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت اسماءؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ اس زمانہ میں جب کہ قریش نے نبی ﷺ سے معاہدہ کیا تھا، میری ماں اپنے باپ کے ساتھ آئی، تو میں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا اور عرض کیا کہ میری ماں آئی ہے اور وہ مسلمان نہیں ہے، آپؐ نے فرمایا: ''تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلم نہیں ہے تو ایسا نہیں ہے کہ اب اس کا ہم پر کوئی حق ہی نہیں رہا اور اگر کوئی غیر مسلم ایسا ہے کہ اس کے ساتھ خاندانی رشتہ پایا جاتا ہے تو حسنِ سلوک میں تو اس کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک دفعہ اپنے ایک بھائی کے لیے نبی ﷺ کا عطا کردہ حلہ بھیجا تھا جب کہ ان کے بھائی نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ قرآن میں بھی ہے: لاَ يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ (الممتحنہ:۸) ''اللہ تمھیں اس سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور انھیں ان کے حصے کی مالی مدد پہنچاؤ جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمھیں تمھارے اپنے گھروں سے نکالا۔''

جانوروں کے ساتھ سلوک

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: لاَ تَتَّخِذُوْا شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے، وایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کسی بھی جانور کو (باندھ کر) نشانہ نہ بناؤ۔''

تشریح: جانوروں کو چاند ماری کے لیے استعمال کرنا منع ہے کیوں کہ یہ قساوتِ قلبی اور نہایت بے رحمی کی بات ہے۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں ہے کہ جانور کو بغیر چارہ پانی کے باندھ کر رکھا جائے پھر اسے مار ڈالا جائے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَ عَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منہ پر مارنے اور منہ پر داغ لگانے سے منع فرمایا ہے۔“

تشریح: کسی بھی آدمی یا جانور کے منہ پر طمانچہ یا کوڑے سے مارنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح منہ پر داغ لگانا بھی جائز نہیں ہے۔ ایک روایت میں تو منہ پر داغنے والے کو مستوجب لعنت قرار دیا گیا ہے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا سَافَرْتُمْ فِی الْخِصْبِ فَاَعْطُوا الْاِبِلَ حَظَّهَا مِنَ الْاَرْضِ وَ اِذَا سَافَرْتُمْ فِی السَّنَةِ فَبَادِرُوْا بِهَا نِقْيَهَا وَ اِذَا عَرَّسْتُمْ فَاجْتَنِبُوا الطُّرُقَ فَاِنَّهَا طُرُقُ الدَّوَآبِّ وَمَاوَی الْهَوَآمِّ بِاللَّيْلِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم ارزانی اور سرسبزی کے سال سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے حصہ دیا کرو اور جب تم قحط اور خشکی کے سال سفر کرو تو جلد ہی خشکی کی منزلوں کو اونٹوں کا گودا رہتے طے کر ڈالو۔ اور جب تم رات کے پچھلے پہر منزل پر اُترو تو راستوں سے ہٹ کر اُترو، کیوں کہ ان سے جانوروں کی آمد و رفت ہوتی ہے اور شب میں کیڑے مکوڑے وہاں ٹھہرتے ہیں۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اونٹ یا کسی جانور پر سوار ہو کر سفر کرتا ہے اور زمانہ شادابی اور سرسبزی کا ہے تو سواری کے جانور کو زمین میں چرنے کے لیے چھوڑے تاکہ وہ اپنی بھوک مٹائے اور طاقت حاصل کرے اور اگر زمانہ خشک سالی کا ہے تو جہاں تک ممکن ہو خشک علاقہ کو جلد سے جلد طے کر لے۔

خشکی کی منزلوں کو اونٹوں کا گودا رہتے طے کر ڈالو، یعنی ان کا گودا سوکھنے نہ پائے، ان کی قوت باقی رہے اور تم بڑی بڑی منزلیں طے کر کے خشک علاقے سے نکل جاؤ۔

رات میں یہ راستے جنگلی جانوروں کی گزرگاہ ہوتے ہیں اور کیڑے مکوڑے بھی وہاں آجاتے ہیں۔ اس لیے محفوظ جگہ پڑاؤ ڈالو۔ اس سے تم بھی پریشانیوں سے محفوظ رہو گے اور جنگلی جانوروں کی آزادی میں بھی وہ خلل انداز نہ ہو گا۔

〈۴〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَاَلَهُ اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهٖ قِيْلَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ مَا

حَقُّهَا؟ قَالَ: اَنْ يَّذْبَحَهَا فَيَاْكُلَهَا وَ لاَ يَقْطَعَ رَأْسَهَا فَيَرْمِيَ بِهَا. (احمد، نسائی، دارمی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو کوئی ناحق کسی پرند یا اس سے چھوٹے بڑے کسی جانور اور پرند کو مار ڈالے گا تو اللہ اس کی جان لینے کے بارے میں اس سے باز پرس کرے گا۔“ عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول اس (پرند وغیرہ) کا حق کیا ہے؟ فرمایا: ”یہ کہ اسے ذبح کر کے کھایا جائے، یہ نہیں کہ اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جائے۔“

تشریح: محض تفریح کے لیے کسی جان دار کی جان لے لینا اپنے اختیار کا ناجائز استعمال اور ظلم ہے۔ خدا کے یہاں لازماً اس پر مواخذہ ہوگا۔ جانور کا حق اس سے منتفع ہونا ہے نہ کہ بلا مقصد اس کا سر کاٹ کر پھینک دینا۔

〈۵〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَفَلاَ تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّكَكَ اللّٰهُ اِیَّاهَا فَاِنَّهٗ یَشْكُوْا اِلَیَّ اَنَّكَ تُجِیْعُهٗ وَ تُدْئِبُهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب سے روایت ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ”تو کیا تم اس جانور کے متعلق اللہ سے ڈرتے نہیں، جس کو اللہ نے تمھاری ملکیت میں دے رکھا ہے؟ کیوں کہ وہ مجھ سے شکایت کرتا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور ہمیشہ اس سے محنت کا کام لیتے ہو۔“

تشریح: یہ بات آپؐ نے ایک انصاری سے فرمائی۔ آپؐ نے اس کے اونٹ کی حالت دیکھ کر ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بے زبان جانور بھی ہماری شفقت کے مستحق ہیں۔ ان پر ظلم کرنا اور ان پر رحم نہ کرنا سخت گناہ کی بات ہے۔ اس پر خدا کے یہاں سخت گرفت ہوگی۔

〈۶〉 وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: كُنَّا اِذَا نَزَلْنَا مَنْزِلاً لاَ نُسَبِّحُ حَتّٰی یُحَلَّ الرِّحَالُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم جب (سفر میں) کسی منزل پر اُترتے تو اس وقت تک نماز نہیں پڑھتے تھے، جب تک کہ جانوروں پر سے سامان کھول کر نہ اُتار لیا جاتا۔“

تشریح: اس روایت میں نماز کو تسبیح سے تعبیر کیا گیا ہے، کبھی جزء بول کر کل مراد لیتے ہیں۔ اس کی مثالیں قرآن میں بھی موجود ہے۔ قرآن میں نماز کو کہیں قیام سے، کہیں تسبیح اور کہیں سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں ہے: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ (۹۸:۱۵) ”پس تم اپنے رب کی حمد کی تسبیح کرو اور سجدہ گزار ہو جاؤ۔“

صحابہ کرامؓ نمازوں کا بہت اہتمام رکھتے تھے لیکن اپنے جانوروں کو وقت پر پہلے آرام پہنچاتے تھے پھر دوسرے کاموں میں مصروف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اسے اپنی نماز پر بھی مقدم رکھتے تھے۔ وہ ایسا کیوں نہ کرتے، ان کی تربیت کا اہتمام نبی ﷺ نے کیا تھا۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: بَیْنَمَا رَجُلٌ یَمْشِیْ بِطَرِیْقٍ اِشْتَدَّ عَلَیْهِ الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِیْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا کَلْبٌ یَلْهَثُ یَاْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْکَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلَ الَّذِیْ کَانَ بَلَغَ مِنِّیْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَاَ خُفَّهٗ مَاءً ثُمَّ اَمْسَکَهٗ بِفِیْهِ حَتّٰی رَقِیَ فَسَقَی الْکَلْبَ فَشَکَرَ اللّٰهُ لَهٗ فَغَفَرَ لَهٗ. قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَهَائِمِ لَاَجْرًا؟ فَقَالَ: فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَةٍ اَجْرٌ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک بار ایک شخص راستے پر چل رہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی۔ اُسے ایک کنواں ملا۔ اس نے اس میں اُتر کر پانی پیا۔ پھر باہر نکلا، کیا دیکھتا ہے کہ ایک کتا زبان نکالے ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی کھا رہا ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ پیاس سے اس کتے کی ویسی ہی حالت ہوگئی ہے جیسی حالت میری ہوگئی تھی۔ پھر وہ کنویں میں اترا اور اپنے موزے کو پانی سے بھر لیا۔ پھر اُسے اپنے منہ سے تھاما اور کنویں سے نکل آیا اور اس کتے کو پلا دیا۔ اس پر خدا نے اس کی قدردانی فرمائی اور اس کو بخش دیا۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، کیا جانوروں کے سلسلے میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر تر جگر میں (تمھارے لیے) اجر ہے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ رحم دلی کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کَبِدٍ رَطْبَةٍ ''تر جگر'' میں تمام ذی روح شامل ہیں۔ جگر حیات ہی کے سبب تر و تازہ رہتا ہے۔ جان و حس جو ایک غیر مرئی شے ہے ''تر جگر'' کہہ کر آپ نے اسے ایک مرئی شکل دے دی، جس سے آدمی کے اندر پوشیدہ رحم اور غم خواری کا جذبہ اُبھر آتا ہے۔

ایک روایت میں ایک بدکار عورت کا ذکر آیا ہے کہ کس طرح اس نے ایک کتے کو گرمی کے دن میں دیکھا کہ کنویں کے چکر لگا رہا ہے اور پیاس کی شدت سے اس کی زبان باہر نکل آئی ہے۔ (یُطِیْفُ بِبِئْرٍ وَ قَدْ اَوْلَعَ لِسَانَهٗ) اس نے اپنا موزہ اتارا (اور اس سے پانی بھر کر اُسے

پلایا) اس پر خدا نے اس کی مغفرت کردی۔ ان روایتوں میں ایک ذی حس وحیات کی تکلیف و اضطراب کی جو تصور پر پیش کی گئی ہے وہ بہت صاف اور موثر ہے۔ کتے کا بے تابی اور اضطراب کے ساتھ کنویں کے گرد چکر لگانا یا پیاس کی شدت سے گیلی مٹی چاٹنا یہ شدت اضطراب اور بے آرامی کی ایسی تصویریں ہیں، جو ہر ایسے شخص کو تڑپا دینے کے لیے کافی ہیں، جس کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہو۔

(۸) وَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ـــ وَ رَأٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَقْنَاهَا فَقَالَ: مَنْ حَرَقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَعَمْ. قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بیٹے عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپؐ قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی اثناء میں ہم نے ایک چھوٹی سی سرخ چڑیا دیکھی، جس کے ساتھ دو چھوٹے بچے بھی تھے۔ ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا۔ وہ چڑیا آئی اور سر پر منڈلانے لگی۔ اتنے میں نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ''کس نے اس کے بچے پکڑ کے اس کو ستایا؟ اسے اس کے بچے واپس کر دو۔'' آپؐ نے چیونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (جہاں چیونٹیوں نے بہت سے گھر بنا رکھے تھے اور وہاں چیونٹیوں کی کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا: ''کس نے ان کو جلایا ہے؟'' ہم نے عرض کیا کہ ہم نے ہی ایسا کیا ہے۔ فرمایا: ''کسی کے لیے سزاوار نہیں کہ وہ آگ کا عذاب دے سوائے رب النار کے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ کسی جان دار کو ستانا اور اذیت پہنچانی جائز نہیں ہے۔ اس طرح کے حرکات جذبۂ رحم کے سراسر منافی ہیں۔ ان سے اجتناب ضروری ہے۔

راستہ کا حق

(۱) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِيَّاكُمْ وَالْجُلُوْسَ بِالطُّرُقَاتِ.

فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا مِنْ مَّجَالِسِنَا بُدٌّ نَتَحَدَّثُ فِيْهَا فَقَالَ: اِذَا اَبَيْتُمْ اِلَّا الْمَجْلِسَ فَاَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ، قَالُوْا وَمَا حَقُّ الطَّرِيْقِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: غَضُّ الْبَصَرِ وَ كَفُّ الْاَذٰى وَ رَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْىُ عَنِ الْمُنْكَرِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم راستوں میں بیٹھنے سے بچو۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ، ہمارے لیے تو باہم گفتگو کرنے کے لیے راستوں پر بیٹھنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا اگر تم وہیں بیٹھنا چاہتے ہو تو راستے کو اس کا حق ادا کر دیا کرو۔'' لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ، راستے کا حق کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: ''نگاہیں بچا کر رکھنا، تکلیف دہ باتوں سے باز رہنا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔''

تشریح: یعنی اگر تمھارے گھر اور مکان میں گنجائش نہیں ہے اور تم اس کے لیے مجبور ہو کہ گھر کے باہر جہاں لوگوں کی آمد و رفت رہتی ہے اپنے ملنے والوں سے گفتگو کرو تو پھر تمھیں راستے کا حق ادا کرنا ہوگا اور وہ حق یہ ہے کہ تم غض بصر سے کام لو۔ آنے جانے والی عورتوں سے اپنی نگاہیں بچائے رکھو۔ اور تمھاری کوشش یہ ہو کہ تمھاری وجہ سے لوگوں کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے اور حسب مواقع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض بھی ادا کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے جسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے وَاِرْشَادُ السَّبِيْلِ کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی (بھولے بھٹکے لوگوں کو) راستہ بتانا۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی روایت میں جس کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے یہ الفاظ بھی ملتے ہیں: وَ تُغِيْثُوا الْمَلْهُوْفَ وَ تَهْدُوا الضَّالَّ ''یعنی آفت زدہ کی مدد کرو اور بھولے بھٹکے شخص کو راستہ بتاؤ۔''

〈۲〉 وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِىِّ ﷺ يُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دے یہ بھی صدقہ ہے۔

تشریح: معلوم ہوا کہ صدقہ صرف انفاق کا نام نہیں ہے کہ کوئی خدا کے راستے میں یا مسکینوں اور محتاجوں پر اپنا مال خرچ کرے۔ بلکہ دوسرے نیک کاموں کا شمار بھی صدقہ میں ہوتا ہے۔

اسلام میں صدقہ کا تصور نہایت وسیع ہے۔ راستے سے تکلیف وہ چیزوں کو ہٹا کر بھی آدمی یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ خدا کے بندوں کے حقوق کو پہچانتا ہے، جس طرح وہ اپنے مال کو خرچ کر کے اس بات کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ وہ اپنے ایمان و یقین میں صادق ہے اور وہ خدا کے بندوں کے لیے اپنے دل میں جذبۂ ہمدردی رکھتا ہے اور ان سے اسے محبت ہے۔

☙ ❧

باب دوم

سماجی زندگی کے کچھ احکام و آداب

اجتماعیت

﴿۱﴾ عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عَضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم مومنوں کو باہم رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں ایسا پاؤ گے جیسا کہ جسم کا حال ہے کہ جب اس کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے ہی اعضا اس کی وجہ سے ایک دوسرے کو پکارتے اور بخار اور بے خوابی میں اس کے شریکِ حال ہو جاتے ہیں۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو ایک تن بدن کی طرح رہنا چاہیے۔ وہ باہم ایک دوسرے کے غم گسار ہوں۔ ان کے تعلقات رحم دلی، موانست اور محبت کی بنیاد پر استوار ہوں۔ وہ باہم ایک دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھیں اور سب مل کر اس تکلیف یا مصیبت کو دور کرنے کی تدبیر کریں۔ قرآن نے اہلِ ایمان کے اس وصف کو نہایت مختصر لفظوں میں بیان کیا ہے: رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی وہ آپس میں نرم دل اور مہربان ہیں۔

شیخ سعدیؒ نے بھی کہا ہے:

بنی آدم اعضائے یک دیگرند — کہ در آفرینش زیک گوہرند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار

﴿۲﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''مومن، مومن کے لیے ایک دیوار کے مانند ہوتا ہے۔ جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔'' پھر آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں۔''

تشریح: یعنی جس طرح کسی عمارت یا مکان کے تمام حصے اور اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر پوری عمارت کو مضبوط و مستحکم رکھتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کو بھی باہم مربوط و متحد ہو کر رہنا چاہیے، البتہ یہ اتحاد و اتفاق لازماً عدل و محبت کی بنیاد پر استوار ہو۔ ظلم اور ناانصافی کی بنیاد پر وہ باہم متحد و متفق نہ ہوں۔ اس وصف کے بغیر ملت اسلامیہ کے ایک ناقابلِ تسخیر طاقت بننے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَ الْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اِنَّہٗ مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِہٖ اِلَّآ اَنْ یُّرَاجِعَ وَ مَنْ دَعٰی بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ مِنْ جُثٰی جَھَنَّمَ وَ اِنْ صَامَ وَ صَلّٰی وَ زَعَمَ اَنَّہٗ مُسْلِمٌ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت حارث اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمھیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں: جماعت کا، سمع و طاعت کا، ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا، جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے الگ ہوا اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ الا یہ کہ وہ واپس آجائے، اور جس شخص نے دعوتِ جاہلیت کی طرف بلایا وہ دوزخیوں میں سے ہے، اگرچہ وہ روزہ رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور اسے اس کا زعم ہو کہ وہ مسلمان ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں جن پانچ باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان کو دین میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے کٹ کر نہ رہو۔ جماعتی زندگی بسر کرو۔ خود کو نظم و ضبط کا پابند بناؤ۔ تمھارا کوئی امیر اور سربراہ ہو، جس کی تم اطاعت کرو۔ اسلامی اجتماعیت اور ملت کی اجتماعی ہیئت کو بہر صورت برقرار رکھنے کی کوشش کرو۔ اگر حکومت اسلامی ہو تو اس صورت میں

تو اس کی اہمیت اور زیادہ ہوگی۔

امراء اور علماء شریعت کے مطابق جو حکم اور ہدایت دیں ان کو سنو۔ ان کو نظر انداز نہ کرو۔ اور پھر فرماں برداری میں پیش پیش رہو۔

اپنے دین کی محافظت اور اس کے تقاضوں کے تحت وطن عزیز کو بھی خیر باد کہنا پڑ سکتا ہے۔ اور دین کی سربلندی، اس کے فروغ کے لیے اور اس بات کے لیے کہ قانونِ الٰہی کو زمین میں غلبہ حاصل ہو تمہیں جدوجہد میں حصہ لینا ہوگا۔ اس کے لیے مال بھی خرچ کرنا ہوگا اور اپنی جان کی قربانی بھی پیش کرنی ہوگی۔ یعنی اگر اہلِ باطل سے جنگ کرنے کی نوبت آتی ہے تو اس جنگ میں حصہ لینا ہوگا۔ لیکن یہ عدل وانصاف کے قیام کے لیے ہو۔ خدا کی زمین میں فساد برپا کرنے کی غرض سے نہ ہو۔

ایک بالشت بھی جماعت سے الگ ہونا جائز نہیں ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں اجتماعیت کو کس درجہ اہمیت حاصل ہے۔ اجتماعیت کو نظر انداز کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اسلام کے مقابلے میں آدمی کو اپنا ذاتی مفاد زیادہ عزیز ہے۔ اب اسلام سے اس کا کوئی تعلق اور رشتہ باقی نہیں رہا۔ الاّ یہ کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ تائب ہو کر اپنی اصلاح کرلے اور اجتماعیت کی طرف پلٹ آئے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ جس شخص نے جاہلی اور غیر اسلامی امور کی طرف لوگوں کو دعوت دی اور گروہی عصبیتوں کو ہوا دی۔ مثلاً اسلامی اخوت کے بجائے رنگ ونسل کی تفریق کو اپنی سرگرمیوں کی بنیاد قرار دیا۔ یا اسلامی اجتماعیت سے روگردانی اختیار کرنے پر لوگوں کو اکسایا وہ اتنا بڑا مجرم ہے کہ وہ خدا کے یہاں دوزخی قرار پائے گا، جنت میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ اس کی نماز، اس کا روزہ اور اس کا یہ دعویٰ کہ وہ مسلمان ہے اس سنگین حقیقت کو چھپا نہیں سکتے۔

(۴) وَعَنْ تَمِيْمِ نِ الدَّارِمِیِّؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلَاثًا قُلْنَا لِمَنْ؟ قَالَ: لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”دین خیر خواہی اور نصیحت ہے۔“ آپؐ نے یہ بات تین بار فرمائی۔ ہم نے عرض کیا کہ کس کے لیے؟ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے اماموں اور

سربراہوں کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے۔"

تشریح: یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے۔ الفاظ تو مختصر ہیں مگر وہ تمام سعادتوں اور دنیوی و اخروی بھلائیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین یعنی اسلام اپنی روح اور اسپرٹ کے لحاظ سے سراپا نصح و خیر خواہی ہے۔ اور یہ نصح و خیر خواہی کوئی محدود قسم کی ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس میں پوری وسعت اور فراخی پائی جاتی ہے۔ اسلام میں صرف اپنے ہی لیے نہیں بلکہ سبھی کے لیے خیر خواہی مطلوب ہے۔ آدمی خدا کی کتاب کے حقوق بھی ادا کرے اور خدا کے رسول ﷺ کا بھی سچا وفادار اور خیر خواہ ہو۔ قرآن کی تلاوت بھی کرے اور اس کے احکام پر عمل بھی کرے اور اس میں پوشیدہ اسرار و حکم تک حتی الامکان پہنچنے کی کوشش بھی کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ پر صدق دل سے ایمان لائے۔ سب سے زیادہ آپؐ کو عزیز و محبوب رکھے۔ آپؐ کی اطاعت کو اپنے لیے باعثِ شرف و سعادت تصور کرے۔

مسلمانوں کے اماموں یعنی سربراہوں کے ساتھ وفاداری کو قائم رکھے۔ ان کے احکام و ہدایات کی خلاف ورزی کر کے نظم میں ابتری پیدا کرنے کا مجرم نہ بنے۔ ان کے غلط فیصلوں اور ان کی غلط روش پر انھیں ضرور متنبہ کرے اور انھیں سمجھانے کی کوشش کرے۔ اسی طرح علمائے کرام جو علمی و دینی رہنما ہیں ان کے احترام میں کوتاہی نہ کرے اور دینی مسائل میں ان کی رہنمائی سے پورا فائدہ اٹھائے۔

تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کا مفہوم یہ ہے کہ ہم ان سے بے تعلق نہ رہیں۔ ان کی دینی اور دنیوی بھلائیوں کی فکر رکھیں۔ ان میں علم کو فروغ دیں۔ ہماری کوشش یہ ہو کہ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچے۔

(۵) وَ عَنْ نُعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍؓ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وَجُوْهِكُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسولِ ﷺ نے فرمایا: "اپنی صفوں کو برابر رکھو ورنہ اللہ تمھارے چہروں کے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔"

تشریح: معلوم ہوا کہ نماز کو بھی اسلامی اجتماعیت میں دخل ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اپنی صفوں کو ٹھیک اور درست رکھو۔ ان میں کسی طرح کی ناہمواری اور خلل نہ پایا جائے۔ ورنہ اس کا برا اثر تمھاری اجتماعیت پر پڑ کے رہے گا۔ تمھارے درمیان اختلافات رونما ہوں گے۔ تم میں باہم

یگانگت اور اتحاد باقی نہ رہ سکے گا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے تمھاری اجتماعیت میں ہی نہیں تمھارے چہروں میں بھی تغیر آجائے وہ متغیر ہو جائیں۔ تمھاری شخصیت میں کوئی جاذبیت اور اثر باقی نہ رہے۔ تم ہر جگہ رسوا و برباد ہو۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: لَا یَحِلُّ لِلرَّجُلِ اَنْ یَّھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ فَیُعْرِضُ ھٰذَا وَ یُعْرِضُ ھٰذَا وَ خَیْرُھُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ تین روز سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے رہے اور صورت یہ ہو کہ کہیں ان کا آمنا سامنا ہو جائے تو یہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لے اور وہ اپنا منہ دوسری طرف پھیر لے۔ اور ان دونوں میں بہتر شخص وہ ہے، جو (تعلق کو بحال کرنے کی خاطر) سلام میں پہل کرے۔''

تشریح: تین روز میں لازماً اپنے جذبات پر قابو پالینا چاہیے۔ ترکِ تعلقات تین روز سے زیادہ جائز نہیں ہے لیکن دینی مصالح کے پیشِ نظر یہ مدت تین دن سے زیادہ بھی طویل ہو سکتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے پیچھے خودغرضی، کبر اور ناپسندیدہ کوئی جذبہ کام نہ کر رہا ہو۔

دوسروں کا خیال اور نفسیات کی رعایت

(۱) وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: اِذَا مَرَّ اَحَدُکُمْ فِیْ مَسْجِدِنَا اَوْ فِیْ سُوْقِھَا وَ مَعَہٗ نَبْلٌ فَلْیُمْسِکْ عَلٰی نِصَالِھَا اَنْ یُّصِیْبَ اَحَدًا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْھَا بِشَیْءٍ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی ہماری مسجد یا ہمارے بازار سے گزرے اور اس کے پاس تیر ہوں تو اس کو چاہیے کہ ان کے پیکانوں پر ہاتھ رکھ لے تاکہ اس سے کسی مسلمان کو کوئی ضرر نہ پہنچے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مسجد ہو یا بازار جہاں لوگوں کا مجمع ہو وہاں اپنے ہتھیار کو بہت دیکھ بھال کر اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ خواہ تیر ہوں یا تلوار اور نیزہ وغیرہ کوئی دوسرا ہتھیار تاکہ غلطی سے کہیں کوئی شخص زخمی نہ ہو جائے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: مَنْ اَشَارَ اِلٰٓی اَخِیْہِ بِحَدِیْدَۃٍ فَاِنَّ

اَلْمَلٰئِکَةَ تَلْعَنُهٗ حَتّٰی یَضَعَهَا وَ اِنْ کَانَ اَخَاهُ لِاَبِیْهِ وَ اُمِّهٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''جس کسی شخص نے اپنے بھائی کی طرف لوہے (یعنی ہتھیار وغیرہ) سے اشارہ کیا تو فرشتے اس پر اس وقت تک لعنت کرتے ہیں جب تک کہ وہ اس لوہے کو رکھ نہ دے، اگرچہ وہ اس کا حقیقی بھائی ہی کیوں نہ ہو۔''

تشریح: نقصان پہنچانے کا ارادہ نہ بھی ہو، ہنسی مذاق میں بھی اشارۃً بھائی پر ہتھیار نہیں اٹھانا چاہیے۔ کس درجہ ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی تاکید اس حدیث میں کی گئی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ وَ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّﷺ قَالَ: مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السَّلاَحَ فَلَیْسَ مِنَّا رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَ زَادَ مُسْلِمٌ وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا.

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔'' اسے بخاری نے روایت کیا۔ مسلم نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ: ''جو شخص ہم کو فریب دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔''

تشریح: فرمایا جا رہا ہے کہ جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ یعنی اس کا یہ عمل ہمارے طریقے اور ہمارے لائے ہوئے دین کے بالکل خلاف ہے۔

مسلم کی روایت سے معلوم ہوا کہ اس کا طرزِ عمل بھی دین کے خلاف ہے جو کوئی چیز فروخت کرتے وقت فروخت کی جانے والی چیز میں پائے جانے والے عیب کو ظاہر نہ کرے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اِذَا خَطَبَ اَحَدُکُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مَا یَدْعُوْهُ اِلٰی نِکَاحِهَا فَلْیَفْعَلْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر اس کے لیے ممکن ہو کہ وہ اسے (ہاتھ، چہرہ) دیکھ سکے جو اس کو نکاح کی رغبت دلاتا ہے تو ایک نظر دیکھ لے۔''

تشریح: اپنی مخطوبہ کو نکاح سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے تاکہ نکاح پورے اطمینان اور رغبت کے ساتھ کرے۔ اور بعد میں کسی قسم کا پچھتاوا اور تاسف اسے نہ ہو۔ عورت کا حسن و جمال بے معنی نہیں ہے لیکن یہاں یہ بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ نکاح میں صرف حسن و جمال ہی پر نظر نہیں ہونی چاہیے بلکہ اصل قابلِ لحاظ چیز عورت کی دین داری، شرافت اور اخلاق ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِیَ ثَیِّبٌ فَکَرِهَتْ ذٰلِکَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَرَدَّ نِکَاحَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت خنساء بنت خذامؓ بیان کرتی ہیں کہ وہ بیوہ تھیں، ان کے والد نے (ان کی اجازت کے بغیر) ان کا کسی سے نکاح کر دیا اور انھیں یہ نکاح پسند نہ تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ نے ان کا نکاح جوان کے والد نے کر دیا تھا رد کر دیا۔"

تشریح: نکاح سے پہلے عورت سے اجازت لینی ضروری ہے۔ جو عورت بیوہ اور بالغ ہو اس کا نکاح اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ خود اپنی زبان سے اس کی اجازت نہ دے۔

〈۶〉 وَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَرِثُ الْمُسْلِمُ الْکَافِرَ وَلَا الْکَافِرُ الْمُسْلِمَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ کافر مسلمان کا وارث ہوتا ہے۔"

تشریح: اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کافر، مسلمان کا وارث نہیں ہوتا۔ اکثریت کے نزدیک مسلمان بھی اپنے کافر مورث کا وارث نہیں ہوتا، اس حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: لَا یَتَوَارَثُ اَهْلُ مِلَّتَیْنِ شَتّٰی (ابوداؤد) "دو مختلف دین رکھنے والوں میں وراثت نہیں ہوتی۔" ایک دوسری حدیث میں آیا ہے: اَلْوَلَدُ الزِّنَا لَا یَرِثُ مِنْ اَبِیْهِ وَلَا یَرِثُهٗ (ترمذی) "ولد الزنا اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہوگا۔" ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے: اَلْقَاتِلُ لَا یَرِثُ (قاتل وارث نہیں ہوتا)۔

ان روایات سے اس کا صرف ایک ضابطہ اور قانون ہی نہیں معلوم ہوتا کہ کون کون سے لوگ وراثت سے محروم ہوں گے بلکہ ان سے ایک بڑی حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ وراثت در حقیقت وارث اور مورِث کے درمیان گہرے تعلق اور رشتہ کی علامت ہے۔ باہمی رشتہ و تعلق زندگی کی ان چیزوں میں سے ہے، جن کا احترام ہر حالت میں واجب ہے۔ کسی کو ناحق قتل کر کے آدمی مقتول سے اپنی انتہائی بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی اس سے رشتہ جوڑنا رشتہ کی اہانت ہے۔ اس لیے رشتہ کی پاکیزگی اور اس کے غیرت مندانہ پہلو کا تقاضا ہے کہ قاتل مقتول کا وارث قرار نہ پائے۔ مقتول کی عزت و غیرت کی حفاظت اس کے مرنے کے بعد بھی کی جائے۔

''ولد الزنا اپنے باپ کا وارث نہ ہوگا۔ اور نہ اس کا باپ اس کا وارث ہوگا۔'' ولد الزنا اور اس کے باپ کے درمیان بھی وہ رشتہ نہیں پایا جاتا جو ایک جائز اولاد اور اس کے باپ کے مابین پایا جاتا ہے۔ باپ نے اس امانت کی حرمت کا خیال نہیں کیا جو خدا نے اسے بخشی تھی۔ اس نے اسے غلط جگہ سونپا اور ہمیشہ کے لیے اولاد کو داغِ رسوائی دے دیا جو مٹائے نہیں مٹتا۔ اس کا یہ فعل کسی قتل سے کم نہیں ہے۔ قتل میں آدمی کسی کی جان لیتا ہے اور زنا میں بدکار اپنی اولاد کی حرمت کو ذبح کر دیتا ہے۔ اگر وہ اپنی منکوحہ سے ہی تعلق رکھتا تو وہ اس کی جائز اولاد ہوتی اور اولاد اور باپ کے درمیان ایک دوسرے پر حقوق قائم ہوتے۔ لیکن اتنی بڑی خیانت کر کے بیٹے کو اس نے ایک ایسے صحرا میں ڈال دیا جہاں اسے کوئی سایہ نہ مل سکے۔ اسے ایک کمزور عورت کے حوالہ کر دیا اور اس کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا، جو خود سہارے کی محتاج ہوتی ہے، جس پاک رشتہ کو اس نے خاک میں ملا دیا اس میں وہ اپنا کوئی حق ڈھونڈے، خدا کو یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے۔

اسی طرح کافر اور مومن کے درمیان بھی کوئی وراثت نہیں ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ کافر اور مومن کے بیچ حقیقی رشتہ نہیں پایا جاتا۔ اس لیے ان میں کوئی بھی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہوسکا۔ سارے رشتوں کو اصل بنیاد خدا کا رشتہ ہے۔ چناں چہ فرمایا گیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء:۱) اور اس خدا کا ڈر رکھو، جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مدد کے طالب ہوتے ہو اور رشتے ناتے سے ڈرو۔'' جب اس نے رشتے کی اصل بنیادی کو ڈھا دیا تو پھر ان دونوں میں کیا رشتہ ہوسکتا ہے۔ زندگی میں تو کچھ امور میں ان میں باہم کچھ معاملات اور تعلقات ہوسکتے ہیں لیکن مرنے کے بعد تو یہ تعلقات بھی باقی نہیں رہتے۔ لیکن جن لوگوں کے رشتہ و تعلق کی بنیاد خدا ہوتا ہے ان کی موت سے ان کے رشتے ختم نہیں ہو جاتے، باقی رہتے ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ جب آپؐ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک مسلمان کے ہاتھ پر ایمان لایا تھا تو آپؐ نے فرمایا: هُوَ اَوْلَی النَّاسِ بِحَیَاتِهٖ وَ مَمَاتِهٖ (ابوداؤد) ''وہ شخص (جس کے ہاتھ پر وہ ایمان لایا) اولیٰ (مقدم) ہے لوگوں میں اس کی زندگی اور موت دونوں حالتوں میں۔'' معلوم ہوا کہ رشتہ و تعلق کا اپنا نازک پہلو بھی ہوتا ہے، جس کا پاس ولحاظ اور احترام ضروری ہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَخْطُبِ الرَّجُلُ عَلٰی خِطْبَةِ

اَخِیْهِ حَتّٰی یَنْکِحَ اَوْ یَتْرُکَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اپنے بھائی کے پیامِ نکاح پر اپنا پیام نہ دے، یہاں تک کہ وہ نکاح کر لے یا نکاح کا ارادہ ترک کردے۔''

تشریح: کسی شخص کی مخطوبہ سے نکاح کا پیغام بھیجنا مروت اور شرافت اور اسلامی اخوت کے منافی ہے۔ اور اگر شادی کا معاملہ تقریباً طے ہو چکا ہو، اس صورت میں پیغامِ نکاح بھیجنا بالکل ہی نادرست ہوگا۔

﴿۸﴾ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِﷺ قَالَ: لاَ تَبَاغَضُوْا وَلاَ تَحَاسَدُوْا وَلاَ تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا وَّلاَ یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یُّهْجَرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلٰثِ لَیَالٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ''باہم ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، اور نہ حسد کرو، اور نہ پیٹھ دکھاؤ اور ہو جاؤ اللہ کے بندے بھائی بھائی۔ کسی مسلم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین روز سے زیادہ چھوڑ دے (اور اس سے تعلق نہ رکھے)۔''

تشریح: پیٹھ نہ دکھاؤ یعنی ملاقات ترک نہ کرو۔ سماج میں آپس کے تعلقات کس درجہ پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ اس کا بخوبی اندازہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے، آپس میں نہ حسد ہو، نہ بغض اور کینہ، سبھی ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ کوئی کسی کو غیر تصور نہ کرے۔ اور اگر خدانہ خواستہ کسی سے ناچاقی ہو جائے تو تین دن سے زیادہ اسے آگے نہ بڑھنے دے، ایک روایت میں ہے: فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلاَثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (ابوداؤد) ''جو شخص (بھائی کو) تین دن سے زیادہ چھوڑ دے اور (ملاپ کرنے سے پہلے) مر گیا تو وہ جہنم میں گیا۔'' اسی طرح ایک روایت میں ہے: مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ (ابوداؤد) ''جو شخص اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑ دے تو گویا اس نے اس کو قتل کر دیا۔''

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: اَلاَ اُخْبِرُكُمْ بِاَفْضَلِ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ: اِصْلاَحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ الْحَالِقَةُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمھیں

بتاؤں کہ روزے، نماز اور صدقہ سے بھی درجہ میں افضل کیا چیز ہے۔'' لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا: ''آپس میں (بگاڑ ہو تو) صلح کرانا اور باہمی تعلقات میں فساد (یا فساد ڈالنا) مونڈ دینے والی چیز ہے۔''

تشریح: یعنی تعلقات میں فساد ڈالنا، ایسا فعل ہے جو ساری نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ بلکہ یہ چیز دین ہی کو جڑ سے میٹ دینے والی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دین و ایمان کا ہمارے اخلاق و اعمال سے نہایت گہرا ربط و تعلق ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے نقطۂ نظر سے دین زندگی کا کوئی ضمیمہ یا محض ایک جز و نہیں ہے بلکہ تمام زندگی ہے۔ مسئلہ فکر و نظر کا ہو یا مختلف میدانوں میں انسان کی سعی و جہد کا۔ اسلام تمام ہی امور میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہمارا ہر قدم راہِ راست پر پڑے اور ہماری زندگی کج روی سے بچ سکے۔ زندگی کے لامتناہی سفر میں جس کا سلسلہ دنیا سے لے کر آخرت تک چلا جاتا ہے، ہر مرحلے سے ہم کامیابی کے ساتھ گزر سکیں۔

مباحات میں توسع

﴿۱﴾ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ اَبِيهِ قَالَ: سَالْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَنْ طَعَامِ النَّصَارٰى وَ فِيْ رِوَايَةٍ سَالَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: اِنَّ مِنَ الطَّعَامِ طَعَامًا اَتَحَرَّجُ مِنْهُ فَقَالَ: لاَ يَتَخَلَّجَنَّ فِيْ صَدْرِكَ شَيْءٌ ضَارَعْتَ فِيْهِ النَّصْرَانِيَّةَ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت قبیصہ بن ہلبؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے عیسائیوں کے کھانے کے بارے میں دریافت کیا (کہ ہم کھائیں یا نہ کھائیں؟) ایک روایت میں ہے کہ کسی اور شخص نے آں حضرتؐ سے مسئلہ دریافت کیا۔ چناں چہ اس نے عرض کیا کہ کھانوں میں ایک کھانا ایسا ہے (یعنی اہل کتاب کا کھانا) جس سے میں پرہیز کرتا ہوں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''تمھارے دل میں کوئی خلجان پیدا نہ ہو کہ اس میں نصرانیت کے مشابہ ہو گے۔''

تشریح: یعنی اسلام میں اباحت کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔ اسلام میں سختی اور دشواری کو روا نہیں رکھا گیا ہے۔ تمھیں تو اپنے عمل سے یہ دکھانا چاہیے کہ تمھارا دین کس درجہ فطری، سیدھا سادہ اور آسان ہے۔ جب تک کھانے کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو، محض شک و شبہ کی وجہ سے اس سے پرہیز کرنا یا اس کے کھانے میں تردد کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے۔ تم ہر قوم کا پکایا ہوا کھانا کھا سکتے ہو

جب تک کہ یہ یقین نہ ہو کہ اس میں کوئی حرام شے شامل کردی گئی ہے۔ واضح رہے کہ سائل عدی بن حاتم تھے، جو اسلام لانے سے پہلے نصرانی تھے۔

حضرت غضیف بن حارثؓ نے حضور ﷺ کے بعض معمولات کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کبھی آپ ﷺ غسلِ جنابت فوراً کرلیا کرتے تھے اور کبھی رات کے آخری حصے میں غسل فرماتے تھے۔ اسی طرح وتر کبھی رات کے اول حصے میں ادا فرماتے تھے اور کبھی رات کے آخر میں ادا فرماتے تھے۔ اور اسی طرح تہجد کی نماز میں کبھی بلند آواز سے قرأت فرماتے تھے اور کبھی آہستہ قرأت فرماتے تھے۔ اس پر حضرت غضیف بن حارثؓ نے کہا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً (ابوداؤد، ابن ماجہ) ''اللہ اکبر! حمد و شکر اللہ کے لیے ہے، جس نے دینی امور میں کشادگی اور آسانی رکھی ہے۔''

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: نَادٰى فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمَ انْصَرَفَ عَنِ الْاَحْزَابِ اَنْ لَّا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الظُّهْرَ اِلَّا فِيْ قُرَيْظَةَ فَتَخَوَّفَ نَاسٌ فَوْتَ الْوَقْتِ فَصَلُّوْا دُوْنَ بَنِيْ قُرَيْظَةَ وَ قَالَ الْاٰخَرُوْنَ لَا نُصَلِّيْ اِلَّا حَيْثُ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اِنْ فَاتَنَا الْوَقْتُ قَالَ: قَالَ: فَمَا عَنَّفَ وَاحِدًا مِّنَ الْفَرِيْقَيْنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن عمرؓ) سے روایت ہے کہ جب آپؐ غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ہم میں اعلان فرمایا کہ ''کوئی شخص ظہر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنی قریظہ کے محلّہ میں نہ پہنچ جائے۔'' بعض لوگوں کو نماز کے قضا ہو جانے کا خوف ہوا، انھوں نے بنی قریظہ کے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لی۔ دوسرے لوگوں نے کہا کہ ہم تو جہاں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے وہاں ہی نماز پڑھیں گے، خواہ نماز قضا ہی کیوں نہ ہو جائے۔ آپ ﷺ دونوں گروہوں میں سے کسی پر بھی خفا نہیں ہوئے۔

تشریح: کوئی ظہر کی نماز نہ پڑھے جب تک بنی قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔ ایک روایت میں ظہر کے بجائے عصر کا ذکر ہے۔ ممکن ہے جس وقت آپ نے اعلان فرمایا اس وقت بعض حضرات نماز ظہر ادا کر چکے ہوں۔ انھیں حکم ہوا کہ وہ اب نمازِ عصر بنی قریظہ میں پڑھیں اور جن لوگوں نے نمازِ ظہر ادا نہیں کی تھی انھیں حکم ہوا کہ وہ ظہر کی نماز بنی قریظہ میں پڑھیں۔

بنی قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا۔ جنگِ احزاب کے موقع پر عہد و پیمان کے مطابق

اسے مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن وہ اپنے عہد و پیمان سے پھر گیا اور اس نے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کے لیے خطرہ پیدا کر دیا۔ چناں چہ تین ہزار مسلمانوں میں سے ایک حصہ کو شہر کی حفاظت کے لیے مامور کرنا پڑا۔ جنگ احزاب کی مصیبت ٹلی تو نبی ﷺ نے بنی قریظہ کی سرکوبی کی مہم پر صحابہؓ کو روانہ فرمایا تھا۔

صحابہؓ کے ایک گروہ کو جب یہ خوف ہوا کہ بنی قریظہ کے یہاں پہنچنے پر نماز کا وقت باقی نہ رہے گا تو اس نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی۔ اس نے سمجھا کہ حضور ﷺ کے ارشاد کا منشاء یہ نہیں تھا کہ نماز قضا کی جائے بلکہ آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ ہماری کوشش یہ ہو کہ ہم وہاں پہنچ کر نماز ادا کر سکیں۔ لیکن جب ہم وقت پر وہاں پہنچنے سے قاصر رہے اور یہ اندیشہ ہے کہ نماز قضا ہو جائے گی تو وہاں پہنچے سے پہلے ہی نماز پڑھ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

دوسرے گروہ کا فیصلہ یہ تھا کہ ہم کو نماز وہاں ہی ادا کرنی چاہیے جہاں اسے ادا کرنے کی آپؐ نے تاکید فرمائی ہے۔ خواہ ہمیں نماز قضا ہی کیوں نہ پڑھنی پڑے۔ جب نبی ﷺ کو ان کے اس اختلاف کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے کسی کی گرفت نہیں فرمائی۔ اور کسی گروہ سے یہ نہیں کہا کہ تم نے ہماری نافرمانی کی ہے۔ دونوں گروہوں نے اپنی سمجھ اور اجتہاد کے لحاظ سے حکم کا جو منشاء سمجھا اس کی پیروی کی۔ اس لیے کسی ایک کو بھی نافرمانی کا مرتکب قرار نہیں دیا گیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ دینی امور میں بہت توسع ہے۔ دین کا دامن ایسا تنگ نہیں ہے، جیسا کہ بعض شدت پسند لوگ سمجھتے ہیں۔ اس شدت پسندی سے امت کو جو نقصان پہنچا ہے اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اس شدت پسندی نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیْ جُرْثُوْم بْنِ نَاشِرٍؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی فَرَضَ الْفَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْهَا وَ حَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَ حَرَّمَ اَشْیَاءَ فَلَا تَنْتَهِکُوْهَا وَ سَکَتَ عَنْ اَشْیَآءَ رَحْمَةً لَّکُمْ غَیْرَ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْهَا. (الدار قطنی)

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ الخشنی جرثوم بن ناشرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا:
”بے شک اللہ نے تم پر فرائض کو لازم فرمایا ہے پس ان کو ضائع نہ کرنا۔ اور اس نے حدود مقرر کی ہیں۔ پس ان سے تجاوز نہ کرنا۔ اور اس نے بہت سی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے تو تم ان کے قریب نہ جانا اور اس نے بہت سی چیزوں کے بارے میں بغیر کسی نسیان اور بھول کے سکوت فرمایا ہے۔ یہ تمھارے لیے اس کی رحمت ہے۔ پس تم ان کے بارے میں کرید میں نہ پڑنا۔“

تشریح: فرائض اور حدود متعین کردیے گئے ہیں۔ اسی طرح جو چیزیں حرام ہیں، ان سے بھی آگاہ کردیا گیا۔ فرائض کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں۔ اور جو چیزیں حرام ہیں ان کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ اشیا میں اصل اباحت ہے اور اس کا دائرہ نہایت وسیع رکھا گیا ہے۔ یہ خدا کی رحمت اور اس کی نوازش ہے۔ جن چیزوں کے بارے میں اللہ نے سکوت اختیار فرمایا ہے تو یہ سکوت بھول کر نہیں بلکہ اپنے قصد اور ارادے سے اختیار کیا ہے۔ کھود کرید اور بے جا کاوش سے ان کو حرام ٹھہرانے کی کوشش نہ کریں۔ رحمت کے دائرے کو تنگ سے تنگ تر کرنے کی کوشش سراسر رحمت کی ناقدری ہے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍؓ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ اَنَّ اَعْظَمَ الْمُسْلِمِیْنَ جُرْمًا مَّنْ سَالَ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ اَجْلِ مَسْئَلَتِهٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاصؓ اپنے والد (سعد بن ابی وقاص) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے، جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہ تھی، اس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ حرام کردی گئی۔“

تشریح: یعنی ایک چیز مباح تھی۔ اپنی خواہش اور ضرورت کے لحاظ سے آدمی اس سے استفادہ کرسکتا تھا۔ لیکن اس کے بارے میں سوال کرنے کے بعد شارع نے اس کے متعلق کوئی متعین فیصلہ کردیا۔ اس سے روک دیا یا اس کے سلسلے میں کچھ پابندیاں عائد کردیں۔ اِس طرح اُس میں وہ کشادگی اور وسعت باقی نہ رہی جو پہلے پائی جاتی تھی۔ ایسا شخص جو سوال کرکے امت سے اس کی آسانیوں اور سہولتوں کو چھین لیتا ہے، امت کا محسن نہیں ہوسکتا بلکہ وہ مجرم ہے اور مجرم بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ اس کا جرم نہایت شدید قسم کا ہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: دَعُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَ اِخْتِلَافِهِمْ عَلٰی اَنْبِیَآئِهِمْ فَاِذَا نَهَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ وَ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِاَمْرٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تمھیں چھوڑ دوں۔ تم سے پہلے جو قومیں گزری ہیں وہ اپنے سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہوئی ہیں۔ پس جب میں تمھیں کسی چیز سے روکوں تو اس سے کنارہ کشی اختیار کرو

اور جب تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو جس قدر تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو۔‘‘

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کثرتِ سوال اور بے جا تفتیش سے بچو۔ دین و شریعت کو کشادہ دامن رہنے دو۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ پہلے تو انھوں نے اسے ہنسی اور مذاق سمجھا۔ پھر سوال پر سوال کر کے کہ گائے کیسی ہو؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اپنے لیے تنگی پیدا کرتے چلے گئے۔ ورنہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر کے حکم خداوندی کی تعمیل کر سکتے تھے۔

پچھلی قوموں کی ہلاکت کے وجوہ و اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ بھی رہا ہے کہ وہ کثرتِ سوال سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ اپنی بدبختی سے دین کو اپنے لیے سخت اور مشکل بنا لیتے تھے۔ ان کی شرارتوں کی وجہ سے سزا کے طور پر بھی ان کو سخت قسم کے احکام دیے جاتے۔ صبر و تحمل کے ساتھ احکام کی پابندی کے بجائے وہ اپنے انبیاء کی نافرمانی کے مرتکب ہوتے تھے۔ اس کا انجام ہلاکت کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فَرَضَ عَلَیْکُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا ’’اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس تم حج کرو۔‘‘ اس پر ایک شخص نے سوال کر دیا کہ کیا ہر سال حج کریں؟ آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَمَّا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سَوَالِھِمْ وَ اخْتِلَافِھِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِھِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْہُ (مسلم) ’’اگر میں کہتا کہ ہاں تو ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: تم مجھے چھوڑ دو جب تک کہ میں تمھیں چھوڑ دوں، اس لیے کہ جو لوگ تم سے پہلے تھے کثرتِ سوال اور اپنے انبیاء سے اختلاف کے سبب ہلاک ہوئے۔ لہٰذا جب میں تمھیں کسی بات کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت تم اس پر عمل کرو اور جب بھی تمھیں کسی بات سے منع کروں تو تم اسے چھوڑ دو۔‘‘ آپؐ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دین میں کوئی تنگی اور حرج نہیں ہے۔ حسبِ استطاعت احکام پر عمل کرنا چاہیے۔ مثلاً اگر تم کھڑے ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو۔ اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو لیٹے ہی لیٹے نماز پڑھو مگر نماز ادا ضرور کرو۔ اسی پر دوسرے اعمال کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ شریعت کے اسی مزاج کو دیکھتے ہوئے حضرت سفیان الثوریؒ نے فقیہ اسے کہا ہے، جس کی نگاہ

شریعت میں توسع پر ہو اور وہ لوگوں کے لیے سہولت اور آسانی پیدا کردے۔ رہی سختی اور شدت پسندی تو اس میں بہت سے باکمال نکلیں گے۔

فتنہ وفساد پیدا کرنا

﴿۱﴾ عَنْ عَرْفَجَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ هَنَاتٌ وَ هَنَاتٌ وَهَنَاتٌ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّفَرِّقَ اَمْرَ الْمُسْلِمِيْنَ وَهُمْ جَمِيْعٌ فَاضْرِبُوْهُ بِالسَّيْفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عرفجہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''میری امت میں شر وفساد برپا ہوگا، شر وفساد برپا ہوگا، شر وفساد برپا ہوگا۔ پھر جو شخص مسلمانوں کے معاملے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہے جب کہ ان میں اتحاد واتفاق ہو تو ایسے شخص کو تلوار سے مارو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

تشریح: اس سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے اندر تفرقہ پیدا کرنا اور اسے بڑھاوا دینا سنگین جرم ہے۔ اس جرم کی سنگینی اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب کہ امت کے اندر اتفاق واتحاد کی فضا پائی جاتی ہو۔ امت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے والا سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے۔ حکومتِ اسلامی کسی ایسے مجرم کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتی خواہ بظاہر وہ بلند مرتبہ کا شخص ہی کیوں نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِنَّ اِبْلِيْسَ يَضَعُ عَرْشَهٗ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ فَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً اَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً يُجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ فَعَلْتُ كَذَا وَ كَذَا مَا صَنَعْتَ شَيْئًا ثُمَّ يُجِيْئُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ: مَا تَرَكْتُهٗ حَتّٰى فَرَّقْتُ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ اِمْرَأَتِهٖ فَيُدْنِيْهِ مِنْهُ فَيَقُوْلُ: نَعَمْ اَنْتَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابلیس اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے، پھر اپنے لشکروں کو (فساد ڈالنے کو) بھیجتا ہے۔ ان میں اس سے مرتبے میں زیادہ قریب وہ ہوتا ہے، جو ان میں سے بڑا فساد ڈالے۔ کوئی ان میں سے آکر کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کام کیا۔ شیطان کہتا ہے کہ تم نے کچھ بھی نہیں کیا۔ پھر کوئی آکر اطلاع دیتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو چھوڑا نہیں (اس کے پیچھے پڑا رہا) جب تک کہ میں نے اس میں اور اس کی بیوی میں

جدائی نہیں کرادی۔ شیطان اس کو اپنے سے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں، تو نے بڑا کام کیا (تو مجھے محبوب ہے)۔"

تشریح: شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈالنا شیطان کی نگاہ میں بہت بڑا کارنامہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی مستحکم معاشرہ کی اصل بنیاد خاندان کا استحکام ہے۔ معاشرہ خاندانوں کے ہی ذریعے سے وجود میں آتا ہے۔ معاشرہ کی اصل بنیاد یعنی خاندان میں اگر ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے تو یہ شیطان کے لیے سب سے بڑھ کر مسرت کی چیز ہوگی۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسانی یا اسلامی معاشرہ مستحکم اور پائدار بنیادوں پر قائم ہو اور اس کے اندر عدل و انصاف، سوز و محبت، دردمندی اور غم گساری کی فضا پائی جائے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اِذَا تَوَجَّہَ الْمُسْلِمَانِ بِسَیْفِہِمَا فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِی النَّارِ. قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذَا الْقَاتِلُ فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ؟ قَالَ: اِنَّہٗ اَرَادَ قَتْلَ صَاحِبِہٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کو مارنے کے لیے اٹھیں تو قاتل اور مقتول دونوں ہی دوزخ میں جائیں گے۔" ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، قاتل تو (جہنم میں) جائے گا، مگر آخر مقتول کیوں جائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: "اس کا ارادہ بھی تو اپنے ساتھی کو قتل کرنے کا تھا (گرچہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا)۔"

تشریح: یعنی اس نے ایک مسلمان کے قتل کے اقدام سے خود کو روکا نہیں، یہ الگ بات ہے کہ وہ خود مارا گیا۔ اس لیے جہنم کا مستحق وہ بھی ہے۔

تادیب

(۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَنْفِقْ عَلٰی اَھْلِکَ مِنْ طُوْلِکَ وَ لَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَبًا وَ اَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ. (طبرانی)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا۔ اور تادیب کی چھڑی ان سے نہ ہٹانا اور اللہ کے معاملے میں انھیں خائف رکھنا۔"

تشریح: نبی ﷺ اہل وعیال کے سلسلے میں جو تاکید فرما رہے ہیں دین میں اسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ آپؐ فرما رہے ہیں کہ ان کے کھلانے پلانے میں بخل سے کام نہ لینا۔ اپنی حیثیت کے لحاظ سے انھیں کھلاؤ پلاؤ اور ان کی ضرورتیں پوری کرو۔ ان کی تعلیم اور علاج وغیرہ میں خرچ کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

پھر ان کی تربیت لازم ہے۔ اس کی طرف سے کبھی غافل نہ ہونا۔ اس سلسلے میں کچھ سختی سے کام لینا پڑے تو سختی سے کام لے سکتے ہیں۔ انھیں اپنی طرف سے ایسا نڈر اور بے خوف نہ بنا دینا کہ انھیں تمھاری پروانہ ہو اور وہ من مانی کرنے لگ جائیں۔ تعلیم و تربیت میں نرمی کے ساتھ سختی کی بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ البتہ اس بات کا خیال رہے کہ ضربِ شدید نہ ہو اور نہ ان کے منہ پر مارنا۔ ایسا کرنا کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں اور اس کے حقوق کو وہ پہچانیں۔ ان کی زندگی تقویٰ کی ہو۔ لمبی حدیث کا یہ ایک حصہ ہے جو یہاں نقل کیا گیا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ اَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَآءُ عَشْرٍ وَ فَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِى الْمَضَاجِعِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''اپنی اولاد کو جب وہ سات برس کے ہو جائیں نماز پڑھنے کا حکم دو۔ اور جب وہ دس برس کے ہو جائیں تو انھیں نماز کے لیے مارو اور بستروں پر انھیں الگ الگ سلاؤ۔''

تشریح: بچے اگر دس برس کے ہو گئے پھر بھی نماز نہیں پڑھتے تو ذرا سختی سے کام لو تا کہ وہ نماز کے پابند ہو سکیں۔ دس برس کی عمر میں بچوں میں جنسی حس بیدار ہونے لگتی ہے۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ وہ الگ الگ بستر پر سوئیں۔

تعلیم و تربیت

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَلِّمُوْا وَ يَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ وَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ. (احمد و الطبرانی فی الکبیر)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے ارشاد فرمایا: ”(لوگوں کو) تعلیم دو اور آسانی پیدا کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو چاہیے کہ وہ خاموشی اختیار کر لے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو چاہیے کہ وہ خاموشی اختیار کر لے، جب تم میں سے کسی کو غصہ آ جائے تو چاہیے کہ وہ خاموشی اختیار کر لے۔“

تشریح: اپنی اولاد کی طرح عام لوگوں کا بھی ہم پر حق ہوتا ہے اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں کو دین سکھاؤ۔ دین کی تعلیم و ترویج میں غفلت سے کام لینا ظلم ہے۔ لوگوں کو دین کی تعلیمات سے باخبر کرنا تمھارا فرض ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ تمھیں آسانی فراہم کرنی ہے۔ کسی معاملے میں دشواری اور تنگی پیدا کرنا خود دین کے اپنے مزاج کے خلاف ہے۔ بعض لوگ سختی اور شدت پسندی کو ہی دین سمجھتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام تو آیا ہی اس لیے ہے کہ بے جا سختیوں اور بندشوں سے لوگوں کو نجات دلائے اور راہِ اعتدال کی طرف ان کی رہنمائی کرے۔

غصہ آ جائے تو بتایا جا رہا ہے کہ اس کا یہ ایک علاج ہے کہ غصہ آنے پر آدمی خاموش ہو جائے۔ یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔ اس سے اس کی قدر و قیمت اور ضرورت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ غصہ آنے پر خاموش ہو جائے تا کہ بات کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے اور کوئی خرابی رونما نہ ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ غصہ آئے تو آدمی وضو کر لے۔ غصہ کو فرو کرنے کی یہ بھی ایک کارگر اور عمدہ تدبیر ہے۔ وضو سے غصہ کی حدت اور تیزی دور ہو جائے گی اور اس طرح غصہ کی جو آگ بھڑک اٹھی تھی وہ ٹھنڈی پڑ جائے گی۔

برائی کو مٹانا

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِﷺ قَالَ: مَنْ رَاٰیَ مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ رسول اللہﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اسے اس کی طاقت

حاصل نہ ہو تو پھر اپنی زبان کے ذریعے سے بدلنے کی کوشش کرے اور اگر اسے اس کی بھی قدرت نہ ہو تو پھر دل سے ہی (اسے برا جانے اور اس کے مٹ جانے کی تمنا کرے) اور یہ سب سے کمزور ایمان کی بات ہے۔"

تشریح: یعنی تمھاری کوشش یہ ہو کہ سماج میں کوئی برائی پنپنے نہ پائے۔ جب بھی معاشرہ میں کوئی برائی یا خلافِ شرع کوئی چیز دکھائی دے۔ اسے فوراً اپنی قوت سے مٹادیں تاکہ وہ برائی اپنی جگہ باقی نہ رہے، لیکن اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کریں۔ لوگوں کو اس کی طرف توجہ دلائیں کہ وہ اس برائی کو ہرگز گوارا نہ کریں۔ اور اگر اس کی بھی کسی شخص میں ہمت اور جرأت نہیں ہے تو کم از کم وہ اپنے دل میں ہی اس برائی سے کڑھن محسوس کرے۔ اور اس عزم پر قائم رہے کہ جب بھی اسے طاقت حاصل ہوگی وہ برائی کے خلاف آواز بلند کرے گا اور اگر اسے مٹادینے کی طاقت حاصل ہوئی تو اسے نیست و نابود کر کے رہے گا۔ یہ ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ وہ اپنے دل میں بھی برائی سے کوئی اذیت محسوس نہیں کرتا تو پھر اسے اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، اس لیے کہ مومن کے قلب کی یہ حالت نہیں ہوا کرتی۔

سفارش

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ کَانَ اِذَا اَتَاهُ السَّائِلُ اَوْ صَاحِبُ الْحَاجَةِ قَالَ: اِشْفَعُوْا فَلْتُؤْجَرُوْا، وَ یَقْضِیَ اللّٰهُ عَلٰی لِسَانِ رَسُوْلِهٖ مَا شَآءَ.

(بخاری، مسلم)

ترجمه: حضرت ابوموسیٰؓ نبی ﷺ کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جب آپ ﷺ کے پاس کوئی سائل یا حاجت مند آتا تو آپؐ فرماتے کہ "اس کے لیے سفارش کرو، اس پر تمھیں اجر ملے گا۔" اور اللہ اپنے رسول کی زبان سے جو چاہتا ہے فیصلہ صادر فرماتا ہے۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ضرورت مند کی مدد کرو اور دوسروں کو بھی اس بات پر اُبھارو کہ وہ حاجت مند کی حاجت روائی کریں۔ یہ کام اجر و ثواب کا ہے۔ پھر آپ ﷺ دیتے جو کچھ دینے کا فیصلہ فرماتے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ

اللّٰہِ اِنِّیْ اُبْدِعَ بِیْ فَاحْمِلْنِیْ، قَالَ: لاَ اَجِدُ مَا اَحْمِلُکَ عَلَیْہِ وَلٰکِنْ اِئْتِ فُلَانًا فَلَعَلَّہٗ اَنْ یَّحْمِلَکَ فَاَتَاہُ فَحَمَلَہٗ فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَاَخْبَرَہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابومسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میرے پاس سواری نہیں ہے، مجھے سواری دے دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس تو سواری نہیں ہے، لیکن تم فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ۔ شاید وہ تمہیں سواری دے دے۔'' وہ اس کے پاس چلا گیا۔ اس نے اسے سواری دے دی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی نیک بات کی رہنمائی کرے تو اُسے اتنا ہی اجر و ثواب ہے جتنا اس کے کرنے والے کو ہے۔''

تشریح: یعنی اجر و ثواب کا مستحق صرف وہی شخص نہیں ہوتا، جو دوسروں کے کام آتا ہے اور ان کی حاجت روائی کرتا ہے۔ بلکہ اسے بھی بھرپور اجر و ثواب ملتا ہے جو ہمدردی اور غم گساری کے جذبہ سے کسی کو نیک مشورہ دیتا ہے۔ اور اس کی رہنمائی کرتا ہے۔

قرض

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّنَجِّیَہُ اللّٰہُ مِنْ کُرَبِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ فَلْیُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ اَوْ یَضَعْ عَنْہُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اللہ اسے قیامت کے روز کی سختیوں سے بچائے تو اُسے چاہیے کہ وہ (اپنا قرض وصول کرنے میں) تنگ دست کو مہلت دے یا اپنا قرض معاف کر دے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر آدمی ایک دوسرے سے قرض لے سکتا ہے۔ لیکن اسے قرض ادا کرنے کی فکر رہنی چاہیے۔ جتنی جلد ممکن ہو قرض دینے والے شخص کا قرض لوٹا دے۔ دوسری طرف قرض دینے والے شخص کو بھی قرض کی وصولی میں نرمی سے کام لینا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو تنگ دست قرض دار کو مہلت دے تاکہ وہ آسانی سے قرض ادا کر سکے۔ اور اگر وہ تنگ دست و پریشان حال قرض دار کا پورا قرض یا اس کا کچھ حصہ معاف

کردے تو یہ اور زیادہ بہتر ہے۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ خوشنودیِ رب کا مستحق ہو جائے گا۔ خدا قیامت کی مشکلات میں اس کے لیے آسانیاں پیدا کرے گا۔ اور اس روز کی سختیوں سے اُسے نجات دے گا۔

وعدہ

〈۱〉 عَنْ عَلِيٍّؓ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْعِدَةُ دَيْنٌ.

(الطبرانی فی الاوسط)

ترجمہ: حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وعدہ بھی ایک قرض ہے (جسے ادا ہونا چاہیے)۔''

تشریح: یعنی جس طرح قرض کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح کسی شخص سے جو وعدہ کرو اسے بھی پورا کرو۔ وعدہ خلافی اسی طرح کی بددیانتی ہے، جس طرح کی بددیانتی اسے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی قرض تو لے لیکن قرض لے کر اسے ادا کرنے کی اسے کوئی فکر نہ ہو۔

خبرِ واحد

〈۱〉 عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: كُنْتُ اَسْقِيْ اَبَا طَلْحَةَ الْاَنْصَارِيّ وَ اَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ وَ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ شَرَابًا مِنْ فَضِيْحٍ وَّ هُوَ تَمْرٌ فَجَاءَهُمْ اٰتٍ فَقَالَ: اِنَّ الْخَمْرَ قَدْ حُرِّمَتْ. قَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ: يَا اَنَسُ قُمْ اِلٰى هٰذِهِ الْجِرَارِ فَاكْسِرْهَا. قَالَ اَنَسٌ: فَقُمْتُ اِلٰى مِهْرَاسٍ لَّنَا فَضَرَبْتُهَا بِاَسْفَلِهٖ حَتّٰى اِنْكَسَرَتْ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوطلحہ انصاریؓ، ابوعبیدہ بن جراحؓ اور ابی بن کعبؓ کو فضیح یعنی کھجور کی شراب پلا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ ''شراب حرام کردی گئی۔'' ابوطلحہؓ نے کہا کہ اے انسؓ اٹھ کر ان (شراب کے) مٹکوں کے پاس جاؤ اور ان کو توڑ دو۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا، ایک مہراس جو ہمارے پاس تھا اسے میں نے ان مٹکوں پر مارا یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گئے۔

تشریح: اس روایت سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس درجہ کا ایمان رکھتے تھے۔

یہ سنتے ہی کہ شراب حرام ہوگئی۔ شراب کے مٹکے توڑ دیے جاتے ہیں۔ اور شراب کا ایک گھونٹ بھی حلق کے نیچے اترنے نہیں دیا جاتا۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی بات پر یقین کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس کی خبر ہم تک کئی آدمیوں کے ذریعے سے پہنچی ہو۔ قرائن کی موجودگی میں ایک آدمی کی دی ہوئی اطلاع بھی یقین کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین اور فقہا خبر واحد کی روایات کو بھی قبول کرتے ہیں بشرطیکہ درایت کے لحاظ سے ان میں کوئی نقص اور عیب نہ پایا جاتا ہو۔

اجتماعی مصالح

قوم کے جذبات کا لحاظ

(۱) عَنْ عَائِشَةَ ؓ قَالَتْ: قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَوْلاَ حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِکِ بِالْکُفْرِ لَنَقَضْتُ الْبَیْتَ وَلَجَعَلْتُهَا عَلٰی اَسَاسِ اِبْرَاهِیْمَ فَاِنَّ قُرَیْشًا حِیْنَ بَنَتِ الْبَیْتَ اِسْتَقْصَرَتْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تمھاری قوم کا زمانۂ کفر ابھی جلد ہی نہ گزرا ہوتا تو میں کعبہ کو توڑ کر اساسِ ابراہیمی پر اس کی تعمیر کرا دیتا۔ اس لیے کہ قریش نے کعبہ کی (نئی تعمیر) کے وقت اسے چھوٹا کر دیا۔‘‘

تشریح: حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنیاد پر تعمیر کرانے کی بات کہی تھی، اس لیے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ میں ایسا کرتا لیکن چوں کہ تمھاری قوم یعنی قریش کی جاہلیت کا زمانہ گزرے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے ہیں۔ کعبہ کی کسی دیوار کو منہدم کرنا ان پر بے حد شاق گزرے گا۔ اس لیے ہم اسے اس کی موجودہ حالت پر رہنے دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسولِ خدا ﷺ ان دو رُکنوں کا استلام نہیں کرتے تھے، جو ابراہیمی بنیاد پر نہیں تھے۔ یعنی آپ ﷺ رکنِ شامی اور رُکنِ عراقی کا استلام نہیں فرماتے تھے۔ کعبہ کے چار گوشے ہیں۔ ہر گوشہ کو رکن کہتے ہیں۔ ایک رکن حجر اسود کا ہے۔ اس کے بالمقابل مغربی جانب کا گوشہ رکنِ یمانی کہلاتا ہے۔ رکنِ یمانی کو دونوں ہاتھوں یا صرف دائیں ہاتھ سے چھونا سنت ہے۔ حجر اسود کا استلام یعنی بوسہ دینا یا ہاتھ لگانا پہلی مرتبہ اور آٹھویں مرتبہ

سنتِ موکدہ ہے۔ باقی دو رُکن (رکنِ شامی اور رکنِ عراقی) کا استلام نہیں کیا جاتا۔ ان کا استلام کریں تو پورے کعبہ کا طواف نہ ہوگا۔ ارضِ کعبہ کا کچھ حصہ طواف سے رہ جائے گا۔ اسی لیے طواف حطیم کے اندر سے نہیں باہر سے کیا جاتا ہے۔ حطیم حقیقت میں کعبہ ہی کا حصہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر کعبہ کی تعمیرِنو نہ کرانے کی مصلحت آپؐ نے یہ بیان فرمائی کہ یہ قریش پر نہایت گراں گزرے گا۔ اس لیے کہ ابھی جلد ہی یہ قوم ایمان لائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی اہم اقدام کرنے سے پہلے حتی الامکان مصلحتوں اور خاص طور سے اجتماعی مصالح کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، جس کام میں فتنہ کا اندیشہ ہو اور وہ کام فرض نہ ہو تو اسے ترک کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ حکمت و مصلحت اسی میں ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے۔

احتیاط

(۱) عَنْ جَابِرٍؓ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّہٗ قَالَ: غُطُّوا الْاِنَآءَ وَ اَوْکُوا السِّقَآءَ وَ اَغْلِقُوا الْبَابَ وَ اَطْفِؤُا السِّرَاجَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''برتن کو ڈھانک دیا کرو، مشکیزہ کو ڈاٹ لگا دو، دروازے کو (رات میں) بند کر دیا کرو اور چراغ کو (سوتے وقت) بجھا دیا کرو۔''

تشریح: یعنی احتیاط کا جو تقاضا ہوتا ہے اس کی طرف سے ہرگز غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اگر برتن کو کھلا ہوا بغیر ڈھانکے یوں ہی رہنے دیا یا مشکیزہ کا منہ ڈاٹ لگا کر بند نہیں کیا تو بہت ممکن ہے کہ برتن یا پانی میں کیڑا مکوڑا داخل ہو جائے۔ دروازے کو کھلا رکھنے میں اندیشہ ہے کہ کوئی اجنبی یا کتا وغیرہ کوئی جانور گھر میں داخل ہو جائے اور نقصان پہنچائے۔ چراغ کو جلتا ہوا چھوڑ کر سو گئے یا آگ کا بجھایا یا اسے راکھ میں اچھی طرح دبایا نہیں تو اس سے گھر میں آگ لگ سکتی ہے۔

اسی طرح معاملات میں بھی حسنِ تدبیر سے کام لینا ضروری ہے۔ چناں چہ حدیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے آدمی ایسے ہیں جو خدا سے فریاد کرتے ہیں مگر ان کی فریاد سنی نہیں جاتی۔ ان میں سے تیسرا اس شخص کو بتایا گیا ہے جو کسی کو اپنا مال قرض دے لیکن اس پر گواہ نہ بنائے۔

(۲) وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ یَّنَامَ الرَّجُلُ عَلٰی سَطْحٍ لَیْسَ بِمَحْجُوْرٍ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چھت پر سونے سے منع فرمایا جس پر آڑ کی دیوار نہ ہو۔

تشریح: چھت پر دیوار نہ ہونے کی وجہ سے غفلت کی حالت میں آدمی چھت سے نیچے گر کر ہلاک ہو سکتا ہے۔ اس لیے ایسی چھت پر سونا جو دیوار سے گھیری نہ گئی ہو سخت نادانی کی بات ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ بَاتَ عَلٰی ظَهْرِ بَيْتٍ لَّيْسَ عَلَيْهِ حِجَارٌ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ ”جو شخص ایسی چھت پر سوئے جس کو کوئی روک نہ ہو تو اس سے ذمہ اٹھ گیا۔“ یعنی اب اگر وہ گر کر ہلاک ہوتا ہے تو کسی دوسرے پر اس کی ذمے داری نہیں، وہ اپنی ہلاکت کا خود ذمے دار ہے۔

تجربات کی اہمیت

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لاَ يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔“

تشریح: یعنی مومن کے لیے ہوشیاری لازم ہے۔ کبھی وہ کسی سے دھوکا کھا بھی جائے تو دوبارہ اسے اس کے فریب میں نہیں آنا چاہیے۔ کسی چیز کا تجربہ ہونے کے بعد بھی اس سے فائدہ نہ اٹھائے یہ مومن کا کام نہیں۔

〈۲〉 وَ عَنْهُ اَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلاَثَةِ وَ طَعَامُ الثَّلاَثَةِ كَافِي الْاَرْبَعَةِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”دو آدمیوں کا کھانا تین کے لیے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔“

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی میں محبت اور ہمدردی کا جذبہ پایا جاتا ہے تو دو آدمیوں کے کھانے سے تین آدمیوں کا کام چل سکتا ہے اور اگر کھانا تین آدمیوں کا ہے تو چار آدمی اس سے اپنی بھوک مٹا سکتے ہیں۔ کسی کو یہ محسوس نہ ہوگا کہ اس کا پیٹ نہیں بھرا، بلکہ شاید اس صورت میں ہر

ایک کو کچھ زیادہ ہی آسودگی کا احساس ہوگا۔ نیکی اور ایثار میں اللہ نے عجیب تاثیر رکھی ہے۔

〈۳〉 وَ عَنِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لاَ حَلِیْمَ اِلّاَ ذُوْ عَثْرَةٍ وَ لاَ حَکِیْمَ اِلّاَ ذُوْ تَجْرِبَةٍ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لغزش کھانے والا ہی بردبار اور تجربہ رکھنے والا ہی حکیم و دانا ہوتا ہے۔''

تشریح: ٹھوکر کھانے اور غلطی کرنے کے بعد ہی آدمی کو صحیح سمجھ آتی ہے۔ پھر اس میں حلم اور بردباری کی صفت پیدا ہوجاتی ہے۔ کسی سے کوئی لغزش ہوجائے تو وہ طوفان نہیں اٹھائے گا حتی الامکان اس کی طرف سے عفو اور درگزر کا مظاہرہ ہوگا۔ اسی طرح تجربات کے بعد ہی آدمی کو دانائی اور بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ فکر اور اپنے تصورات و نظریات کو جب تک عملی طور پر برت نہ لیا جائے ان کی قدروقیمت کا صحیح اندازہ نہیں ہو پاتا۔ اور نہ حقیقی بصیرت آدمی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''یمن کے لوگ آئے ہیں۔ وہ نہایت نرم دل ہیں۔ ایمان یمن کا ہے اور فقہ بھی یمن کی ہے اور حکمت بھی یمن کی ہے۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان، فقہ اور حکمت، ان تینوں چیزوں کو دین میں بڑی فضیلت حاصل ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ چیزیں ان کو ملا کرتی ہیں جو قساوت قلبی اور سخت دلی کے مرض میں مبتلا نہیں ہوتے۔ یمن والوں کی آپ ﷺ نے تحسین فرمائی کہ ان میں نرم دلی پائی جاتی ہے، ان کا ایمان بھی معیاری ہے اور ان کی فقہ اور حکمت لائق تحسین ہے۔

یہاں فقہ سے مراد دین کی سمجھ بوجھ ہے۔ حکمت سے مراد حق کی وہ وجدانی معرفت ہے، جس سے آدمی کے اندر ایسی بصیرت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ دین کے اسرار و رموز سے آشنا ہو جاتا ہے۔ پھر وہ پست اور سطحی قسم کے خیالات اور نفسانی خواہشات سے بلند ہوجاتا ہے۔ اسے پاکیزہ زندگی حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے اعمال نیک ہوں گے اور وہ شریف النفس ہوتا ہے۔

〈۵〉 وَ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اَلْفَخْرُ وَالْخُیَلَآءُ فِی الْفَدَّادِیْنَ اَهْلِ الْوَبَرِ وَالسَّکِیْنَةُ فِیْ اَهْلِ الْغَنَمِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''گھمنڈ اور شیخی بازی شور کرنے والوں میں پائی جاتی ہے، جو اونٹ رکھتے ہیں جب کہ سکینت بکری والوں میں پائی جاتی ہے۔''

تشریح: تجربہ کی بنا پر اونٹوں اور گھوڑوں میں رہ کر چیخنے چلّانے والوں کی بدخلقی کا ذکر کیا گیا ہے۔ شتربان یا سائیس وغیرہ اکثر سخت اور بدخلق ہوتے ہیں۔ اور یہ حیرت کی بات بھی نہیں ہے۔ بالعموم ان کی تربیت نہیں ہو پاتی، محض جانوروں کی صحبت سے تو وہ مہذب نہیں بن سکتے۔ ڈینگیں مارنا اور شور وغل مچانا اخلاق وتہذیب کے منافی ہے۔ اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔ کبوتر بازوں کا شور وغل جن لوگوں نے سنا ہوگا وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ شور وغل محض شور وغل نہیں ہوتا بلکہ یہ اس بات کا اعلان ہوتا ہے کہ انسان کس درجہ پستی میں گر سکتا ہے اور شرافت اور تہذیب سے وہ کتنا دور ہو سکتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهَبٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ حَتّٰى ذَكَرْتُ اَنَّ الرُّوْمَ وَ فَارِسَ يَصْنَعُوْنَ ذٰلِكَ فَلاَ يَضُرُّ اَوْلاَدَهُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جدامہ بنت وہبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ارادہ کیا کہ دودھ پلانے والی عورت سے مباشرت کرنے سے منع کردوں۔ مگر مجھے یاد آیا کہ روم اور ایران کے لوگ ایسا کرتے ہیں اور اس سے ان کی اولاد کو ضرر نہیں پہنچتا۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں کے تجربات بتاتے ہیں کہ بیوی اگر بچے کو دودھ پلاتی ہے تو مباشرت سے بچہ کو ضرر نہیں پہنچتا۔ مباشرت سے منع کردینے کی صورت میں اس کا اندیشہ ہے کہ شوہر کے قدم کہیں غلط راہ پر نہ پڑ جائیں۔ اس لیے مباشرت سے باز رہنے کی تاکید مناسب نہیں ہے۔

﴿۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلتَّلْبِيْنَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ الْمَرِيْضِ تَذْهَبُ بِبَعْضِ الْحُزْنِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''تلبینہ بیمار کے دل کو سکون وقوت بخشتا ہے اور بعض غموں کو دور کرتا ہے۔''

تشریح: تلبینہ ایک طرح کا حریرہ ہے۔ یہ آٹے اور دودھ سے تیار کیا جاتا ہے۔ کبھی اس میں شہد بھی ملا دیتے ہیں۔ اس حریرہ کا اہم جزو دودھ (لبن) ہوتا ہے۔ اسی لیے اس کو لبینہ کہا جاتا ہے۔ یہ حریرہ نہایت سکون بخش اور لذیذ ہوتا ہے۔ اس سے قوت بھی حاصل ہوتی ہے، سکون بخش ہونے کی وجہ سے اس کا استعمال غم وحزن میں بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

〈۸〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ سَأَلَ اَھْلَہٗ الْاُدْمَ فَقَالُوْا مَا عِنْدَنَا اِلَّا خَلٌّ فَدَعَا بِہٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ بِہٖ وَ یَقُوْلُ: نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ، نِعْمَ الْاِدَامُ الْخَلُّ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ (ایک روز) نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا۔ انھوں نے کہا کہ سالن ہمارے یہاں نہیں ہے، البتہ سرکہ ہے۔ آپؐ نے سرکہ منگایا اور اس کے ساتھ روٹی کھانے لگے اور یہ فرمانے لگے کہ ”سرکہ بہترین سالن ہے۔ بہترین سالن سرکہ ہے۔“

تشریح: یعنی گھر میں اگر سرکہ موجود ہے تو پریشان ہونے کی بات نہیں، اس سے سالن کا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک بہترین سالن ہے۔ اس کے پیش کرنے میں کسی خفت کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔

مشورہ

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے۔“

تشریح: امانت دار ہونے کی حیثیت سے ایک تو اسے صحیح اور صائب مشورہ دینا چاہیے۔ مشورہ لینے والے نے اس پر بھروسہ کیا ہے۔ اس کا اعتماد مجروح نہ ہو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس امر میں اس سے مشورہ لیا جائے اس کو وہ اپنے پاس امانت سمجھے اور رازداری کا پورا پورا خیال رکھے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مشورہ لینے والا یہ نہیں چاہتا کہ دوسروں کو اس کی خبر ہو۔ اس میں وہ اپنی رسوائی سمجھتا ہے۔

قرآن اور احادیث سے مشورہ کی اہمیت ثابت ہے۔ اہل ایمان کے بارے میں قرآن میں ہے: وَ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ (الشوریٰ:۳۸) ”ان کا معاملہ آپس کے مشورے سے چلتا ہے۔“ قرآن میں ہے: وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (آل عمران:۱۵۹) ”اور (اے نبی) معاملات میں

ان سے (مومنوں سے) مشورہ لیتے رہو۔'' چناں چہ نبی ﷺ بہت سے معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیتے تھے۔ خاص طور سے اجتماعی امور میں اہل الرائے سے مشورہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ جس قوم کے معاملات باہمی مشوروں سے طے پاتے ہیں اس قوم کو پریشانیوں اور پشیمانی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ چناں چہ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: مَا خَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلاَ نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ وَلاَ عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ (المعجم الصغیر) ''وہ ناکام نہ ہوگا، جس نے استخارہ کیا، وہ پشیمانی اور ندامت سے دوچار نہ ہوگا، جس نے (کسی اہم اقدام سے پہلے) مشورہ کیا اور وہ شخص فقر وفاقہ میں مبتلا نہ ہوگا، جس نے میانہ روی اختیار کی۔''

(۲) وَ عَنْ سَعْدٍؓ قَالَ: عَادَنِی النَّبِیُّ ﷺ، فَقُلْتُ اُوْصِی بِمَالِیْ کُلِّهٖ فَقَالَ: لاَ: قُلْتُ فَالنِّصْفُ فَقَالَ: لاَ، فَقُلْتُ اَبَا لثُّلُثِ. قَالَ: نَعَمْ وَالثُّلُثُ کَثِیْرٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے میری عیادت فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ کیا میں اپنے سارے مال کے لیے وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: ''نہیں۔'' پھر میں نے عرض کیا کہ کیا میں آدھے مال کی وصیت کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ''نہیں۔'' پھر میں نے عرض کیا تو تہائی کی؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں، اور یہ تہائی بھی بہت ہے۔''

تشریح: ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے: اِنَّکَ اِنْ تَزَرْ وَرَثَتَکَ اَغْنِیَآءَ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ تَزَرَهُمْ عَالَةً یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَ لَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِیْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلاَّ اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰی اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِیْ اِمْرَأَتِکَ ''اگر تم اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ جاؤ تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم انھیں محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم خدا کی خوش نودی کے لیے جو بھی خرچ کروگے اس کا اجر وثواب تمھیں ملے گا یہاں تک کہ اس لقمے کا بھی جو تم اپنی بیوی کو کھلاؤ گے۔''

اگر وفات پانے والا مال دار شخص ہے تو وہ ایک تہائی مال کی وصیت کرسکتا ہے۔ آدمی کے لیے نیکی اور اجر وثواب کا حریص ہونا برا نہیں ہے لیکن آدمی کو جاننا چاہیے کہ اپنے اہل وعیال پر احسان کرنا کچھ کم درجے کی نیکی نہیں ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم جو کچھ کریں اس کی اصل غرض خوش نودیِ رب کا حصول ہو۔ خدا کی رضامندی پیشِ نظر ہو تو کھانے پینے اور سونے حتیٰ کہ بیوی کے پاس جانے میں بھی اجر وثواب ہے۔

مشتبہات سے پرہیز

〈۱〉 عَنِ النُّعمَانِ بنِ بَشِیرٍؓ یَقُولُ: سَمِعتُ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ یَقُولُ وَ اَھوٰی النُّعمَانُؓ بِاَصبَعَیہِ اِلٰی اُذُنَیہِ: اَنَّ الحَلاَلَ بَیِّنٌ وَ اَنَّ الحَرَامَ بَیِّنٌ وَ بَینَھُمَا مُشتَبِھَاتٌ لاَ یَعلَمُھُنَّ کَثِیرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقٰی الشُّبھَاتِ استَبرَأَ لِدِینِہٖ وَ عَرضِہٖ وَ مَن وَقَعَ فِی الشُّبھَاتِ وَقَعَ فِی الحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرعٰی حَولَ الحِمٰی یُوشَکُ اَن یَّرتَعَ فِیہِ اَلاَ وَ اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی اَلاَ وَ اِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ اَلاَ وَاِنَّ فِی الجَسَدِ مُضغَۃً اِذَا صَلَحَت صَلَحَ الجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَت فَسَدَ الجَسَدُ کُلُّہٗ اَلاَ وَھِیَ القَلبُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ـــــ حضرت نعمانؓ نے اپنی انگلیوں سے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کیا ـــــ آپؐ فرما رہے تھے کہ ”حلال بھی بالکل واضح ہے اور حرام بھی بالکل بین اور واضح ہے۔ لیکن ان دونوں کے درمیان ایسی چیزیں ہیں، جن کی حیثیت مشتبہات کی ہے، جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں، پس جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچا وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو سلامت لے گیا اور جو مشتبہ چیزوں میں پڑا وہ حرام میں جا پڑا، جیسے وہ چرواہا جو رمنہ (ممنوعہ چراگاہ) کے آس پاس چراتا ہو، اس کے جانور اس چراگاہ میں چرنے لگ جائیں گے۔ خبردار! ہر بادشاہ کا ایک رمنہ ہوتا ہے۔ خبردار! خدا کا رمنہ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ جان رکھو! بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ درست رہا تو سارا بدن ٹھیک رہے گا اور جب وہ بگڑا تو سارا بدن بگڑ گیا۔ یاد رکھو، وہ (لوتھڑا) دل ہے۔“

تشریح: یہ حدیث بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ شریعت میں حلال اور حرام دونوں ہی واضح طور پر بیان ہوئے ہیں۔ لیکن بعض چیزیں ایسی بھی سامنے آسکتی ہیں جن کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ غلط اور ناروا نہ ہوں۔ تقویٰ یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے اجتناب کیا جائے۔ اسی میں ایمان اور آبرو کی سلامتی ہے۔ جو شخص مشتبہ چیزوں سے بچے گا اس کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ حرام چیزوں کے قریب بھی جائے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے جانوروں کو اگر ممنوعہ چراگاہ کے آس پاس نہیں بلکہ ان کو اس سے دور رکھ کر چرایا جائے تو ممنوعہ چراگاہ میں ان کے گھس پڑنے کا خطرہ باقی نہیں

رہتا لیکن اگر ایسا نہیں کرتے۔ جانوروں کو ممنوعہ چراگاہ کے بالکل قریب تک چرنے دیتے ہیں تو امکان اسی بات کا ہے کہ جانور ممنوعہ چراگاہ میں گھس کر رہیں گے۔ خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ صرف حرام چیزوں ہی کو نہ چھوڑیں بلکہ مشتبہات تک سے پرہیز کریں۔ یہی وہ طرزِ عمل ہے، جس سے ہم اپنے دین وایمان کے تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔ اور اپنی آبرو کی جو حقیقت میں دین وایمان ہی سے وابستہ ہے حفاظت کر سکتے ہیں۔

اس حدیث میں دوسری اہم بات یہ بتائی گئی ہے کہ دل کی درستی پر ہی جسم کی درستی کا سارا دارومدار ہے۔ دل صحیح اور درست ہے تو آدمی اپنی جسمانی صلاحیتوں اور قوتوں کو غلط راہوں میں ہرگز صرف نہیں کر سکتا۔ آدمی کے ارادوں، نیتوں اور اس کے عزائم کا تعلق اس کے دل سے ہوتا ہے۔ آدمی کی نیت اگر درست اور اس کے جذبات پاکیزہ ہیں اور اس کے دل میں خدا کی عظمت ومحبت کا جذبہ موجود ہے تو لازماً اس کا اثر اس کی پوری زندگی میں نمایاں ہوگا۔ اسے ایسی پاکیزہ زندگی حاصل ہوگی، جس پر رشک کیا جا سکے۔

حلم اور عفو ودرگزر

(۱) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: كَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ یَحْكِیْ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهٗ عَلَیْهِمْ، ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَاَدْمَوْهُ، وَهُوَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ وَ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ گویا میں رسولِ خدا ﷺ کو دیکھ رہا ہوں کہ آپ ﷺ نبیوں میں سے ایک نبی کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ ”انھیں ان کی قوم نے اتنا مارا کہ انھیں خون آلود کر دیا۔ مگر وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ اے اللہ، تو میری قوم کے لوگوں کو معاف کر دے کیوں کہ وہ لاعلم ہیں۔“

تشریح: لوگوں کی اصلاح، ان کو خدا کا فرماں بردار اور اطاعت گزار بنانا اور معاشرہ میں صالح انقلاب برپا کرنا ایک ایسا عظیم مقصد ہے، جس کے حصول کے لیے ایسے مردانِ کار مطلوب ہوتے ہیں، جو اعلیٰ اخلاق وکردار کے حامل ہوں۔ یہ کام وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے، جن کے دل چھوٹے اور عزم وحوصلہ سے خالی ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ان میں اعلیٰ ظرفی، بردباری،

بلند حوصلگی اور ایثار و قربانی کے اوصاف پائے جاتے ہوں۔ جو جان کے دشمنوں تک کو معاف کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں اور جو اپنے عزیزوں اور رفقاء کے ہی نہیں بلکہ اپنے بدخواہوں کے بھی خیر خواہ ہوں۔ انبیاء علیہم السلام میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی تھی۔

اس حدیث میں ایک نبی کی جو سرگزشت بیان کی گئی ہے وہ خود آں حضرت ﷺ کی اپنی سرگزشت بھی ہے۔ آپ جب طائف میں تشریف لے گئے تو آپ ﷺ کا استقبال پتھروں سے کیا گیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ لہولہان ہو گئے۔ لیکن اس کے باوجود نہ تو آپ ﷺ نے اہلِ طائف کی تباہی اور ہلاکت کو پسند کیا اور نہ ان کے حق میں آپؐ نے کوئی بددعا کی۔ آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر یہی الفاظ تھے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِیْ اِنَّهُمْ لاَ یَعْلَمُوْنَ" خدایا: تو میری قوم کے لوگوں کو ہدایت دے۔ بے شک وہ لاعلم ہیں۔"

باب سوم

اسلامی تہذیب وثقافت

اسلامی تہذیب وثقافت

تہذیب وثقافت کی دنیا میں اسلامی تہذیب وثقافت کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔تہذیب وثقافت کیا ہے؟ اس سلسلے میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ ثقافت کو تہذیب کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور آج کل تہذیب کے مقابلے میں ثقافت کی اصطلاح زیادہ رائج ہے۔تہذیب کو اکثر انسان کے ظاہر یعنی اس کے مادی اسباب و وسائل اور علوم وفنون کی شکل میں دیکھا جاتا ہے۔اس کے برخلاف ثقافت کا رشتہ انسان کی روح اور اس کے اندرون سے قائم کیا جاتا ہے۔تہذیب کے مظاہر میں حالات اور زمانے کے لحاظ سے تغیر اور تبدیلی ممکن ہے۔لیکن ثقافت ایک دائمی شے ہے، جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

عام طور پر لوگ تہذیب سے سلیقہ، ادب، تعلیم اور طرزِ زندگی وغیرہ مراد لیتے ہیں۔اور تمدن کو تہذیب ہی کی ایک شاخ تصور کیا جاتا ہے۔ثقافت میں کجی اور ٹیڑھ سے پاک ہونے کا مفہوم پنہاں ہے۔ اس طرح ثقافت زندگی کے مختلف پہلوؤں میں توازن، تناسب اور تسویہ کا دوسرا نام قرار پاتا ہے۔ثقافت کے لیے انگریزی میں مترادف لفظ کلچر ہے۔اس کے اصل معنی ہل چلانے اور کھیتی باڑی کرنے کے ہیں۔لیکن اب یہ ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔اس میں طرزِ معاشرت اور طرزِ زندگی سے متعلق تمام ہی چیزیں شامل کرلی گئی ہیں۔ اس میں بس وہ کام شامل نہیں ہیں جو جبلی طور پر انجام پاتے ہیں۔مثلاً بھوک پیاس جبلی شے ہے۔ یہ ثقافت میں شامل نہیں ہے۔لیکن بھوک پیاس مٹانے کے جو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں وہ ثقافت کا حصہ ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اس میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو انسان اکتساب کے بعد انجام دیتا ہے۔اس طرح افکار وعقائد، اخلاق وآداب، تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور

ذوق ورجحان وغیرہ سبھی کو اس میں شامل وداخل سمجھا جاتا ہے۔ اپنے وسیع تر معنی ومفہوم کے لحاظ سے تہذیب وثقافت میں اتنا گہرا ربط وتعلق ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔

اسلام کا اپنا مخصوص تہذیبی یا ثقافتی فکر ونظر ہے، جس کی اصل بنیاد خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت ہے۔ مذہبی جذبہ دراصل اپنی گہرائیوں میں ایک جمالیاتی احساس ہے۔ حیاتِ انسانی بھی اپنے آخری تجزیہ میں ایک جمالیاتی احساس وشعور کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور نہ آرزوئے حسنِ مطلق کے سوا اس کی کوئی اور فطرت ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کے لیے انسان کو جن مساعی جمیلہ سے کام لینا ہے ان کا ماحصل ایک برتر ثقافت کی شکل میں ہمارے روبرو نمایاں ہوتا ہے۔ ان مساعی جمیلہ کا تعلق عقائد وافکار، معاشرت، معیشت، سیاست وغیرہ زندگی کے تمام ہی شعبوں سے ہے۔

اگر گہرائی کے ساتھ دیکھا جائے تو ظاہری علوم وآداب ہوں یا اطوارِ معاشرت، فنونِ لطیفہ اور صنائع ہوں یا اندازِ تمدن اور طرزِ سیاست، یہ سبھی کچھ دراصل تہذیب وثقافت کے محض مظاہر ہیں۔ ان کو نفسِ تہذیب وثقافت یا تہذیب وثقافت کی اصل سمجھنا صحیح نہ ہوگا۔ کسی بھی تہذیب یا ثقافت کی قدر وقیمت کا اندازہ اس کے اصل عناصر ترکیبی کے مطالعے سے ہی ہوتا ہے۔ کسی بھی ثقافت کے مطالعہ میں دیکھنے کی اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ دنیوی زندگی کے بارے میں اس کا تصور کیا ہے؟ اس کے نزدیک دنیا میں انسان کی اصل حیثیت کیا ہے؟ وہ کس چیز کو انسان کا مقصدِ حیات قرار دیتی ہے۔ جس کے لیے انسان کو جدوجہد کرنی چاہیے۔ اس کے اساسی افکار وعقائد کیا ہیں؟ اس لیے کہ ان سبھی باتوں کا اثر انسان کے اس طرزِ عمل پر لازماً پڑتا ہے، جو طرزِ عمل وہ اپنی دنیا کی زندگی میں اختیار کرتا ہے۔ اور انسان کا طرزِ عمل ہی اصلاً وہ چیز ہے، جس سے کسی تہذیب کا ظہور ممکن ہوتا ہے۔

پھر اس سلسلے میں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ زیرِ مطالعہ ثقافت کے تحت افراد کی تربیت کس انداز پر کی جاتی ہے۔ وہ خصائل اور اوصاف کیا ہیں، جن کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اور یہ کہ انسان کے باہمی تعلقات کس طرح قائم کیے جاتے ہیں۔ انسان کے کیا حقوق واختیارات متعین کیے جاتے ہیں۔ اور وہ حدود کیا ہیں جن کی پابندی لوگوں کو کرنی ہوتی ہے۔

جہاں تک اسلامی ثقافت کا مسئلہ ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کائنات

بے خدا نہیں ہے۔ کائنات کی تمام ہی چیزیں خدا کی پیدا کردہ ہیں۔ اس نے انسان کو ان پر فضیلت عطا کی ہے۔ اس نے کائنات کو انسان ہی کے لیے مسخر کیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کی زندگی اور اس کی تگ ودو کا اصل مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اس لیے اس کو زندگی میں وہی طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے جو خدا کو پسند ہے۔

خدا پر ایمان اور اس کا صحیح تصور انسان کو ہر طرح کی تنگ نظری سے نجات دلاتا ہے۔ اس کی ساری امیدیں ایک خدا سے وابستہ ہوتی ہیں۔ حرص وہوس اور کینہ وحسد، کم ظرفی اور بے حوصلگی جیسے رذائل اس سے دور ہو جاتے ہیں۔ پھر اسلام نے رسالت پر ایمان لانے کی تعلیم دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے ہم کلام ہوتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ رسولوں کی تعلیمات اور ان کے بتائے ہوئے اصول وضوابط مبنی برحق ہوتے ہیں۔ رسولوں کی اطاعت میں زندگی گزارنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔ ان ہی کو آخرت میں ایسی دائمی حیات حاصل ہوگی، جو تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہوگی۔ دنیا کی عارضی زندگی تو حقیقت میں آخرت کی معتبر اور حقیقی زندگی کے حصول کا محض ایک ذریعہ ہے۔

جہاں تک افراد کی تربیت کا سوال ہے۔ افراد کی تربیت میں اسلام کا اندازِ تربیت خارجی سے زیادہ داخلی ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کے باطن کی درستی ہی پر اس کی اصلاح کا اصل دارومدار ہے۔ اچھی سیرت اور اخلاق حسنہ کا حامل ہو کر ہی انسان اس قابل ہوتا ہے کہ وہ زندگی میں بہتر سے طرزِ عمل اختیار کر سکے اور خدا کی نگاہ میں ایک بہتر انسان قرار پائے۔ اسلام کا اجتماعی نظام خاندان سے شروع ہوتا ہے اور ایک امت تک وسیع ہو جاتا ہے۔ پھر یہ امت اس پوزیشن میں ہوتی ہے کہ اپنے نظامِ معاشرت ومعیشت اور طرزِ سیاست سے یہ ثابت کر سکے کہ ایک مثالی معاشرہ اور ایک مثالی نظام مملکت کیسا ہوتا ہے۔ پھر یہی امت ساری انسانیت کی قیادت کی ذمے داری قبول کر سکے۔ اسلام دنیا میں ظلم اور بے انصافی اور فتنہ وفساد کی جگہ حق و انصاف اور اخوت اور بھائی چارے کی فضا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کی نگاہ میں عزت کا سارا دارو مدار تقویٰ اور خدا ترسی پر ہے۔ وہ بے جا تزئین وآرائش اور نمود اور ریا کی جگہ فطری سادگی، خلوص اور فکر ونظر کی بلندی پر زور دیتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ مظلوموں اور بے کسوں کی دادرسی ہو۔ قتل، بدکاری، بے حیائی، عریانیت، شراب نوشی اور قمار بازی اور دیگر سبھی برائیوں کا قلع قمع ہو۔ وہ ہر

جگہ پاکیزگی اور نظافت چاہتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ہمارے لباس اور گھر صاف ستھرے ہوں بلکہ ہمارے معاملات بھی درست اور صحیح ہوں حتی کہ ہمارے ادب اور شعر و شاعری میں بھی پاکیزگی اور مہذب ذوق کا اظہار ہو۔ جملہ امور میں حق وانصاف کا پاس ولحاظ رکھا جائے۔ کہیں بھی انصاف کا خون نہ ہو۔ یہاں تک کہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کے ساتھ رواداری کا پورا لحاظ رکھا جائے۔

اسلام ایک ایسے نظامِ حیات کا داعی ہے، جس کے اصول وضوابط اور قوانین آفاقی نوعیت کے ہیں۔ اس کے ذریعے سے پوری انسانیت امن وسکون سے ہم کنار ہوسکتی ہے۔ اسلام انسان کی نہ تو روحانی ضرورت کو نظر انداز کرتا ہے اور نہ اس کی مادّی اور دنیوی ضروریات کی نفی کرتا ہے۔

اسلام نے صحیح معنی میں سچی اور عالمگیر ثقافت کا تصور دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، جس کے عناصر ترکیبی میں جذب وانجذاب اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو زندگی اور اس کی نشو ونما وارتقاء کے لیے ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت درحقیقت زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی صفات سے مطابقت اور اس کے منصوبے کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس کے نتیجے میں ہم اس حیات سے آشنا ہو سکتے ہیں، جسے سراپا حسن، رحمت ومحبت اور طمانیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

☆☆

اسلامی تہذیب و ثقافت

دین و تہذیب کی اساس

〈۱〉 عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: مَا اَظُنُّ فُلَانًا وَّ فُلَانًا یَعْرِفَانِ مِنْ دِیْنِنَا شَیْئًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا کہ فلاں اور فلاں شخص ہمارے دین کا کچھ علم رکھتے ہوں۔''

تشریح: یہ منافق تھے جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ انھیں ہمارے دین کا علم نہیں۔ جس کو دین کا صحیح علم اور اس کی معرفت نہ ہو وہ دین کی مخلصانہ پیروی نہیں کر سکتا خواہ وہ کتنا ہی اس بات کا دعویٰ کر رہا ہو کہ اس نے دینِ حق کو اختیار کر لیا ہے۔ دینِ حق کی اصل اساس علم ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْهَا قَالَتْ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اَمَرَهُمْ اَمَرَهُمْ مِنَ الْاَعْمَالِ بِمَا یُطِیْقُوْنَ. قَالُوْا: اِنَّا لَسْنَا کَهَیْئَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اِنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ فَیَغْضَبُ حَتّٰی یُعْرَفَ الْغَضَبُ فِیْ وَجْهِهٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اِنَّ اَتْقَاکُمْ وَ اَعْلَمَکُمْ بِاللّٰهِ اَنَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تھے تو انھیں ان اعمال کا حکم دیتے تھے جن کی وہ استطاعت رکھتے ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ، ہم آپ جیسے نہیں ہیں۔ اللہ نے آپؐ کے تو اگلے اور پچھلے سب گناہ بخش دیے ہیں۔ اس پر آپ سخت غصے میں آئے، یہاں تک کہ یہ غصہ آپؐ کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: ”میں تم سے بڑھ کر (اللہ کا) ڈر رکھتا ہوں اور تم سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں۔“

تشریح: ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: اِنِّیْ لَاَعْلَمُھُمْ بِاللّٰہِ وَ اَشَدُّھُمْ لَہٗ خَشْیَۃً (بخاری) ”میں لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر میرے اندر اس کا خوف اور خشیت ہے۔“ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ کی پہچان اور اس کا علم اور تقویٰ ہی اسلام کی اصل بنیاد ہے۔ دین حقیقت میں علم باللہ ہی کا ایک تقاضا ہے۔ جو جتنا زیادہ اللہ کو جانتا اور اس کی عظمت کو پہچانتا ہوگا اتنا ہی زیادہ وہ خدا کے احکام کی پیروی کرنے والا ہوگا۔ خدا کے نبی ﷺ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے اور اس کا ڈر رکھنے والے ہیں، اس لیے ان کا طرزِ عمل ہی ہمارے لیے اصل اسوہ ہوسکتا ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: اَقْبَلْنَا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِظَھْرِ الْمَدِیْنَۃِ قَالَ: ”اٰئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حٰمِدُوْنَ“ فَلَمْ یَزَلْ یَقُوْلُ ذٰلِکَ حَتّٰی قَدِمْنَا الْمَدِیْنَۃَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ (واپس) آئے اور جب ہم مدینہ کے سامنے پہنچے تو آپؐ نے فرمایا: ”ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اور اپنے رب کی حمد کرنے والے ہیں۔“ آپؐ برابر یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم مدینہ میں داخل ہوگئے۔“

تشریح: آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل اس بات کا گواہ ہے کہ خدا کو جاننے اور اس پر ایمان رکھنے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ وہ اگر اپنے شہر کو لوٹتے ہیں تو اس بات کو نہیں بھولتے کہ ان کی اصل واپسی اپنے رب کی طرف ہونی ہے۔ وہ ہمیشہ اسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ اس کی بندگی کو وہ اصل زندگی اور اس کی حمد وثنا کو اصل سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔ اور اپنے اس احساس اور اپنے اس جذبہ کا اظہار ہر مناسب موقع پر کرتے رہتے ہیں۔

(۴) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: کُنْتُ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا فَاِنَّھَا تُزَھِّدَ فِی الدُّنْیَا وَ تُذَکِّرُ الْاٰخِرَۃَ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے قبروں کی زیارت سے (کسی وجہ سے) روکا تھا، لیکن اب تم ان کی زیارت کرو کیوں کہ یہ (قبروں کی)

زیارت دل کو دنیا سے اٹھاتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔"

تشریح: اصل زندگی یہ دنیوی زندگی ہرگز نہیں ہے۔ ایک اور زندگی ہماری منتظر ہے اور وہ آخرت کی زندگی ہے۔ اس کو اپنے پیش نظر رکھنا صحیح راستے پر قائم رہنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ آخرت ہی ہماری منزل ہے، اگر یہ منزل نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو کوئی چیز نہیں جو مسافر کے قدموں کو غلط راہوں میں پڑنے سے روک سکے۔

دنیا میں رہتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ نہ بیٹھیں اور آخرت کی یاد سے غافل ہوجائیں۔ اس کے لیے قبروں کی زیارت ایک بہتر تدبیر ہے۔ قبروں سے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ اور آخرت کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ دنیا کے پرستاروں کو جاننا چاہیے کہ قبروں میں کتنی تمنائیں اور آرزوئیں دفن ہیں۔ متکبروں کو بھی جان لینا چاہیے کہ کتنے ہی مغروروں کا کبروغرور بالآخر خاک میں مل کر رہا۔ اہل قبور میں کامیاب وہی ہیں جو آخردم تک خوشنودیِ رب کی طلب میں لگے رہے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ کَانَ اِذَا جَاءَهٗ اَمْرٌ سُرُوْرٌ اَوْ بُشِّرَ بِهٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی خوشی کی بات پہنچتی یا آپؐ کو اس کی خوش خبری دی جاتی تو آپؐ اللہ کا شکرادا کرنے کے لیے سجدے میں گر پڑتے۔"

تشریح: جذبۂ شکر ہی ایمان کی اساس ہے۔ ہمارے دلوں کو بہترین احساسات اور حسین تر آرزوؤں سے زندہ رکھنے والا ہمارا خدا ہی ہے۔ وہی ہماری تمناؤں کی تکمیل کا سامان بھی کرتا ہے۔ اس لیے ہر مسرت اور خوشی کے موقعے پر اس کا شکرادا کر کے ہمیں اپنے باہوش اور باشعور ہونے کا ثبوت دیتے رہنا چاہیے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهٗ فِیْ ظُلْمٍ فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِّنْ نُّوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِکَ النُّوْرِ اِهْتَدٰی وَ مَنْ اَخْطَاهُ ضَلَّ فَذٰلِکَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰهِ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ یہ نور جس تک پہنچا وہ

ہدایت یاب ہوا اور جس تک نہ پہنچ سکا وہ ضلالت اور گمراہی میں پڑ گیا۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ قلم اللہ کے علم کے مطابق لکھ کر خشک ہو گیا ہے۔"

تشریح: انسانوں کی ہدایت اللہ کے نور اور اس کی بخشی ہوئی روشنی سے وابستہ ہے۔ خدا کے نور سے جو بہرہ مند ہوا وہی ہدایت پر ہے اور جو شخص اس سے بے گانہ رہا اسے گمراہی کی تاریکیوں سے نکالنے والی کوئی چیز نہیں۔ اللہ کا علم سب پر حاوی ہے۔ وہ علیم و خبیر ہے۔ اس کے دائرۂ علم سے کوئی بھی باہر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اللہ کے نوشتۂ تقدیر کے خلاف کچھ نہیں ہوسکتا۔

حسب نسب

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِثْنَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ اَلطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّیَاحَةُ عَلَی الْمَیِّتِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "دو باتیں لوگوں میں ایسی ہیں جو کفر ہیں، ایک نسب کے معاملے میں طعن تشنیع کرنا، دوسرے یہ کہ میت پر نوحہ کرنا۔"

تشریح: سارے انسان بنی آدم علیہ السلام ہیں۔ عزت اور فضیلت کا تعلق تقوے سے ہے نہ کہ رنگ و نسل سے۔ قیامت کے روز ذات اور نسب کچھ کام نہ آئے گا۔ اس دن تو محض آدمی کا ایمان اور اس کا عمل دیکھا جائے گا۔ آدمی کا عمل اور کردار ہی ہے، جس سے بلندی اور عزت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن کے نقطۂ نظر سے تو خاندان اور قبیلہ وغیرہ محض پہچان کے لیے ہیں تاکہ آدمی اپنے قرابت داروں کے حقوق ادا کر سکے۔

میت کے اوصاف بیان کر کے چلاّ کر رونا جسے نوحہ کہتے ہیں، اسلام میں جائز نہیں۔ خدا کے فیصلے پر راضی رہنا اور رنج و غم کے موقعے پر صبر و ضبط سے کام لینا ہی خدا کے فرماں بردار بندوں کا شعار ہے۔ کسی کے نسب پر طعن اور میت پر نوحہ کرنے کو اس حدیث میں کفر کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کام اہل ایمان کے نہیں ہوسکتے۔ یہ کام تو ان لوگوں کا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، جو کفر اور جاہلیت کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَنْسُبُ اَحَدًا اِلَّا اِلَی الدِّیْنِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دین کے سوا کسی کو اور چیز کی طرف منسوب کرتے ہوئے نہیں سنا۔"

تشریح: یعنی اصل اہمیت آپؐ کے یہاں دین ہی کو حاصل تھی۔ آپؐ کسی کو کوئی اعزاز بخشتے یا کسی کو کسی لقب سے یاد فرماتے تو وہ اعزاز یا لقب اپنے اندر کوئی دینی پہلو لیے ہوئے ہوتا تھا۔ اس کا تعلق خاندان یا اس طرح کی کسی دوسری چیز سے نہ ہوتا تھا۔ چناں چہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی شجاعت اور بہادری کو دیکھتے ہوئے جو لقب عطا فرمایا وہ سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب تھا۔

(۳) وَ عَنْ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جِهَارًا غَيْرَ سِرٍّ يَقُوْلُ: اَلاَ اِنَّ اٰلَ اَبِيْ يَعْنِيْ فُلاَنًا لَيْسُوْا لِيْ بِاَوْلِيَآءَ وَ اِنَّمَا وَلِيَّ اللّٰهُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چپکے سے نہیں، بلند آواز سے کہتے سنا کہ "سن لو، آلِ فلاں میرے ولی نہیں بلکہ میرا ولی تو اللہ اور صالح مومنین ہیں۔"

تشریح: یعنی آپ ﷺ کی نگاہ میں دینی رشتے اور دینی تعلقات کے مقابلے میں دوسرے رشتے، دوستیاں اور قرابتیں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ اس بات کا اظہار آپؐ نے علی الاعلان فرمایا تا کہ لوگوں پر یہ حقیقت مخفی نہ رہے کہ دین اور دینی رشتوں کے مقابلے میں ہر چیز بے وقعت ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ وہ دینی تقاضوں کے پورا کرنے میں رکاوٹ ثابت ہو رہی ہو۔

(۴) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمَرْتُكُمْ فَتَضَّعْتُمْ مَا عَهِدْتُّ اِلَيْكُمْ فِيْهِ وَ رَفَعْتُمْ اَنْسَابَكُمْ فَالْيَوْمَ اَرْفَعُ نَسَبِيْ وَ اُضِيِّعُ اَنْسَابَكُمْ اَيْنَ الْمُتَّقُوْنَ، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (بیہقی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ قیامت کے روز فرمائے گا کہ میں نے تمھیں حکم دیا تھا، پھر جس امر میں تم سے میرا عہد و پیمان ہوا تھا تم نے اسے ضائع کیا اور اپنے نسبوں کو بلند کیا۔ پس آج میں اپنے نسب کو اونچا کروں گا، کہاں ہیں اہل تقویٰ، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم و باعزت وہ ہیں جو تم میں سب سے بڑھ کر (اللہ کا) ڈر رکھنے والے ہوں۔"

تشریح: "تم نے اپنے نسبوں کو بلند کیا" یعنی ہم نے چاہا تھا کہ شعور کی سطح پر اصل رشتہ اور ناتہ

تمھارا مجھ سے قائم ہوا اور اس کو تم اپنے لیے سرمایۂ فخر و امتیاز سمجھو۔ میری عظمت کا احساس دوسرے تمام احساسات پر غالب رہے لیکن تم ایسے ناقدر ناشناس نکلے کہ میری قدر و قیمت کا تمھیں مطلق احساس نہ رہا۔ اور نہ اس عہد و پیمان کا تم کچھ پاس و لحاظ کر سکے، جو نہایت نازک اور وجد آفریں تھا۔ اس کے مقابلے میں اپنے نسبوں اور خاندانی وقار میں تمھیں زیادہ سامان تسکین نظر آیا۔ تم اپنے نسبوں کو ہی اچھالنے میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ اسی میں تمھاری زندگیاں تمام ہو گئیں اور آج تم میرے روبرو حاضر کر دیے گئے۔

آج تم جان لو گے کہ حقیقت میں کون سا رشتہ و نسب معتبر، پائدار اور رفعتوں کا حامل ہے۔ آج اہل تقویٰ ہی سرفراز ہوں گے۔ جو اس ایک رشتہ اور تعلق پر راضی رہے جو ان کے اور میرے درمیان قائم ہوا تھا۔ توحید کے دامن کو جو نہایت مضبوطی سے تھامے رہے۔ اور اسی کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتے رہے۔ جنھوں نے اس عہد کو جو میں نے ان سے لیا تھا جی جان سے عزیز رکھا۔

''سب سے زیادہ مکرم وہ ہیں جو تم میں سب سے بڑھ کر اللہ کا ڈر رکھنے والے ہیں۔''
(الحجرات: ۱۳) یہ الفاظ قرآن کے ہیں جو یہاں نقل ہوئے ہیں۔ اس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ عزت، کرامت اور بڑائی یا فضیلت کا حقیقی معیار کیا ہے۔

تخلیق میں تبدیلی

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَآءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ایسے مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں اور ایسی عورتوں پر جو مردوں کا روپ دھاریں۔''

تشریح: خدا کی تخلیق کو بدلنے کی کوشش جسارت بے جا ہے۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدا کے فیصلے اور اس کے منصوبے میں دخیل ہو کر اس میں رد و بدل کی کوشش کرے۔ خدا کی حکمت کو اس سے بہتر کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ مرد ہو کر جو شخص عورتوں کی وضع اور ان کی چال ڈھال اختیار کرتا ہے یا عورت ہو کر مردانہ وضع اختیار کرنا چاہتی ہے، وہ دراصل خدا کے فیصلے پر معترض ہے، اس لیے اس کا یہ فعل لازماً موجب لعنت ہے۔ صالح معاشرہ کے لیے ضروری ہے کہ مرد، مرد

بن کر رہے اور عورت، عورت کی طرح زندگی گزارے۔ اس کے برخلاف جو بھی قدم اٹھایا جائے گا وہ شرافت اور انسانیت کے بالکل منافی ہوگا۔ تہذیب و ثقافت کی اساس خدا کی اطاعت اور اس کی بندگی ہے۔ خدا کی مشیت کی مخالفت کبھی بھی کسی مستحکم اور پائدار تہذیب کی بنیاد نہیں بن سکتی۔ جدید مغربی تہذیب کے زیر اثر آج صرف ظاہری وضع قطع ہی نہیں بلکہ آپریشن کے ذریعے سے جنس تک کو بدل دینے کا عمل شروع ہو گیا ہے اور یہ چیز کسی بھلائی اور خیر کی نہیں بلکہ لعنت ہی کی موجب ثابت ہو رہی ہے۔

(۲) وَ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْمُخَنَّثِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْمُتَرَجِّلَاتِ مِنَ النِّسَآءِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مخنث مردوں اور مردوں کی صورت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔"

تشریح: مخنّث کی اصل خنث ہے، جس کے معنی نرمی اور شکستگی کے ہیں۔ یہاں مخنث سے مراد ایسے مرد ہیں جو مرد ہوتے ہوئے عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ عورتوں کا سا لباس پہنتے اور گفتگو میں عورتوں کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں۔

(۳) وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْءَةِ وَالْمَرْءَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے اس مرد پر لعنت کی ہے، جو عورتوں کا لباس پہنے اور اس عورت پر جو مردوں کا لباس پہنے۔

(۴) وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَ الْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ، مَالِيْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَّعَنَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ نے لعنت کی ہے گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، اور چہرے کے بال صاف کرانے والی اور حسن کے لیے دانتوں کو کشادہ کرنے والی عورتوں پر جو اللہ کی تخلیق اور اس کو بنائی صورت کو بدلتی ہیں، میں کیوں نہ اس پر لعنت کروں، جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور یہ امر کتاب اللہ میں مذکور ہے۔

تشریح: گودنے سے مراد چہرے یا جسم کے کسی حصے پر نشانات بنانے کا عمل ہے۔ سوئی چبھا کر سرمہ یا نیل وغیرہ جسم میں داخل کر کے نشانات بنائے جاتے ہیں۔ یہ عمل بھی خدا کی تخلیق میں تبدیلی کے مترادف ہے۔

کتاب اللہ میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے۔ اب جب کہ آپؐ نے تخلیقِ خداوندی میں تغیر کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے تو میں کیسے ان کی اس حرکت کو پسند کر سکتا ہوں۔

〈۵〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاصِلَةَ وَ الْمُسْتَوْصِلَةَ وَالْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ نے واصلہ، مستوصلہ، واشمہ اور مستوشمہ پر لعنت کی ہے۔“

تشریح: واصلہ وہ عورت ہے، جو اپنے سر کے بالوں کو لمبا کرنے کی غرض سے اپنے بالوں میں دوسری عورت کے بالوں کا جوڑ لگائے۔ مستوصلہ وہ ہے جو دوسری عورت کے بالوں میں اپنے یا کسی دوسری عورت کے بالوں کا جوڑ لگائے، واشمہ جسم کو گودنے والی عورت کو کہتے ہیں اور مستوشمہ وہ عورت ہے، جو اپنے جسم کو دوسرے سے گدوائے۔

بالوں میں جوڑ اور پیوند لگانے کو نبی ﷺ نے زُور (فریب) سے تعبیر فرمایا ہے: سَمَّاهُ الزُّوْرُ. (بخاری)

عقیقہ

〈۱〉 عَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرِ الضَّبِّیِّؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَةٌ فَاَهْرِیْقُوْا عَنْهُ دَمًا وَ اَمِیْطُوْا عَنْهُ الْاَذٰی. (بخاری)

ترجمہ: حضرت سلمان بن عامر ضبیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”لڑکے کا عقیقہ کرو اور اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے تکلیف دور کرو۔“

تشریح: بچے کی پیدائش پر اس کی طرف قربانی پیش کرنی چاہیے۔ یہ عقیقہ یا قربانی درحقیقت خدا کی جناب میں یہ درخواست ہے کہ وہ بچے کو زندہ اور سلامت رکھے اور اسے پاکیزہ زندگی عطا کرے اور صالح اور نیک بنائے۔ ایک حدیث میں ہے: کُلُّ غُلَامٍ رَهِیْنَةٌ بِعَقِیْقَتِهٖ تُذْبَحُ عَنْهُ

يَوْمَ سَابِعِهٖ وَ يُحْلَقُ وَ يُسَمّٰى (ابوداوٗد) ”ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہے۔ اس کی پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔“

”اس سے تکلیف دور کرو“ یعنی اس کے سر کے بال اور میل کچیل دور کرو اور اسے غسل دو کہ یہ اس کی زندگی کے لیے فالِ نیک ثابت ہو۔

〈۲〉 وَ عَنْ اُمِّ كُرْزٍؓ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مِثْلَانِ وَ عَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ. (ابوداوٗد)

ترجمہ: حضرت اُم کرزؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”(عقیقے میں) لڑکے کی طرف سے دو بکریاں یکساں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔“

تحنیک واذان

〈۱〉 عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُؤْتٰى بِالصِّبْيَانِ فَيُبَرِّكُ عَلَيْهِمْ وَ يُحَنِّكُهُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ کے پاس (نوزائیدہ) بچے لائے جاتے اور آپؐ ان کے لیے برکت کی دعا فرماتے اور ان کے تالو میں کھجور چبا کر ملتے۔

تشریح: کھجور یا کوئی میٹھی چیز چبا کر اسے بچے کے تالو میں لگایا جائے، اسے تحنیک کہتے ہیں۔ تحنیک کرنے والا نیک اور صالح ہو۔ یہ عمل مسنون ہے۔ برکت کے لیے کیا جانا چاہیے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَذَّنَ فِىْ اُذُنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ حِيْنَ وَلَدَتْهُ فَاطِمَةُ بِالصَّلٰوةِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابورافعؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ نے حسین ابن علیؓ کے کان میں اذان دی جب کہ حضرت فاطمہؓ کے یہاں ان کی ولادت ہوئی اور یہ اذان نماز کی اذان ہی کی طرح کی تھی۔

تشریح: ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان دے اور بائیں کان میں تکبیر کہے۔ امام نوویؒ کی کتاب الروضہ میں ہے کہ بچہ کے کان میں یہ کہنا بھی مستحب

ہے:اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ’’میں اسے اور اس کی ذریت کو شیطان مردود سے محفوظ رہنے کے لیے تیری پناہ چاہتا ہوں۔‘‘

بچے کے کان میں اذان دینے کا منشاء یہ ہے کہ سب سے پہلے بچہ کے کان میں توحید کی آواز پہنچے اور اس بات کی آرزو کی جائے کہ یہ بچہ خدائے واحد کا فرماں بردار اور اس کا پرستار بن کر زندگی بسر کرے۔

بچوں کے نام

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ اَحَبَّ اَسْمَآئِکُمْ اِلَی اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’اللہ کے نزدیک تمھارے ناموں میں بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔‘‘

تشریح: بچوں کا نام جہاں تک ہو سکے اچھے سے اچھا رکھنا چاہیے۔ عبداللہ اور عبدالرحمٰن کو بہترین نام اس لیے کہا گیا کہ ان ناموں سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ آدمی کی حیثیت خدا کے بندے کی ہے اور خدا کا بندہ ہونا کوئی عار اور ذلت کی بات نہیں ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَخْنَی الْاَسْمَاءِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عِنْدَ اللّٰہِ رَجُلٌ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’قیامت کے روز اللہ کے نزدیک بدترین نام والا وہ شخص ہوگا، جس کا نام شہنشاہ ہوگا۔‘‘

تشریح: حقیقی بادشاہ بھی خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے چہ جائے کہ کسی کو شہنشاہ یعنی بادشاہوں کا بادشاہ کہا جائے۔ وصف شہنشاہیت تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ دوسرا کوئی نہیں جو اس وصف میں اس کا شریک ہو۔ اس لیے انسان کے لیے شہنشاہ یا اس طرح کے دوسرے نام باعثِ رسوائی ہی ہو سکتے ہیں۔ یہ حقیقت آج نہیں تو کل قیامت کے روز عیاں ہو کر رہے گی۔

〈۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ بِنْتًا کَانَتْ لِعُمَرؓ یُقَالُ لَھَا عَاصِیَۃُ فَسَمَّھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ جَمِیْلَۃَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کے ایک بیٹی تھی جس کو عاصیہ (بمعنی گنہگار) کہا جاتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا نام (بدل کر) جمیلہ رکھ دیا۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عرب اپنے بچوں کا نام عاصی یا عاصیہ رکھتے تھے، جس کے معنی گنہگار، نافرمان، سرکش اور متکبر کے ہوتے ہیں۔ اسلام کے ظہور میں آنے کے بعد ایسے نام جو جاہلی تہذیب کے مظہر تھے کیوں کر گوارا ہو سکتے تھے۔ جیسا کہ مختلف روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے ناموں کو حضور ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا اور بہت سے ایسے نام جو اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح نہ تھے آپؐ نے بدل دیے۔ عاصی کا نام عزیز رکھا۔ حزن کو جس کے معنی سخت اور دشوار گزار زمین کے ہوتے ہیں، بدل کر سہل عطا فرمایا۔ آپؐ نے شہاب کے بدلے ہشام اور حرب کے بدلے سلم نام رکھا۔ مضطجع (لیٹنے والا) کو منبعث (اٹھنے والا) سے بدل دیا۔ اور جس زمین کا نام عفرہ (غیر آباد، بنجر) تھا اُسے حضرہ (شاداب) فرمایا۔ شعب الضلالہ کا نام شعب الہدیٰ اور بنو الزینہ کا نام بنو الرشدہ رکھا (ابوداؤد)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نام اسلامی مزاج کے خلاف ہوں ان کو بدلا جاسکتا ہے بلکہ ان کو بدل ہی دینا چاہیے۔

(۴) وَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ اَبِىْ سَلَمَةَؓ قَالَتْ سُمِّيْتُ بَرَّةَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمُ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَهْلِ الْبِرِّ مِنْكُمْ. سَمُّوْهَا زَيْنَبَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ کہتی ہیں کہ میرا نام برہ (نیکوکار) رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی تعریف نہ کرو۔ تم میں جو نیکوکار ہے اسے اللہ بخوبی جانتا ہے۔ اس کا نام زینب رکھو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کسی کا نام ایسا نہیں ہونا چاہیے، جس میں خودستائی اور خود پسندی کا پہلو پایا جاتا ہو۔ خود اپنی تعریف کرنی تواضع اور جذبۂ عبودیت کے منافی ہے۔ اگر کوئی نیک اور خدا کا پسندیدہ ہے تو وہ خدا کی نگاہ سے چھپا نہیں رہ سکتا۔

غسل اور صفائی ستھرائی

(۱) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: حَقُّ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ يَّغْتَسِلَ فِىْ كُلِّ سَبْعَةِ اَيَّامٍ يَّغْسِلُ رَأْسَهٗ وَ جَسَدَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا کا ہر مسلمان پر یہ حق ہے کہ وہ ہر ہفتہ میں غسل کرے۔ اپنے سر اور بدن کو دھوئے۔“

تشریح: مسلمان خدا کی رضا اور خوشی کا طالب ہوتا ہے اسی لیے اس پر خدا نے اپنا حق جتایا ہے۔ ہم اپنے جسم کو صاف اور پاک رکھیں، یہ ہم پر خدا کا ایک حق ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خدا کو اپنے مسلم بندے سے کتنا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کے محبوب بندے گندے رہیں۔ انھیں ہفتہ میں کم سے کم ایک بار تو لازماً غسل کرنا چاہیے اور سر اور بدن کو دھو کر خوب صاف رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی ہر روز نہانے کو اپنا معمول بنالے تو کیا کہنا، لیکن اسے لازم نہیں کیا گیا کہ اس میں بعض لوگوں کو دشواری پیش آ سکتی ہے۔

نبی ﷺ کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی پر غسل جنابت فرض ہے۔ یعنی اس نے اگر بیوی سے مباشرت کی ہے تو اس کے لیے غسل کرنا ضروری ہے۔ غسل کیے بغیر وہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح اگر کسی کو احتلام ہو گیا تو اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ باقاعدہ غسل کرے۔

(۲) وَ عَنۡهُ قَالَ: سَمِعۡتُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوۡلُ: اَلۡفِطۡرَةُ خَمۡسٌ: اَلۡخِتَانُ وَالۡاِسۡتِحۡدَادُ وَ قَصُّ الشَّارِبِ وَ تَقۡلِيۡمُ الۡاَظۡفَارِ وَ نَتۡفُ الۡاٰبَاطِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فطری چیزیں پانچ ہیں: ختنہ کرنا، موئے زیر ناف کو صاف کرنا، مونچھوں کو کتروانا، ناخنوں کو کٹوانا اور بغل کے بالوں کو اکھاڑنا۔“

تشریح: ان چیزوں کے فطری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اگر کسی تعصب کا شکار نہ ہو تو ان چیزوں کی معقولیت بالکل واضح ہے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی۔ یہ پانچوں ہی چیزیں اصل میں جسم کی صفائی ستھرائی سے تعلق رکھتی ہیں۔ ختنہ نہ کرانے سے عضو خاص کی صفائی نہیں ہو پاتی۔ طبی تحقیق یہ ہے کہ جن کے ختنے ہوئے ہوں وہ عضو تناسل کے سرطان (Penis Cancer) سے محفوظ رہتے ہیں۔ سرطان کے علاوہ اور دوسرے مہلک امراض سے بھی آدمی کی حفاظت ہوتی ہے۔

ناخن کٹوانا، موئے زیر ناف اور بغل کے بالوں کو صاف کرنا کتنا ضروری ہے اسے ہر ستھرے ذوق کا آدمی جانتا ہے، اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مونچھوں کے

کتروانے کا تعلق بھی صفائی سے ہے، جن لوگوں کی مونچھیں بڑی لمبی ہوتی ہیں کھاتے پیتے وقت انھیں ان کی طرف سے بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے، لیکن اس کے بعض دوسرے پہلو بھی ہیں۔ ہونٹوں میں بڑے تیز اور حساس قسم کے گلینڈز (Glands) ہوتے ہیں۔ اوپر ہونٹ کے گلینڈز میں ایسے ہارمون پیدا ہوتے ہیں جن کے لیے پانی بھی ضروری ہے اور بیرونی اثرات بھی۔ مونچھوں کو ترشوانے اور ان کو ہلکی کرنے سے ہونٹ پر پانی بھی لگے گا اور وہ بیرونی ہوائی اثرات بھی بہ آسانی قبول کرسکے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ فطری چیزیں دس ہیں: پانچ یہی ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے باقی پانچ یہ ہیں: سر پر بال ہوں تو مانگ نکالنا، کلی کرنا، ناک صاف کرنا، مسواک کرنا اور پانی سے استنجا کرنا، ان کا بھی فطری ہونا بالکل ظاہر ہے۔

پیشاب پاخانہ کے آداب

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا شَرِبَ اَحَدُکُمْ فَلاَ یَتَنَفَّسُ فِی الْاِنَآءِ وَ اِذَا اَتَی الْخَلاَءَ فَلاَ یَمَسَّ ذَکَرَہٗ بِیَمِیْنِہٖ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی پانی پیے تو (پانی پینے کے) برتن میں سانس نہ لے۔ اور جب پاخانہ جائے تو دائیں ہاتھ سے عضو مخصوص کو نہ چھوئے۔''

تشریح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس گلاس یا برتن سے پانی پی رہے ہوں، پانی پیتے وقت اس میں سانس نہ لیں کیوں کہ یہ ایک نازیبا طریقہ ہے اور نظافت کے بھی خلاف ہے۔ عضو مخصوص کو دھونے وغیرہ کے لیے اسے ہاتھ لگائیں تو دایاں ہاتھ نہ لگائیں بلکہ اس طرح کے کام کے لیے ہمیشہ بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے۔

〈۲〉 وَ عَنْ سَلْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: نَھَانَا یَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَۃَ بِغَائِطٍ اَوْ بَوْلٍ اَوْ نَسْتَنْجِیَ بِالْیَمِیْنِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس بات سے منع فرمایا ہے کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں۔ یا ہم دائیں ہاتھ سے استنجا کریں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ پاخانہ پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف پشت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ کعبہ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ نہ اس کی طرف تھوکا جائے اور نہ اس کی طرف پاؤں پھیلائیں۔

پیشاب پاخانہ سے فارغ ہونے کے بعد نجاست سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی غرض سے جب آب دست یا ڈھیلا لیں تو اس کے لیے دایاں ہاتھ کے بجائے بایاں ہاتھ استعمال کریں۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت الخلا میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ ''اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں ناپاک جنوں اور ناپاک جنیوں سے بچنے کے لیے۔''

تشریح: بیت الخلا وغیرہ گندے مقامات پر شیاطین کے غالب ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ان کے اثرات سے بچنے کے لیے اپنے خدا سے پناہ طلب کر کے اپنے آپ کو اس کی محافظت میں دے دینا چاہیے۔

مسواک

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِتَاخِیْرِ الْعِشَآءِ وَ بِالسِّوَاکِ عِنْدَ کُلِّ صَلٰوۃٍ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مجھے اس کا خیال نہ ہوتا کہ یہ میری امت کے لیے دشوار ہوگا تو میں لوگوں کو حکم دیتا کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھیں اور ہر ایک نماز کے لیے مسواک کریں۔''

تشریح: پسندیدہ بات اب بھی یہی ہے کہ ہر نماز کے لیے مسواک کی جائے اور مستحب یہی ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھی جائے۔ اگر امت کی دشواری اور مشکلات پیشِ نظر نہ ہوتیں تو واجب کر دیا جاتا کہ لوگ لازماً ہر نماز کے موقعے پر مسواک کیا کریں اور عشاء کی نماز کو لازماً وہ تاخیر ہی سے پڑھیں۔ تہائی یا نصف شب گزرنے سے پہلے عشاء کی نماز ادا نہ کریں۔

〈۲〉 وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلسِّوَاکُ مُطَھِّرَۃٌ لِلْفَمِ مَرْضَاۃٌ لِلرَّبِّ. (شافعی، احمد، نسائی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا: ''مسواک منہ کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے اور رب کی رضا و خوش نودی کا باعث ہے۔''

تشریح: مسواک کے جتنے بھی فائدے بتائے جائیں وہ کم ہیں۔ منہ کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مسواک کرنا ضروری ہے۔ نبی ﷺ مسواک کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔ سو جانے یا چپ رہنے کی وجہ سے یا کچھ نہ کھانے پینے کے سبب سے (جیسے روزہ رکھنے سے) منہ کا مزہ بگڑ جاتا ہے اور منہ سے ایک قسم کی ناگوار بو آنے لگتی ہے، ایسی صورت میں مسواک کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہمارے یہاں نیم کے درخت کی مسواک کو مفید سمجھا جاتا ہے۔ حدیث میں پیلو کے درخت کی مسواک کا ذکر ملتا ہے۔ علماء کے نزدیک مسواک کی فضیلت میں چالیس احادیث منقول ہوئی ہیں۔

نبی ﷺ گھر میں تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسواک کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے گھر میں نظافت اور پاکیزگی کا خیال رکھنا کس درجہ پسندیدہ ہے۔ منہ صاف رہے گا تو آپس میں ملنے جلنے اور گفتگو کرنے سے کسی کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوسکتی۔ علامہ ابن حجرؒ کے نزدیک تو اس حدیث میں ہر شخص کے لیے ایک طرح کی تاکید ہے کہ جب وہ اپنے گھر میں داخل ہو تو سب سے پہلے وہ مسواک کر کے منہ کو صاف کرے۔

سر کے بال

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ کَانَ لَهٗ شَعْرٌ فَلْیُکْرِمْهُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کے بال ہوں اُسے چاہیے کہ ان کو اچھی طرح رکھے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ سر پر بال رکھے تو ان کی حفاظت بھی کرے۔ بالوں کو دھوئے، سر میں تیل ڈالے اور کنگھی کرے۔ ایسا نہ ہو کہ سر کے بال ایسے بکھرے اور الجھے ہوئے ہوں کہ دیکھ کر وحشت ہونے لگے۔

〈۲〉 وَ عَنْ قَتَادَةَؓ قَالَ: سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِکٍؓ عَنْ شَعْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: کَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ رَجِلاً لَّیْسَ بِالسَّبِطِ وَلاَ الْجَعْدِ بَیْنَ اُذُنَیْهِ وَ عَاتِقِهٖ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالکؓ سے رسول اللہ ﷺ کے بالوں کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بال نہ تو زیادہ گھونگریالے تھے اور نہ بہت زیادہ سیدھے بلکہ اعتدال پر تھے اور آپ کے بال کانوں اور مونڈھوں کے درمیان تھے۔

〈۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ نَھٰی عَنِ الْقَزَعِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قزع سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: قزع سے مراد یہ ہے کہ سر کے بال کچھ تو مونڈائیں اور کچھ باقی رکھیں۔ چناں چہ حضرت نافعؒ قزع کے بارے کہتے ہیں: یُحْلَقُ بَعْضُ رَأسِ الصَّبِیِّ وَ یُتْرَکُ بَعْضٌ (مسلم) ''بچے کے سر کا کچھ حصہ مونڈنا اور کچھ چھوڑ دینا قزع ہے۔''

〈۴〉 وَ عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَؓ قَالَ: کَانَ اَزْوَاجُ النَّبِیِّ ﷺ یَاْخُذْ مِنْ رُؤُسِھِنَّ حَتّٰی یَکُوْنَ کَالْوَفْرَۃِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سلمہؓ بیان کرتے ہیں نبی ﷺ کی بیویاں اپنے سر کے بال کترواتی تھیں یہاں تک کہ بال کانوں تک رکھتی تھیں۔

تشریح: حضور ﷺ کی ازواجِ مطہرات شاید رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ترکِ زینت کے خیال سے ایسا کرتی رہی ہوں۔ یہی رائے قاضی عیاضؒ اور دوسرے اہلِ علم کی بھی ہے۔

زیب و زینت یا سنگار

〈۱〉 عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ تَحْلَقَ الْمَرْأَۃُ رَأْسَھَا. (نسائی)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو سر منڈانے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: سر کے بال عورتوں کی زینت ہیں، اسی لیے ان کو منڈانے سے منع فرمایا۔ آرائش اور سنگار عورتوں کی ایک فطری ضرورت ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ قَالَتْ: قَدِمَتْ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ حُلْیَۃٌ مِّنْ عِنْدِ النَّجَّاشِیِّ اَھْدَاھَا لَہٗ فِیْھَا خَاتِمٌ مِّنْ ذَھَبٍ فِیْہِ فَصٌّ حَبَشِیٌّ قَالَتْ: فَاَخَذَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِعُوْدٍ مُعْرِضًا عَنْہُ اَوْ بِبَعْضِ اَصَابِعِہٖ ثُمَّ دَعَا اُمَامَۃَ بِنْتَ اَبِی الْعَاصِ بِنْتَ اِبْنَتِہٖ زَیْنَبَ فَقَالَ: تَحَلِّیْ بِھٰذَا یَا بُنَیَّۃُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس نجاشی (شاہِ حبش) کی طرف سے زیور آیا، اسے نجاشی نے آپؐ کو بطورِ تحفہ بھیجا تھا۔ اس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی، جس میں حبشی نگینہ جڑا ہوا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے لکڑی یا انگلی سے چھوا مگر اس کی طرف توجہ نہ کی۔ پھر آپ ﷺ نے اُمامہ بنت ابی العاصؓ حضرت زینبؓ کی بیٹی کو جو آپ ﷺ کی نواسی تھیں بلایا اور فرمایا: ''اے بیٹی تو اسے پہن لے۔''

تشریح: سونے کے زیورات اور ریشم کا استعمال صرف عورتوں کے لیے جائز ہے، مردوں کے لیے ان کا استعمال روا نہیں ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْهَا اَنَّ هِنْدًا بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بَايِعْنِيْ، فَقَالَ: لاَ اُبَايِعُكِ حَتّٰى تُغَيِّرِيْ كَفَّيْكِ. (ابوداوٗد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عتبہ کی بیٹی ہندہ نے جب کہا کہ اے اللہ کے نبی مجھے بیعت کر لیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تم اپنے ہاتھوں (کو مہندی لگا کر ان) کی رنگت متغیر نہ کر لوگی میں تم سے بیعت نہیں لوں گا۔''

تشریح: عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ زینت اور اپنی نسائیت کے تقاضوں کو نظر انداز نہ کرے۔ عورت کے لیے مستحب ہے کہ وہ ہاتھوں میں مہندی لگائے۔

﴿۴﴾ وَ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ خَاتَمُهٗ مِنْ فِضَّةٍ وَ كَانَ فَصُّهٗ مِنْهُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔

تشریح: روایت میں آپ ﷺ کے ایسی انگوٹھی پہننے کا ذکر بھی ملتا ہے، جس کا نگینہ حبشی تھا۔ حبشی سے مراد عقیق ہے۔ عقیق کی کان حبشہ اور یمن میں پائی جاتی تھی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اَخَذَ حَرِيْرًا فَجَعَلَهٗ فِيْ يَمِيْنِهٖ وَ اَخَذَ ذَهَبًا فَجَعَلَهٗ فِيْ شِمَالِهٖ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ هٰذَيْنِ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِيْ. (احمد، ابوداوٗد، نسائی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ریشم لیا اور اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑا اور آپؐ نے اسی طرح سونا لیا اور اس کو بائیں ہاتھ میں پکڑا، پھر فرمایا: ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔''

تشریح: یعنی ریشمی لباس اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ کا استعمال مسلم مردوں کے لیے دنیا میں بالکل جائز نہیں ہے۔ آرایش اور زیب و زینت کو عورتوں ہی کے لیے روا رکھا گیا ہے تاکہ انھیں اپنے شوہروں کی محبت زیادہ سے زیادہ حاصل ہو سکے۔ مرد اگر زیادہ زینت کے چکر میں پڑتے ہیں اور سونے اور ریشم سے اپنے کو سجانے کے ذوق وشوق میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ جہاد فی سبیل اللہ اور خدا کے راستے میں سرگرمی دکھانے کی اہلیت کھو بیٹھیں گے اور آخرت کی طرف سے غافل ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں حریر و دیبا کے پہننے سے ہی نہیں، ان کے فرش پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے (بخاری، مسلم)۔ البتہ طبی ضرورت کے تحت ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت آپؐ نے مرد کو بھی دی ہے۔ چناں چہ حضور ﷺ نے حضرت زبیرؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دے دی تھی۔ (بخاری، مسلم)

‹۶› وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اَلاَ وَطِيْبُ الرِّجَالِ رِيْحٌ لاَ لَوْنَ لَهٗ وَ طِيْبُ النِّسَآءِ لَوْنٌ لاَ رِيْحَ لَهٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یاد رکھو، مرد جو خوشبو استعمال کریں وہ ایسی ہو کہ اس میں مہک تو ہو لیکن رنگ نہ ہو اور عورتوں کی خوشبو میں رنگ تو ہو مگر مہک نہ ہو۔

تشریح: یعنی مرد جو خوشبو لگائیں اس میں رنگ نہ ہو تاکہ اس خوشبو سے ان کے کپڑے رنگین نہ ہوں۔ رنگ اور چمک وغیرہ کا اصل تعلق مردوں سے نہیں عورتوں سے ہوتا ہے۔

عورتیں جو خوشبو استعمال کریں اس میں رنگ ہو تیز خوشبو نہ ہو۔ جیسے زعفران، مہندی وغیرہ کہ ان میں رنگ تو ہوتا ہے لیکن خوشبو اتنی تیز نہیں ہوتی کہ دور تک پھیل سکے اور گھر کے باہر نکل کر اجنبی اور نامحرم مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرے اور ان کے لیے فتنہ کا سبب بن سکے۔ ایک حدیث میں ہے: اِذَا اسْتَعْطَرَتِ الْمَرْاَةُ فَمَرَّتْ عَلَى الْقَوْمِ لِيَجِدُوْا رِيْحَهَا فَهِيَ كَذَا وَ كَذَا قَالَ قَوْلاً شَدِيْدًا (ابوداؤد) ''جب عورت عطر لگائے پھر مردوں میں جائے کہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔ آپؐ نے بہت سخت بات کہی۔''

‹۷› وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اصفہانی سرمہ لگایا کرو کیوں کہ وہ بینائی کو بڑھاتا اور بالوں یعنی پلکوں کو اُگاتا ہے۔''

تشریح: اصفہانی سرمہ کے لیے متن میں اثمد لفظ آیا ہے، جو ایک خاص سرمہ کا نام ہے، بعض اہل علم کے نزدیک اس سے مراد سرمہ اصفہانی ہے۔ یہ پلکوں کو اُگاتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ یہ پلکیں آنکھوں کی زیبائی اور حفاظت دونوں کی ضامن ہوا کرتی ہیں۔

〈۸〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: اِنَّ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْهُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے تو تم ان کے خلاف کرو (یعنی خضاب کرو)۔''

تشریح: آنکھ بند کر کے کسی غیر قوم کے رسم و رواج کی تقلید درست نہیں ہے۔ اپنی وضع کو حتی الامکان برقرار رکھنا چاہیے۔ اسلام نے خضاب کی اجازت دی ہے۔ زرد رنگ کے خضاب سے کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ حنا وغیرہ سے خضاب کرتے تھے۔ سیاہ خضاب کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک سیاہ خضاب بالکل ہی ممنوع ہے۔ بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں۔ اسلاف میں بعض بزرگوں مثلاً حضرت عثمانؓ، حضرت حسنؓ، اور حضرت حسینؓ اور عقبہ بن عامرؓ سے سیاہ خضاب کرنا ثابت ہے۔ شاید کوئی اہم دینی ضرورت ان حضرات کے پیشِ نظر رہی ہو۔

لباس

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُیَلَاءَ لَمْ یَنْظُرِ اللّٰهُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص غرور و تکبر کے طور پر اپنے (جسم کے) کپڑے گھسیٹتا ہوا چلے گا، قیامت کے روز خدا اس کی طرف (رحمت کی نظر سے) نہیں دیکھے گا۔''

تشریح: لباس اللہ نے ستر پوشی اور زینت کے لیے اتارا ہے۔ لباس اس لیے نہیں نازل کیا گیا

ہے کہ کوئی فخر جتائے اور عام لوگوں کے مقابلے میں اپنے کو فائق و بہتر ظاہر کرے اور ان کی تحقیر کرے۔ جس کسی نے دنیا میں متکبر بننے کی کوشش کی ہوگی، خدا اسے رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔ اگر کوئی غرور اور تکبر کے بغیر پائجامے یا تہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکائے جب بھی اس کا یہ عمل ناپسندیدہ قرار پائے گا۔ اور اگر وہ کسی عذر کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو بات دوسری ہے۔

ایک روایت میں ہے: مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ فِي الدُّنْيَا اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذِلَّةٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (احمد) ابوداؤد، ابن ماجہ) ''جو شخص دنیا میں شہرت کا لباس زیب تن کرے گا۔ اللہ قیامت کے روز اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔'' یعنی جو شخص اعلیٰ لباس اس غرض سے پہنتا ہے کہ دنیا میں اس کی شہرت ہو اور لوگ اس کی بڑائی کے معترف ہوں اس کو قیامت کے روز ذلت اور رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(۲) وَ عَنْ اَبِيْ مُوْسَى الْاَشْعَرِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: اُحِلَّ الذَّهَبُ، وَالْحَرِيْرُ لِلْاَنَاثِ مِنْ اُمَّتِيْ وَ حُرِّمَ عَلٰى ذُكُوْرِهَا. (ترمذی، نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کی عورتوں کے لیے سونا اور ریشم حلال ہے اور امت کے مردوں پر حرام ہے۔''

(۳) وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّرٰى اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو۔''

تشریح: یعنی خدا نے اگر کسی شخص کو مال و دولت سے نوازا ہے اور وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے کہ اچھے لباس پہن سکے تو اسے اپنی حیثیت کے لحاظ سے عمدہ اور اچھے کپڑے پہننے چاہئیں۔ البتہ اس سلسلے میں اسے اسراف سے بچنا چاہیے اور کبر و غرور سے اپنے دل کو پاک رکھنا چاہیے۔ اس کے دل میں شکر کا جذبہ ہو۔ اس کے مال میں اللہ نے محتاجوں اور مفلسوں کا بھی حق رکھا ہے۔ اس بات کو وہ ہرگز نہ بھولے۔

(۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. (احمد، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی قوم کی

مشابہت اختیار کرے اس کا شمار اس قوم میں ہوگا۔“

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کا خیال رکھیں کہ ان کی امتیازی حیثیت گم نہ ہونے پائے۔ ان کی اصل حیثیت ایک ہدایت یافتہ امت کی ہے۔ بھٹکی ہوئی اور ضلالتوں میں مبتلا کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ ہم اپنے اس منصب کو فراموش کر رہے ہیں، جس پر خدا نے ہمیں فائز کیا ہے۔ اخلاق و اطوار، افعال و کردار، کھانے پینے، بولنے چالنے اور پہننے اوڑھنے وغیرہ ہر معاملہ میں غیر مومنانہ طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً کوئی لباس اگر کسی قوم کے اپنے قومی شعار میں داخل ہے تو اس لباس کے پہننے سے بچنا چاہیے۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَ عَلَيْهَا ثِيَابٌ رِقَاقٌ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ قَالَ: يَا اَسْمَآءُ اَنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا بَلَغَتِ الْحَيْضَ لَنْ يَّصْلُحَ اَنْ يُّرٰى مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَ اَشَارَ اِلٰى وَجْهِهٖ وَ كَفَّيْهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اسماء بنت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حالت میں حاضر ہوئیں کہ ان کے بدن پر باریک کپڑے تھے۔ آپؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: ”عورت جب ایامِ حیض کو پہنچ جائے (یعنی جب وہ بالغ ہو جائے) تو یہ ہرگز درست نہیں کہ اس کا کوئی عضو دیکھا جائے سوائے اس کے۔“ آپ نے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جب کوئی عورت سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ اس کے جسم کا کوئی دوسرا حصہ کھلا ہوا ہو۔ اِس حکم کی پابندی اُسے گھر کے اندر کرنی ہے۔ لیکن بالغ عورت اگر گھر کے باہر جاتی ہے تو وہ اپنے چہرے اور ہاتھوں کو بھی چھپائے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ تَصَدَّقُوْا وَالْبَسُوْا مَا لَمْ يُخَالِطْ اِسْرَافٌ وَلاَ مَخِيْلَةٌ. (احمد، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو جب تک اس میں اسراف اور تکبر نہ ہو۔“

تشریح: یعنی اسلام کھانے پینے اور پہننے پر روک نہیں لگاتا۔ بس اس سلسلے میں اسراف اور تکبر سے بچے۔ اور اپنے مال سے محتاجوں اور مسکینوں کی بھی مدد کرے اور دین کی اشاعت وفروغ میں اپنا مال خرچ کرتا رہے۔

(۷) وَ عَنْ سَمُرَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِلْبَسُوْا الثِّیَابَ الْبِیْضَ فَاِنَّهَا اَطْهَرُ وَ اَطْیَبُ وَ كَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاكُمْ. (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت سمرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”سفید کپڑے پہنو، وہ زیادہ صاف اور نفیس ہوتے ہیں اور سفید کپڑوں ہی میں اپنے مردوں کو کفناؤ۔“

تشریح: ایک روایت میں آیا ہے: اِنَّ اَحْسَنَ مَازُرْتُمُ اللّٰهَ فِیْ قُبُوْرِكُمْ وَ مَسَاجِدُكُمُ الْبَیَاضُ (ابن ماجہ) ”سب سے بہتر رنگ جس میں تم اپنی قبروں اور اپنی مسجدوں میں اللہ سے ملاقات کرو سفید رنگ ہے۔“

مردوں کے لیے سفید کپڑا زیادہ پسندیدہ ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے رنگین لباس ہی زیادہ پسند کیا گیا ہے۔ اس لیے زینت اور آرائش عورتوں کی خاص چیز ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(۸) وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِالْخُدْرِیِّؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاِسْمِهٖ عَمَامَةً اَوْ قَمِیْصًا اَوْ رِدَآءً ثُمَّ یَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِیْهِ اَسْئَلُكَ خَیْرَهٗ وَ خَیْرَ مَا صُنِعَ لَهٗ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَ شَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نیا کپڑا زیب تن فرماتے عمامہ ہو یا قمیص یا چادر تو اس کا نام لے کر دعا کرتے کہ ”اے اللہ، تیری حمد اور تیرا شکر جیسا تو نے مجھے یہ کپڑا پہنایا۔ میں تجھ سے اس کی بھلائی کا طلب گار ہوں اور اس بھلائی کا طالب ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا۔ اور میں اس کپڑے کے شر سے اور اس کے مقصد (یعنی اس کے استعمال) کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔“

تشریح: کپڑا یا کوئی نعمت استعمال میں آئے تو بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ کو یاد کرے اور اس کا شکر گزار ہو کہ یہی اسلامی تہذیب کا اصل تقاضا ہے۔

جوتا یا پاپوش

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِذَا انْتَعَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَبْدَأْ بِالْیَمِیْنِ وَ اِذَا نَزَعَ فَلْیَبْدَأْ بِالشِّمَالِ. (بخاری)

ترجمه: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’تم میں سے جب کوئی شخص جوتی (پیزار) پہنے تو پہلے دائیں پاؤں میں پہنے اور جب اُسے اُتارے تو پہلے بائیں پاؤں سے اُتارے۔‘‘

تشریح: صحیح مسلم میں مزید یہ الفاظ آئے ہیں: وَلْیُنْعِلْهُمَا جَمِیْعًا اَوْ لِیَخْلَعْهُمَا جَمِیْعًا ’’اور چاہیے کہ دونوں کو پہنے یا دونوں کو اُتار دے۔‘‘ یہ نہایت بے ڈھنگے پن کی بات ہے اور اُصولِ صحت کے بھی خلاف ہے کہ جوتی ایک ہی پیر میں ہو اور دوسرا پیر خالی رہے۔

اسلام میں اچھے اور پسند کے کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دائیں کو بائیں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے۔ اس کا لحاظ رکھنا ایک فطری امر ہے۔ اس کے علاوہ اظہارِ شکر کے لیے بھی ایسا ہی کرنا چاہیے کہ پسندیدہ کام دائیں جانب سے کیا جائے۔ اچھے کام کی ابتدا دائیں طرف سے کر کے بندہ اس کا اظہار کرتا ہے کہ اسے بے بسی اور بے دلی سے نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ خدا کی نوازش اور اس کے کرم کا پورا احساس رکھتا ہے۔

کھانے پینے کے آداب

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَاکُلْ بِیَمِیْنِهٖ وَ اِذَا شَرِبَ فَلْیَشْرِبْ بِیَمِیْنِهٖ. (مسلم)

ترجمه: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو دائیں ہاتھ سے کھائے اور جب کوئی چیز پیے تو دائیں ہاتھ میں لے کر پیے۔‘‘

تشریح: ہر اچھے اور پسندیدہ کام دائیں ہاتھ سے انجام دینا اسلامی آداب میں داخل ہے۔ بائیں ہاتھ سے کھانا خدا کی بخشی ہوئی نعمت کی ناقدری ہے۔ خدا کی عطا کی ہوئی کسی نعمت کی ناقدری وہی کرسکتا ہے، جو خدا کا شکر گزار نہ ہو۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلْیَذْکُرِ اسْمَ اللّٰهِ

فَاِنْ نَسِیَ اَنْ یَّذْکُرَ اسْمَ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ فَلْیَقُلْ بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے۔ اگر وہ پہلے اللہ کا نام لینا بھول جائے تو یوں کہے: بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَ اٰخِرَہٗ (یعنی اللہ کے نام سے برکت حاصل کرتا ہوں) شروع میں بھی اور آخر میں بھی۔“

تشریح: کھانا خدا کا نام لے کر یعنی بسم اللہ کہہ کر شروع کرنا چاہیے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ بندے کو اپنی بندگی اور محتاجی کا پورا احساس ہے اور وہ جانتا اور اس کا اعتراف کرتا ہے کہ ساری نعمتیں خدا ہی کی عطا کردہ ہیں۔ خدا کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے، جس کو وہ اپنا رازق مان کر اس کا شکر گزار ہو۔

اس کے علاوہ خدا کے پاک نام کی برکت سے شیطانی شرارت سے اس کا کھانا محفوظ رہتا ہے، جو شخص کھانا کھاتے وقت خدا کو یاد کرتا ہو لازماً اس کی کوشش یہی ہوگی کہ اس کی روزی حلال وطیب ہو۔ اور خدا کی نعمت سے آسودگی حاصل کرنے کے بعد اس سے اسی بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کے کاموں کے قریب نہیں جائے گا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ کَعْبِ ابْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَاْکُلُ بِثَلاَثَۃِ اَصَابِعَ وَ یَلْعَقُ یَدَہٗ قَبْلَ اَنْ یَّمْسَحَھَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا کھایا کرتے تھے اور اپنا ہاتھ پوچھنے (یا دھونے) سے پہلے چاٹ لیا کرتے تھے۔

تشریح: آپؐ اکثر تین انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے۔ یہی آپؐ کی سنت ہے۔ کھانے کے بعد انگلیوں کو چاٹنا اس لیے ضروری ہے کہ خدا کی نعمت کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو۔ اور یہ اس بات کا اظہار بھی ہے کہ ہم خدا کی نعمت کے محتاج ہیں۔ اس لیے اس کی نعمت سے بے اعتنائی کسی حال میں بھی درست نہیں ہے۔ ہمیں ربِّ کریم کے سامنے اپنی حد درجہ محتاجی ظاہر کرنی چاہیے۔ کبر ونخوت اللہ کو پسند نہیں ہے۔ پھر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ رزق کے کس جز میں اللہ نے ہمارے لیے خاص برکت رکھی ہے۔ اس لیے اس کی نعمت کے ایک ایک ذرّہ کی قدر کرنی چاہیے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: اِنَّ الشَّیْطَانَ یَحْضُرُ اَحَدَکُمْ عِنْدَ کُلِّ شَیْءٍ مِنْ شَاْنِہٖ حَتّٰی یَحْضُرَہٗ عِنْدَ طَعَامِہٖ فَاِذَا اسْقَطَتْ مِنْ اَحَدِکُمْ

اللُّقْمَةُ فَلْيُمِطْ مَا كَانَ بِهَا مِنْ اَذًى ثُمَّ لِيَاْكُلْهَا وَلاَ يَدَعْهَا لِلشَّيْطَانِ فَاِذَا فَرَغَ فَلْيَلْعَقْ اَصَابِعَهُ فَاِنَّهُ لاَ يَدْرِىْ فِىْ اَىِّ طَعَامِهٖ تَكُوْنُ الْبَرَكَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''شیطان تمھارے ہر کام کے موقعے پر تمھارے پاس موجود رہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمھارے کھانے کے وقت بھی وہ موجود رہتا ہے۔ لہٰذا تم میں سے جب کسی کا کوئی لقمہ گر جائے تو چاہیے کہ (اسے اٹھالے اور) جو چیز اس کو لگ گئی ہو اسے صاف کر کے لقمہ کھالے۔ اس کو شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔ اور جب کھانا کھا چکے تو چاہیے کہ اپنی انگلیوں کو چاٹ لے، کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔''

تشریح: شیطان تو چاہتا ہے کہ خدا کی نعمت ضائع ہو۔ اس سے اس کے اپنے مقاصد کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ یہ کس قدر رنج اور تاسف کی بات ہے کہ جس کے رسولؐ نے اس درجہ تاکید فرمائی ہو کہ کھانے کے ایک لقمہ تک کو ضائع ہونے سے بچایا جائے آج اس کی امت کس بے دردی کے ساتھ اپنا مال فضول کاموں اور غیر اسلامی رسوم میں برباد کر رہی ہے، جس کا کوئی حساب نہیں۔ یہ دولت اگر دین کے فروغ اور ضرورت مندوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں خرچ ہوتی تو آج قوم بدحالی کا شکار ہرگز نہ ہوتی۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ ہمیں تو ہر طرح کبر و نخوت سے دور رہ کر خدا کی برکتوں کا حریص ہونا چاہیے۔

〈۵〉 وَ عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ: مَا عَابَ النَّبِىُّ ﷺ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ اَكَلَهُ وَ اِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی بھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا۔ اگر رغبت ہوتی کھا لیتے اور اگر ناپسند فرماتے تو اسے چھوڑ دیتے۔

تشریح: آدمی کو اگر کھانے میں کوئی چیز پسند نہ ہو تو وہ اس کو نہ کھائے لیکن اس کو برا کہنا اور اس میں عیب نکالنا حضور ﷺ کے طریقے کے خلاف ہے۔

〈۶〉 وَعَنْ اَبِىْ جُحَيْفَةَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِىُّ ﷺ لاَ اٰكُلُ مُتَّكِئًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔''

تشریح: نبی ﷺ کو متکبرانہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تکیہ وغیرہ پر ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ وَ اَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ ''میں ایک غلام اور بندہ کی طرح کھاتا اور ایک غلام اور بندہ کی طرح بیٹھتا ہوں۔'' بعض دوسرے صحابہؓ سے بھی قریب قریب یہی مضمون مروی ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ اُمَیَّۃَؓ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ یَحْتَزُّ مِنْ کَتِفِ شَاۃٍ فِیْ یَدِہٖ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن امیہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ بکری کا شانہ جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا چھری سے کاٹ رہے ہیں۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت محسوس ہو تو گوشت یا کھانے کی کوئی بھی چیز چھری سے کاٹ کاٹ کر کھا سکتے ہیں۔ لیکن اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو چھری سے کاٹ کر کھانا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ یہ عجمیوں کے تکلّفات میں سے ہے، جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

〈۸〉 وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ بُسْرٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَنِیْ عَبْداً کَرِیْمًا وَّ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا عَنِیْدًا ثُمَّ قَالَ: کُلُوْا مِنْ جَوَانِبِھَا وَ دَعُوْا ذُرْوَتَھَا یُبَارَکَ فِیْھَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بسرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ نے مجھے متواضع بندہ بنایا ہے، سرکش وضدی نہیں بنایا۔'' پھر آپؐ نے فرمایا: ''اس کے کناروں سے (اپنی اپنی سمت سے) کھاؤ، اوپر کے حصے کو چھوڑ دو (یعنی درمیانی حصے پر پہلے ہاتھ نہ ڈالو) تمہارے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے۔''

تشریح: یہ ایک لمبی حدیث کا اہم حصہ ہے، جو یہاں نقل کیا گیا ہے۔ کھانے کے گرد زیادہ لوگ جمع ہو جاتے تو جگہ کی تنگی کے پیشِ نظر آپؐ گھٹنوں پر بیٹھتے۔ ایسے ہی ایک موقعے پر آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے متواضع بنایا ہے، سرکش اور ضدی نہیں بنایا ہے کہ اس طرح سے بیٹھنے کو میں کسرِ شان اور اپنے لیے باعثِ عار سمجھوں۔

آپؐ نے درمیانی حصہ میں پہلے ہاتھ ڈالنے سے منع فرمایا کیوں کہ وہاں خدا کی طرف سے برکت نازل ہوتی ہے۔ ایک روایت میں ہے: اِذَا اَکَلَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَاْکُلْ مِنْ اَعْلٰی

الصَّحْفَةِ وَلٰكِنْ يَاكُلْ مِنْ اَسْفَلِهَا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ تَنْزِلُ مِنْ اَعْلاهَا (ابوداؤد) ”تم میں سے جب کوئی کھانا کھائے تو وہ طباق کے بالائی حصے سے (یعنی درمیان سے) نہ کھائے بلکہ نیچے والے حصے (کنارے) سے کھائے کیوں کہ برکت کا نزول اس کے بالائی حصے سے ہوتا ہے۔“ برکت درحقیقت ایک امرِ الٰہی ہے۔ نبیؐ اس کا ادراک فرماتے تھے کہ برکت کا نزول براہِ راست وسط میں ہوتا ہے۔ پھر اس کے اثرات اطراف و جوانب تک پہنچتے ہیں۔ اس لیے کھانے کے بیچ میں ہاتھ ڈالنے سے آپؐ نے منع فرمایا۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: كُلُوْا جَمِيْعًا وَّلاَ تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مل کر کھاؤ، الگ الگ نہ کھاؤ کیوں کہ برکت جماعت کے ساتھ ہوتی ہے۔“

تشریح: اس کا تجربہ اکثر ہوا ہے کہ ساتھ مل کر کھانے میں زیادہ لوگ آسودہ ہو گئے، حالاں کہ کھانا کوئی بہت زیادہ مقدار میں نہیں تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک کھانا دو کے لیے، دو کا چار کے لیے اور چار کا آٹھ کے لیے کافی ہو جاتا ہے (مسلم)۔ لیکن شرط یہ ہے کہ کھانے والے اچھے ساتھی ہونے کا ثبوت دیں۔ ان میں ایثار کی صفت موجود ہو۔ ہر ایک کی یہ خواہش ہو کہ اس کے دوسرے ساتھی اچھی طرح کھا لیں۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ حُذَيْفَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: لاَ تَلْبَسُوا الْحَرِيْرَ وَلاَ الدِّيْبَاجَ وَلاَ تَشْرَبُوْا فِيْ اٰنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلاَ تَاْكُلُوْا فِيْ صِحَافِهَا فَاِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَهِيَ لَكُمْ فِي الْاٰخِرَةِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”ریشمی کپڑا نہ پہنو اور نہ دیباج پہنو، اور نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو اور نہ سونے چاندی کے پیالوں اور رکابیوں میں کھاؤ کیوں کہ یہ چیزیں دنیا میں کافروں کے لیے ہیں اور تمھارے لیے آخرت میں ہیں۔“

تشریح: آدمی کو اصل فکر آخرت کی ہونی چاہیے۔ جس کسی کو فکرِ آخرت دامن گیر ہوگی وہ سونے چاندی کے برتنوں کو جمع کرنے کی طرف راغب نہیں ہوسکتا۔ اسے تو اصل فکر ان فرائض کے ادا

کرنے کی ہوگی، جو اس پر خدا نے عائد کیے ہیں اور جن کے ادا کرنے سے آخرت کی زندگی سنورتی ہے۔ تنعّم اور عیش و آرام کے لیے دنیا نہیں آخرت کی زندگی ہے۔ نبی ﷺ کی تعلیمات ایسی ہیں، جن سے وہ مزاج و ذوق نشو ونما پاتا ہے جو مزاج و ذوق آخرت پسندوں کا ہونا چاہیے۔ آخرت طلبی کا جذبہ کتنی ہی ایسی چیزوں کو بے وقعت بنا دیتا ہے، جن پر دنیا پرست جان دیتے ہیں۔

''ریشمی کپڑا نہ پہنو۔'' بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چار انگشت کے بقدر ریشمی کپڑا جو دوسرے کپڑے کے کنارے لگایا جائے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح اس کپڑے کے پہننے کی اجازت ہے، جس کے صرف تانے میں ریشم ہو۔ اسی طرح خارش اور جوؤں کی کثرت کی وجہ سے بھی ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۔

〈۱۱〉 وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْاَیْمَنُ فَالْاَیْمَنُ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ: اَلْاَیْمَنُوْنَ الْاَیْمَنُوْنَ اَلاَ فَیَمِّنُوْا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ''دایاں مقدم ہے اور پھر بایاں۔'' ایک روایت میں ہے کہ ''یادرکھو دائیں طرف کے زیادہ مستحق ہیں، پس تم دائیں طرف والوں کا لحاظ رکھو کہ دینے میں ان ہی سے ابتدا کرو۔''

تشریح: اگرچہ دائیں جانب کا شخص نسبتاً کم رتبے کا ہو پھر بھی کھلانے پلانے اور کوئی چیز تقسیم کرنے میں ابتدا اسی طرف سے کرنی چاہیے۔ دائیں کو بائیں کے مقابلے میں فضیلت حاصل ہے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے۔ شریعت کے اصول مبنی بر حکمت ہیں۔ اس کا خیال ہر موقعے پر رکھنا چاہیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اپنے اصولوں کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا ہے۔

〈۱۲〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ.

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شراب کی زیادہ مقدار نشہ پیدا کرے اس کی قلیل مقدار بھی حرام ہے۔''

تشریح: شراب ام الخبائث اور انسانیت کی دشمن ہے۔ اس لیے اسلام نے اُسے قطعاً حرام ٹھہرایا ہے۔ شراب نظامِ ہضم پر برے اثرات ڈالتی ہے۔ شراب کا سب سے زیادہ خراب اثر جگر پر پڑتا ہے۔ اس سے معدہ کی خطرناک قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ شراب دورانِ خون کے

نظام کو بھی متاثر کرتی ہے۔ گردہ اس سے الگ خراب ہوتا ہے۔ پھر شرابی اپنا ذہنی اعتدال بھی باقی نہیں رکھ پاتا، جس کی وجہ سے کتنے ہی معاشرتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، جن سے ہر کوئی واقف ہے۔ اسلام نے شراب، چرس اور بھنگ وغیرہ تمام ہی مسکرات کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کا تھوڑا استعمال بھی درست نہیں ہے۔ ان کا تھوڑا استعمال کرنے والے حدود سے باہر نکل جاتے ہیں اور بالآخر اپنی صحت جو خدا کی بڑی نعمت ہے برباد کر ڈالتے ہیں۔ اس کے علاوہ مخمور انسان انسانیت سوز حرکات سے بھی باز نہیں آتا، جن کو ایک شریف آدمی دیکھنا بھی پسند نہیں کر سکتا۔ شراب کی قباحت کا اندازہ حضورﷺ کی اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے شراب کے سلسلے کے دس آدمیوں پر لعنت کی: (انگور سے) اس کے نچوڑنے والے پر، خود اپنے لیے نچوڑنے والے پر، اس کے پینے والے پر، اس کے پلانے والے پر، اور اس پر جو اس کو لے جائے، اور اس پر جس کے لیے وہ لے جائی جائے، اس کے بیچنے اور اس کے خریدنے والے پر، اور اس پر جو کسی کو شراب دے اور اس پر جو اسے فروخت کر کے اس کی قیمت کھائے۔ (ترمذی)

﴿۱۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ: لاَ تَشْرَبُوْا وَاحِدًا كَشُرْبِ الْبَعِيْرِ وَ لٰكِنْ اُشْرَبُوْا مَثْنٰى وَ ثُلاَثَ وَ سَمُّوْا اِذَا اَنْتُمْ شَرِبْتُمْ وَ احْمَدُوْا اِذَا اَنْتُمْ رَفَعْتُمْ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ”تم ایک سانس میں پانی نہ پیو جس طرح اونٹ پیتا ہے، بلکہ دو تین سانس میں پیو۔ جب پانی پینے لگو تو بسم اللہ کہو اور جب (پینے کے بعد) برتن کو منہ سے ہٹاؤ تو (اللہ کی) حمد کرو۔“

تشریح: پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پانی تین سانس میں اطمینان کے ساتھ پیا جائے۔ اکثر اوقات نبیؐ کا معمول بھی یہی رہا ہے۔ طبی مصلحت بھی اسی میں ہے۔ اس کے علاوہ یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ بندہ نعمت سے اس کے نعمت ہونے کے احساس کے ساتھ فیض یاب ہو رہا ہے۔ اس کے برعکس تیزی کے ساتھ ایک ہی سانس میں پانی یا کوئی مشروب پینے والا اپنے طرزِ عمل سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ محض اپنی ضرورت پوری کر رہا ہے۔ وہ کسی اور چیز کا مطلق خیال نہیں رکھتا۔

﴿۱۴﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ اَنْ يَّتَنَفَّسَ فِى الْاِنَآءِ اَوْ يُنْفَخُ فِيْهِ.

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ پانی پیتے وقت برتن میں سانس لیا جائے یا اس میں پھونک ماری جائے۔

تشریح: برتن میں سانس لینا اور اس میں پھونک مارنا تہذیب و نظافت کے خلاف ہے۔ صحت کے لحاظ سے بھی یہ مضر ہے۔ اس کے علاوہ اس کے بچے ہوئے پانی کو پینے میں دوسرا شخص کراہت محسوس کرے گا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ درمیان میں سانس لے لے کر پانی پینے میں سیرابی زیادہ حاصل ہوتی ہے اور یہ زیادہ صحت بخش اور معدہ کے لیے زیادہ خوش گوار ہے۔

﴿۱۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِہٖ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا)۔

تشریح: اس دعا میں بندہ اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اسے کھلانے پلانے والا اس کا خدا ہی ہے اور اس کے ساتھ وہ خدا کے اس عظیم احسان کا بھی شکریہ ادا کرتا ہے کہ اس نے اس کو مسلمان بنایا۔ یعنی مادّی نعمتیں عطا کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اسلام جیسی نعمت سے سرفراز کرکے اس نے اپنی نعمت کا اتمام بھی فرمایا۔

سونے کے آداب

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِذَا اَوٰی اَحَدُکُمْ اِلٰی فِرَاشِہٖ فَلْیَنْفُضْ فِرَاشَہٗ بِدَاخِلَۃِ اِزَارِہٖ فَاِنَّہٗ لَا یَدْرِیْ مَا خَلَفَہٗ عَلَیْہِ ثُمَّ یَقُوْلُ: بِاسْمِکَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَ بِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ فَارْحَمْھَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہِ الصَّالِحِیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بستر پر جائے تو اپنا بستر جھاڑ لے۔ کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا چیز اس کے پیچھے اس میں داخل ہوگئی

ہے۔ پھر کہے: بِاسْمِکَ رَبِّ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَ بِکَ اَرْفَعُہٗ اِنْ اَمْسَکْتَ فَارْحَمْھَا وَ اِنْ اَرْسَلْتَھَا فَاحْفَظْھَا بِمَا تَحْفَظُ بِہٖ الصَّالِحِیْنَ (میرے رب، تیرے ہی نام سے میں نے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا اور تیری ہی مدد سے اس سے (بستر سے) اٹھاؤں گا۔ اگر تو (سوتے میں) میری روح کو روک لے (یعنی قبض کر لے) تو اس پر رحم فرما اور اگر اسے چھوڑ دے تو اس کی حفاظت فرما، جس طرح تو نیکوکاروں کی حفاظت فرماتا ہے۔"

تشریح: ہمارا سونا اور جاگنا سب خدا ہی کی عنایت سے ہوتا ہے۔ اس احساس کو زندہ رکھنا ہمارا اخلاقی اور دینی فریضہ ہے۔ اس احساس کو تازہ اور زندہ رکھنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ ہم دنیا میں ہر ایک کام خدا کا نام لے کر کریں۔ یہاں تک کہ نیند کی آغوش میں جاتے وقت بھی خدا کا نام ہماری زبان پر ہو۔ اور اس سے ہم اپنے لیے بھلائی کے خواست گار ہوں کہ خدایا، اگر اس حالت میں میری موت آجائے تو تیری رحمت ہی میرے حصے میں آئے اور اگر ہم پھر بیدار ہوں تو تو ہماری حفاظت فرما۔ ہم تیری نافرمانی کے کاموں سے بچ سکیں اور تیرے نیک بندوں میں ہمارا شمار ہو۔

(۲) وَ عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ اَمَرَ رَجُلاً اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَہٗ مِنَ الَّیْلِ اَنْ یَّقُوْلَ اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ وَ وَجَّھْتُ وَ جْھِیَ اِلَیْکَ وَالْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ وَ فَوَّضْتُ اَمْرِیْٓ اِلَیْکَ رَغْبَۃً وَّ رَھْبَۃً اِلَیْکَ لاَ مَلْجَأً وَلاَ مَنْجَأً مِنْکَ اِلَّآ اِلَیْکَ اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْتَ وَ بِرَسُوْلِکَ الَّذِیْٓ اَرْسَلْتَ فَاِنْ مَّاتَ مَاتَ عَلَی الْفِطْرَۃِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ "جب تم رات میں (سونے کے لیے) بستر پر جاؤ تو یہ کہا کرو: اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ... اے اللہ، میں نے اپنے آپ کو تیرے آگے ڈال دیا، اپنے رخ کو تیری جانب متوجہ کیا، تجھے ہی اپنا پشت پناہ بنایا، اپنے سب امور تیرے حوالے کر دیے، تجھ سے ڈرتے اور امید طلب کرتے ہوئے، تیرے سوا کوئی جائے پناہ اور بچاؤ نہیں جہاں تجھ سے بچ کر کوئی نکل سکے۔ میں ایمان لایا تیری کتاب پر جس کو تو نے نازل کیا اور تیرے رسول پر جسے تو نے بھیجا، پھر اگر موت آگئی تو دین فطرت پر ہوگی۔"

تشریح: آدمی اگر وضو کے ساتھ دائیں کروٹ پر سوئے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ صحیح مسلم کی روایت

ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِذَا اَخَذْتَ مَضْجَعَکَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَکَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ اضْطَجِعْ عَلٰی شِقِّکَ الْاَیْمَنِ. ''جب تم بستر پر جاؤ تو وضو کرو جس طرح نماز کے لیے وضو کرتے ہو۔ پھر اپنے داہنے پہلو پر لیٹ جاؤ۔''

دینِ فطرت کیا ہے؟ دینِ فطرت یہی ہے کہ آدمی اپنا مقصود و معبود اللہ ہی کو جانے۔ اسی سے اس کی ساری امیدیں وابستہ ہوں۔ اسی کو وہ اپنا اصل سہارا اور پشت پناہ سمجھے۔ اسی کے خوف سے وہ لرزاں بھی ہو اسی سے وہ قلبی وابستگی بھی رکھتا ہو۔ اسی کی کتاب کو زندگی کی رہ نما کتاب سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو۔ اسی کے رسولؐ کو وہ اپنا ہادی اور رہبر تسلیم کر کے اس کی پیروی اختیار کرے۔ جب کوئی شخص اس دین کو اختیار کرتا ہے اور بیداری کے آخری لمحے تک اس دین کی قدر و قیمت کا احساس رکھتا ہے تو ایسے شخص سے اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں خدا کا نافرمان بن کر نہیں رہ سکتا۔ وہ سوتا ہے تو خدا کا مطیع فرمان بن کر سوتا ہے اور جاگے گا تو لازماً اس کا طاعت گزار بندہ بن کر ہی جاگے گا اور اس کی زندگی تمام ہوگی تو دینِ فطرت پر ہی تمام ہوگی۔

(۳) وَ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ اِذَا اَخَذَ مَضْجَعَهٗ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ اَحْیٰ وَ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اِذَا اسْتَیْقَظَ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَآ اَمَاتَنَا وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب (سونے کے لیے) اپنے بستر پر جاتے تو فرماتے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِکَ اَحْیٰ وَ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ ''اے اللہ میں تیرے ہی نام کے ساتھ جیتا ہوں اور تیرے ہی نام کے ساتھ مرتا ہوں۔'' اور جب آپؐ جاگتے تو فرماتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ... وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ''حمد و شکر اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے موت دے کر زندہ کیا اور اسی کی طرف مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے۔''

تشریح: اس حدیث میں نیند کی حالت کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند اور موت میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ موت میں جسم سے آدمی کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے۔ نیند میں بھی آدمی اپنے گرد و پیش اور اپنے جسم سے بڑی حد تک بے گانہ ہو جاتا ہے۔ دنیا کی زندگی میں اگر اس نے نیک اعمال کے ذریعے سے اپنی شخصیت کی تعمیر کی ہے تو یہ شخصیت باقی رہتی ہے۔ اور خدا کی اس پر رحمت ہوتی ہے۔ لیکن اگر وہ دنیا میں بے پروا اور خدا کا نافرمان بن کر رہا تو پھر اس کی روح

بے عافیت ہو کر رہے گی۔ تفصیلات صحیح احادیث میں موجود ہیں۔

فرمایا: ''میں تیرے ہی نام کے ساتھ جیتا اور تیرے ہی نام کے ساتھ مرتا ہوں۔'' یعنی ہم کسی حالت میں بھی تجھ سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ سوچئے جس کسی کی بیداری کی ابتدا اور انتہا خدا کے نام کے ساتھ ہوگی اس کے اوقات کتنے پاکیزہ ہوں گے، جو شخص خدا کے نام سے اٹھے گا اور خدا کے نام ہی کے ساتھ سوئے گا، وہ خدا کے احکام کا حد درجہ خیال رکھے گا۔ یہ ایک فطری بات ہے۔ ہمارا سونا اور جاگنا سب کچھ خدا کی عنایت سے ہوتا ہے۔ وہی ہماری زندگی کا اصل سرچشمہ ہے۔ حیات و موت کا مالک وہی ہے۔ اسے یاد رکھنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ یہ یاد محبت اور شکر کے جذبے کے ساتھ بھی ہو اور خوف اور ڈر سے بھی اور امید اور تمناؤں کے ساتھ بھی۔ ہمارے جسم کے خون کا ہر قطرہ ہر تین منٹ کے بعد دل سے ہو کر گزرتا ہے تاکہ پھر وہ جسم میں گردش کرنے کی قوت وہاں سے حاصل کر سکے۔ ٹھیک اسی طرح ہمیں بار بار اپنے کو خدا سے جوڑے رکھنا چاہیے تاکہ زندگی کو قوت اور پاکیزگی حاصل ہوتی رہے۔

آپؐ کی دعا کے یہ الفاظ کہ ''حمد و شکر اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے موت دے کر زندہ کیا اور اسی کی طرف مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا ہے۔'' حمد و شکر کے الفاظ بتاتے ہیں کہ بسترِ خواب سے اٹھنا اور بیدار ہونا ایک نعمت اور نوازش ہے۔ اسی لیے شکر کا کلمہ زبان پر آیا۔ یہ اٹھنا اس اٹھنے کی یاد دلاتا ہے جب ایک بڑی نیند سے جسے موت کہتے ہیں بیدار ہو کر اٹھیں گے۔ اسی لیے اس موقعے پر اس دن کو یاد کیا گیا جب قیامت میں لوگ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ آج تو ہم نیند سے کارگاہِ عمل میں کام کرنے کو اٹھتے ہیں لیکن اس روز کی بیداری خدائے رب العزت کے حضور باریاب ہونے کے لیے ہوگی۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں ہر نیند موت کی یاد دلاتی ہے اور جن کی ہر صبح محشر کی یاد تازہ کر جاتی ہے۔

سونا جاگنا انسان کا روز کا معمول ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اس کا رشتہ زندگی کے اعلیٰ حقائق سے کس طرح قائم کیا گیا ہے، یہی خصوصیت اسلام کی تمام تعلیمات میں پائی جاتی ہے۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنِ اضْطَجَعَ مَضْجَعًا لَمْ یَذْكُرِ اللّٰهَ فِیْهِ اِلَّا كَانَ عَلَیْهِ تِرَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ مَنْ قَعَدَ مَقْعَدًا لَمْ یَذْكُرِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِیْهِ اِلَّا كَانَ عَلَیْهِ تِرَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ایسی کروٹ لیٹے، جس میں وہ اللہ کو یاد نہ کرے تو لازماً وہ اس کے لیے قیامت کے دن موجب خسران و ندامت ہوگا اور جو شخص ایسی جگہ بیٹھے جہاں اللہ عزوجل کو یاد نہ کرے تو لازماً وہ اس کے لیے موجبِ خسران وندامت ہوگا۔“

تشریح: آدمی کا ہر طرزِ عمل اس کی اخروی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ جو چیز ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھنے کی ہے وہ آخرت کی زندگی ہے۔ دنیا میں ہر کام کا اصل محرک اگر ذکر اللہ یا خدا کی یاد (Consciousness of God) ہے تو سمجھئے کہ یہ چیز آخرت میں خوش گوار نتائج کی صورت میں ظاہر ہوگی۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہم دنیا میں محض خسارے کا سودا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ صحت فکر وعمل کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا کوئی فعل اور کوئی حس وحرکت خدا کی یاد سے خالی نہ ہو۔ اس کے برعکس ہم جہاں اور جتنا بھی اپنے رب کو فراموش کریں گے بالآخر وہ ہمارے لیے حسرت وندامت اور خسارے کے سوا کچھ اور ثابت نہیں ہوسکتا۔

مجلس کے آداب

〈۱〉 عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَؓ قَالَ: كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ ﷺ جَلَسَ اَحَدُنَا حَيْثُ يَنْتَهِي. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب نبی ﷺ کے پاس آتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔“

تشریح: یعنی لوگوں کو پھاندتے ہوئے اندر گھسنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

〈۲〉 وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍؓ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ: لَا تَجْلِسْ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے بیچ بغیر ان کی اجازت کے نہ بیٹھو۔“

تشریح: ابوداؤد اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ اَنْ يُّفَرِّقَ بَيْنَ اثْنَيْنِ اِلَّا بِاِذْنِهِمَا ”کسی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ (باہم قریب بیٹھے ہوئے) دو

آدمیوں کے درمیان میں ان کی اجازت کے بغیر بیٹھ کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کردے۔"

آدمی کا یہ فعل دو آدمیوں کو جو باہم مل کر بیٹھے تھے الگ کردے شرافت اور انسانیت کے سراسر منافی ہے۔ اسلام کبھی بھی اسے پسند نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر دونوں کی اجازت سے کوئی ان کے بیچ آکر بیٹھتا ہے تو پھر اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لاَ يُقِيمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهِ ثُمَّ يَجْلِسُ فِيهِ وَ لٰكِنْ تَفَسَّحُوا وَ تَوَسَّعُوا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ نہ بیٹھ جائے بلکہ کشادگی اور گنجائش پیدا کرو۔"

تشریح: یعنی یہ تو صحیح نہیں ہے کہ کوئی کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر اپنا قبضہ جمائے۔ البتہ اہلِ مجلس کا فرض ہے کہ کشادگی پیدا کرکے آنے والے کے لیے جگہ نکالیں تاکہ وہ بھی شریکِ مجلس ہوسکے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا كُنْتُمْ ثَلاَثَةً فَلاَ يَتَنَاجٰى اِثْنَانِ دُوْنَ الْاٰخَرِ حَتّٰى تَخْتَلِطُوْا بِالنَّاسِ مِنْ اَجَلِ اَنْ يُّحْزِنَهٗ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم تین آدمی ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر رازدارانہ باتیں نہ کریں، یہاں تک کہ دوسرے لوگ تم سے ملیں، اس لیے کہ اس سے اس تیسرے کو رنج ہوگا۔"

تشریح: تین میں سے اگر دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر باہم رازدارانہ طور پر باتیں کرتے ہیں تو اس سے تیسرے شخص کو رنج ہوگا کہ اسے نظرانداز کردیا گیا۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی شبہ ہوسکتا ہے کہ کہیں اس کے خلاف وہ آپس میں کوئی بات نہ کررہے ہوں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ وَ فِيْ حَدِيْثِ اَبِيْ عَوَانَةَ مَنْ قَامَ مِنْ مَّجْلِسِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلَيْهِ فَهُوَ اَحَقُّ بِهٖ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی کھڑا ہو۔" ابوعوانہؒ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے جہاں وہ بیٹھا تھا (کسی ضرورت سے) کھڑا ہو (اور ضرورت پوری کرنے کو باہر جائے) اور پھر وہ لوٹ کر آئے تو وہ اس جگہ کا زیادہ حق دار ہے۔"

تشریح: یعنی اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ اس کو اس کی جگہ پر دوبارہ بیٹھنے دیا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ ضرورت سے اٹھنے والا اپنی جگہ پر رومال یا بیگ وغیرہ کوئی چیز چھوڑ کر اٹھے تا کہ لوگ یہ جان سکیں کہ وہ دوبارہ لوٹ کر اپنی جگہ آنے کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ اس جگہ کو اس کے لیے محفوظ رکھیں۔

〈۶〉 وَ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَّجْلِسٍ لَّا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِهٖ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَ كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو لوگ کسی ایسی مجلس سے اٹھیں، جس میں انھوں نے اللہ کو یاد نہیں کیا تو گویا بس وہ گدھے کی نعش چھوکر اٹھے ہیں اور یہ ان کے لیے قیامت کے روز حسرت ثابت ہوگی۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ہماری کوئی مجلس خدا کی یاد سے خالی نہیں رہنی چاہیے۔ اسلام سے بے گانہ لوگ اپنی مجلسوں کی رونق بڑھانے کے لیے رقص و سرود کا اہتمام کرتے ہیں۔ مسلمان کے نزدیک خدا کی یاد اور اس کے ذکر کا بدل دنیا کی کوئی بھی حسین سے حسین اور دلآویز شے نہیں ہوسکتی۔ خدا کی یاد ہی ہے، جس سے حقیقت میں گھروں اور مجلسوں کو رونق حاصل ہوسکتی ہے اور خدا کی یاد ہی ہے، جس کے ذریعے سے انسانوں کے قلوب منور ہوتے ہیں۔ خدا کی یاد اور اس سے نسبت کے بغیر ہر چیز بے روح اور بے رونق ہی رہتی ہے۔ اگر خدا کو یاد کیے بغیر مجلس برخاست ہوگئی تو گویا آدمی کسی نحوست اور وحشت کے مقام سے اٹھا ہے۔ اور اس نے وہاں بیٹھ کر حسرت کے سوا کوئی دوسری چیز نہیں سمیٹی ہے۔ اس کا اگر اسے آج احساس نہیں ہوتا تو کل قیامت کے روز لازماً اسے اس کا احساس ہوکر رہے گا۔

〈۷〉 وَ عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیِّؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ بِاٰخِرَةٍ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّقُوْمَ مِنَ الْمَجْلِسِ سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَيْکَ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. اِنَّکَ لَتَقُوْلُ قَوْلًا مَّا كُنْتَ تَقُوْلُهٗ فِيْمَا مَضٰى، قَالَ: كَفَّارَةٌ لِمَا يَكُوْنُ فِی الْمَجْلِسِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخر میں جب مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو فرماتے: سُبْحَانَکَ اللّٰهُمَّ ... اَتُوْبُ اِلَيْکَ (عظیم ہے اے اللہ تو! اور تیری ہی

حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں)۔ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، پہلے تو آپؐ یہ نہیں کہتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''یہ کفارہ ہے ان کاموں کا جو مجلس میں ہوئے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ مجلسوں میں جو کام انجام دیا جاتا ہے اس میں معلوم نہیں کیا کیا کوتاہی ہوجاتی ہے اور معلوم نہیں مجلس میں آدمی کب اور کتنا غافل رہتا ہے۔ان کلمات سے سب کی تلافی ہوجاتی ہے۔خدائے مہربان اعترافِ قصور پر بندے کے گناہ معاف کردیا کرتا ہے۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلَّا ثَلٰثَةُ مَجَالِسَ سَفکِ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوْ اِقْتِطَاعِ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ.

(ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مجالس امانت داری کا تقاضا کرتی ہیں سوائے تین مجلسوں کے۔ایک جہاں ناحق خون بہایا جائے،دوسری جہاں ناحق زخم پہنچایا جائے یا بدکاری کی جائے،تیسری جہاں ناحق مال لوٹ لیا جائے۔''

تشریح: مجلس میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایسی نہیں ہوتیں کہ ان کو عام کیا جائے۔اہلِ مجلس کا فرض ہے کہ وہ ان باتوں کو اپنی ہی حد تک رکھیں، دوسرے لوگوں تک ان کو نہ پہنچنے دیں۔مجلس کی یہ ایک امانت ہے،جس کا انھیں پاس ولحاظ رکھنا چاہیے۔لیکن بدقسمتی سے اگر وہاں ظلم وستم روا رکھا جارہا ہو تو ضروری ہوجاتا ہے کہ لوگوں کو اور خاص طور سے ذمہ دار طبقہ کو اس سے باخبر کیا جائے،تاکہ ظلم اور برائی کی روک تھام ہوسکے اور تاکہ حق دار کا حق محفوظ رہ سکے اور مظلوم کی اشک شوئی ہوسکے۔

سفر کے آداب

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ اِذَا اسْتَوٰی عَلٰی بَعِيْرِهٖ خَارِجًا اِلٰی سَفَرٍ کَبَّرَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ. اَللّٰهُمَّ نَسْاَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی. اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَ اطْوِ عَنَّا بُعْدَهٗ. اَللّٰهُمَّ اَنْتَ

الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ. اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ وَعْثَآءِ السَّفَرِ وَ کَابَۃِ الْمَنْظَرِ وَ سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَ اِذَا رَجَعَ قَالَھُنَّ وَ زَادَ فِیْھِنَّ اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر پر باہر جاتے اور اپنے اونٹ پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر فرماتے پھر یہ دعا پڑھتے: سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ـــ وَ الْاَھْلِ ” کیا ہی عظمت والا ہے وہ جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ ہم تو ایسے نہ تھے کہ اسے قابو میں کر سکتے اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ، ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کے طالب ہیں اور ایسے عمل کی توفیق طلب کرتے ہیں، جس کو تو پسند کرے۔ اے اللہ، اس سفر کو ہم پر آسان کر دے اور اس کی مسافت کو ہمارے لیے لپیٹ دے (مختصر کر دے)۔ اے اللہ، تو سفر میں رفیق ہے اور خلیفہ (یعنی میرے پیچھے نگراں) ہے گھر والوں میں۔ اے اللہ، میں پناہ مانگتا ہوں تجھ سے سفر کی مشکلات سے اور غم ناک منظر سے اور برے حال میں اپنے مال اور گھر والوں میں لوٹ کر آنے سے۔“ اور جب آپؐ واپس ہوتے تب بھی یہی پڑھتے، البتہ اس میں یہ اضافہ فرماتے: آئِبُوْنَ ـــ حَامِدُوْنَ ”ہم پلٹتے ہیں (خدا کی جانب)، توبہ کرتے اور بندگی کرتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کرتے ہیں۔“

تشریح: اس حدیث سے اس کی ایک واضح تصویر ہمارے سامنے آ جاتی ہے کہ مومنین جب سفر کرتے ہیں تو ان کا اندازِ سفر ہوتا کیسا ہے۔ اور جب وہ سفر سے لوٹتے ہیں تو ان کے احوال و جذبات کیسے ہوتے ہیں۔ وہ ہر حال میں اپنے کو خدا کا غلام اور اس کا محتاج سمجھتے ہیں۔ اسی سے وہ مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ نیکی، تقویٰ اور رضائے حق کو وہ اپنے لیے سرمایۂ حیات سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اس کے حصول کے لیے اپنے رب سے درخواست کرتے ہیں۔ اہل و عیال کی محافظت کے لیے اور بدحالی اور مشکلات سے بچنے کے لیے وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ وہ سفر کرتے ہوئے اس بڑے سفر یعنی سفرِ آخرت کو بھی یاد کرتے ہیں کہ ایک دن ہمیں اپنے رب کی طرف کوچ کرنا ہے۔ اور گھر ہی کو نہیں اس دنیا کو بھی چھوڑنا ہوگا۔ اور سفر سے گھر کی طرف واپسی انھیں زندگی کے ایک اہم پہلو کی طرف متوجہ کر جاتی ہے کہ ان کا اصل مرجع اور ماویٰ ان کا رب ہے۔ اسی کے پاس ان کا اصل ٹھکانا ہے۔ اس لیے انھیں ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کرنا

چاہیے اور اسی کی طرف پلٹنا چاہیے۔ اس کی جناب میں توبہ کرنی، اس کی بندگی کو اپنے لیے وجہ افتخار سمجھنا اور اس کی حمد کو اپنا وظیفۂ حیات قرار دینا اصل ہوش مندی اور شعورِ حیات ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ الْخُطَمِيِّ ؓ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّسْتَوْدِعَ الْجَيْشَ قَالَ: اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكُمْ وَ اَمَانَتَكُمْ وَخَوَاتِيْمَ اَعْمَالِكُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ الخطمیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب لشکر کو رخصت کرنے کا ارادہ کرتے، فرماتے: اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ ـــــ اَعْمَالِكُمْ ''میں تمھارے دین، تمھاری امانت اور تمھارے خاتمۂ اعمال کو خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ مومن کے لیے اور خاص طور سے اس شخص کے لیے جو قیادت اور سربراہی کے منصب پر فائز ہو ضروری ہے کہ وہ اپنے رفقا کے دین و ایمان کی محافظت کی طرف سے غافل نہ ہو۔ اسے یہ فکر رہنی چاہیے کہ اس کے رفقاء کار قابلِ اعتماد ہوں اور ان میں سیرت و کردار کی وہ قوت پائی جائے کہ ان پر پورا بھروسہ کیا جاسکے۔ اور ان کی اس خصوصیت میں کبھی کمی نہ آنے پائے بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا رہے اور وہ اپنی زندگی کی آخری ساعت تک نیک اعمال پر قائم رہ سکیں۔ جب ہم اپنے ساتھیوں سے کسی وجہ سے دور ہو رہے ہوں تو خدا سے محض ان کے جسم و جان کی سلامتی کے لیے دعا نہ کریں بلکہ یہ دعا بھی کریں کہ خدا وہ ہم سے دور جا رہے ہیں۔ اب وہ تیرے ہی حوالے ہیں۔ وہ اپنے مومنانہ کردار و سیرت کے تقاضوں سے کبھی اور کہیں بھی صرفِ نظر نہ کریں۔ اس سلسلے میں تو اُن کا حامی و ناصر ہو۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: قَالَ: اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي السَّفَرِ فَلْيُؤَمِّرُوْا اَحَدَهُمْ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جب سفر میں تین آدمی نکلیں تو اپنے میں سے ایک شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔''

تشریح: یعنی ان کا سفر ایک امیر کی امارت میں طے ہو۔ اور اجتماعیت کے جو آداب وضوابط ہیں وہ ان کی پابندی کریں۔ اس سے یہ سفر نہایت وقار و عافیت کے ساتھ طے ہوگا اور رفقاء سفر باہمی اختلاف و انتشار کی جملہ قباحتوں سے مامون رہ سکیں گے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّسَافِرَ بِالْقُرْاٰنِ

اِلٰی اَرْضِ الْعَدُوِّ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دشمن کی سرزمین میں قرآن لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح: یعنی اگر اس بات کا اندیشہ ہے کہ دشمن ان پر قابو پا سکتے ہیں تو وہ مصحف کے ساتھ سفر نہ کریں۔ اس لیے کہ ایسی حالت میں اس کا امکان رہتا ہے کہ قرآن کا نسخہ دشمنوں کے ہاتھ آ جائے اور وہ اس کی اہانت کریں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسلمانوں کا لشکر اگر بڑا ہے تو وہ اپنے ساتھ قرآن کا نسخہ رکھ سکتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی الْوَحْدَةِ مَا اَعْلَمُ مَا سَارَ رَاکِبٌ بِلَیْلٍ وَحْدَهٗ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ تنہائی میں کیا خرابی ہے، جو میں جانتا ہوں تو پھر کوئی بھی رات میں تنہا سفر اختیار نہ کرے۔''

تشریح: تنہا سفر کرنے میں طرح طرح کے اندیشے رہتے ہیں۔ خاص طور سے رات کا سفر تو انتہائی اندیشہ ناک ہوتا ہے۔ لیکن اگر آدمی تنہا نہیں ہے تو وہ پیش آمدہ مصیبت کا مقابلہ بہ آسانی کر سکتا ہے۔

﴿۶﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلسَّفَرُ قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ یَمْنَعُ اَحَدَکُمْ نَوْمَهٗ وَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ فَاِذَا قَضٰی اَحَدُکُمْ نُهْبَتَهٗ فَلْیُعَجِّلْ اِلٰی اَهْلِهٖ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے، جو تم میں سے کسی کو سونے اور کھانے پینے سے روکے رکھتا ہے۔ پس جب تم میں کوئی اپنی ضرورت پوری کر لے تو اسے اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹنے میں جلدی کرنی چاہیے۔''

تشریح: سفر میں آدمی کو وہ سہولت اور آرام نہیں مل سکتا، جو اسے اپنے گھر میں حاصل ہوتا ہے۔ سفر میں اکثر کھانے پینے اور آرام کرنے کا موقع بھی اپنے وقت پر نہیں ملتا اور آدمی کو مختلف دشواریوں اور دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے جہاں تک ممکن ہو گھر کی طرف لوٹنے میں جلدی کرنی چاہیے بلاوجہ اپنے آپ کو پریشانیوں میں مبتلا رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

〈۷〉 وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: کُنْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فِی سَفَرٍ فَلَمَّا قَدِمْنَا الْمَدِیْنَةَ قَالَ لِیْ اُدْخُلِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ رَکْعَتَیْنِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا تو جب ہم مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرو۔''

تشریح: نبی ﷺ کا خود اپنا معمول بھی یہی تھا کہ آپؐ سفر سے واپس آتے تو نشست سے پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔ (بخاری) سفر سے واپسی پر مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ خدا کے آگے سجدہ ریز ہو کر اس کا شکریہ ادا کرے کہ اس کی عنایت و نوازش نہ ہوتی تو یہ سفر ممکن نہ ہوتا اور نہ وہ بعافیت واپس ہو سکتا تھا۔

〈۸〉 وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا قَدِمَ اَحَدُکُمْ لَیْلاً فَلاَ یَاْتِیَنَّ اَھْلَہٗ طُرُوْقًا حَتّٰی تَسْتَحِدَّ الْمُغِیْبَةُ وَ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی رات کو آئے تو یکایک اپنے گھر میں داخل نہ ہو (بلکہ ٹھہرے) یہاں تک کہ وہ عورت زیر ناف بالوں کو صاف کر لے، جس کا شوہر اس سے دور رہا ہے اور وہ عورت کنگھی کر لے، جس کے بال پریشان ہوں۔''

تشریح: اچانک گھر میں داخل ہونے سے عورت کے لیے اس کا موقع نہیں رہتا کہ وہ بن سنور کر شوہر کے سامنے آئے۔ اگر وہ میلے کچیلے لباس میں خاوند کے سامنے آتی ہے تو اس کا احتمال رہتا ہے کہ شوہر اس سے متنفر ہو جائے، اور ان کی زندگی تلخ ہو جائے۔ شریعت میں مطلوب یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے مابین محبت اور شیفتگی پائی جائے۔

ملاقات

〈۱〉 عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ: دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ قَاعِدٌ فَتَزَحْزَحَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ الرَّجُلُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اِنَّ فِی الْمَکَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰہُ اَخُوْہُ اَنْ یَّتَزَحْزَحَ لَہٗ.

(البیھقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت واثلہ بن خطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف رکھتے

تھے، ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آئے تو آپ ﷺ ان کے لیے اپنی جگہ سے کھسک گئے۔ انھوں نے عرض کیا کہ جگہ میں کافی وسعت ہے (اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوئی ضرورت نہیں)۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کا یہ حق ہے کہ جب اس کا کوئی بھائی اُسے (اپنے پاس آتا) دیکھے تو اس کے لیے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے (اور اسے اپنے قریب بٹھائے)۔"

تشریح: یعنی جگہ کی وسعت اور گنجائش کے باوجود اپنے بھائی کے لیے اپنی جگہ سے کچھ ہٹے اور اس طرح اس کا اظہار کرے کہ بھائی کے آنے پر اُسے مسرت ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اس سے مقصود بھائی کا اکرام بھی ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ رِبْعِیِّ بْنِ حِرَاشٍ قَالَ: جَآءَ رَجُلٌ فَاسْتَأْذَنَ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: أَأَلِجُ؟ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ لِخَادِمِهٖ: اُخْرُجْ اِلٰی هٰذَا فَعَلِّمْهُ الْاِسْتِئْذَانَ فَقُلْ لَهٗ: قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَسَمِعَهُ الرَّجُلُ فَقَالَ: قُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ فَاَذِنَ لَهُ النَّبِیُّ ﷺ فَدَخَلَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ربعی بن حراش (تابعی) روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے حاضری کی اجازت چاہی اور کہا کہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟ نبی ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: "اس شخص کے پاس جاؤ اور اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ۔ اس سے کہو کہ وہ کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ (آپؐ پر سلامتی ہو، کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟)" اس شخص نے آپؐ کی بات سن لی اور عرض کیا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكُمْ أَأَدْخُلُ؟ پس نبی ﷺ نے اسے اجازت دے دی اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ کسی کے پاس جانے سے پہلے اس سے ملنے کی اجازت طلب کرنی چاہیے۔ ممکن ہے اپنی مصروفیت یا کسی عذر کی وجہ سے وہ اس وقت ملاقات کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنے والے کو اجازت طلب کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیے۔ سلام کے بعد پھر اجازت کی درخواست کرنی چاہیے۔

سلام

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ: تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تیرا کھانا کھلانا، اور آشنا و نا آشنا سبھی کو سلام کرنا۔''

تشریح: یوں تو ہر قوم میں سلام کرنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ رائج ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب میں سلام کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اسلام نے سلام کرنے کا جو طریقہ سکھایا ہے اس سے بہتر کسی طریقہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سلام کے ذریعے سے باہم ایک دوسرے سے جس تعلق خاطر، محبت اور خیر خواہی کا اظہار کیا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ پھر سلام کرنے میں آشنا اور نا آشنا کی تفریق کو بھی روا نہیں رکھا گیا تا کہ فیضِ محبت عام ہو۔

سلام کی طرح ایک دوسرے کو کھانا کھلا کر اس کی تواضع کرنے کو بھی ایک بہترین عمل ٹھہرایا گیا ہے۔ اسلام کی تعلیم فیاضی اور جود و کرم کی ہے۔ بخل، خود غرضی اور خود پرستی کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں پائی جاتی۔

اس روایت میں ''سلام کرنے'' کے لیے تَقْرَأُ لفظ آیا ہے جو قرأت سے مشتق ہے، جس کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ یہ لفظ تا کے ضمہ (پیش) کے ساتھ یعنی تُقْرِئُ بھی منقول ہے۔ جو اِقْرَأ سے مشتق ہے، جس کے معنی پڑھوانے کے ہیں۔ سلام کرنے والا اس کا باعث ہوتا ہے کہ دوسرا اسلام کا جواب دے اس طرح گویا وہ اس کی زبان سے سلام کے جواب کا کلمہ پڑھواتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلاَ تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا، اَوَ لاَ اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، اَفْشُوا السَّلاَمَ بَیْنَكُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم جنت میں داخل نہیں ہو سکو گے جب تک ایمان نہ لاؤ۔ اور تم ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک تم آپس میں محبت نہ کرو اور کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو تو تمھارے درمیان محبت بڑھے؟ وہ بات یہ ہے کہ تم آپس میں سلام کا چلن عام کرو۔''

تشریح: یہ حدیث بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں (جس کا حصول زندگی کا اصل مقصد ہے) کسی کا دخول ایمان کے بغیر ممکن نہ ہوگا۔ خدا کی جنت ان لوگوں کے لیے نہیں ہے، جن کے دل ایمان و یقین سے خالی ہوں۔ ایمان رکھنے والے باہم ایک دوسرے سے

محبت کرتے ہیں۔ یہ ان کے ایمان کی پہچان ہے۔ ایمان کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں باہم انس ومحبت کا رشتہ قائم ہو۔ وہ ایک دوسرے کو محبوب رکھیں۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض وحسد اور کینہ ہرگز نہ ہو۔ باہمی محبت جتنی زیادہ بڑھی ہوئی ہوگی، ایمان بھی اتنا ہی زیادہ مستحکم ہوگا۔

اس حدیث میں محبت کو بڑھانے کی جو تدبیر بتائی گئی ہے وہ فطری ہے۔ فرمایا گیا کہ ’’آپس میں سلام کا چلن عام کرو۔‘‘ یعنی آپس میں سلام کو خوب پھیلاؤ۔ اس سے باہمی محبت بڑھے گی۔ اس لیے کہ سلام کا اصل محرک محبت ہی ہے۔ سلام کو جتنا زیادہ اس کی اصل روح کے ساتھ رواج دیا جائے گا وہ محبت کے پروان کا موجب ہوگا۔

﴿۳﴾ وَعَنْ اُمَامَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ مَنْ بَدَأَ بِالسَّلَامِ. (احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’لوگوں میں اللہ کے نزدیک تر وہ ہے، جو سلام کرنے میں پہل کرے۔‘‘

تشریح: ایک حدیث میں آیا ہے کہ سلام میں پہل کرنے والا تکبر سے پاک ہوتا ہے۔ (اَلْبَادِئُ بِالسَّلَامِ بَرِئٌ مِّنَ الْكِبْرِ. بیہقی)۔ جو شخص اس کا منتظر رہتا ہے کہ دوسرا اسے سلام کرے۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے دل کو وہ کشادگی اور وسعت حاصل نہیں ہے، جو اسلام میں مطلوب ہے۔ دل کی اس تنگی کے ساتھ نہ تو وہ دین کا مزاج شناس ہوسکتا ہے اور نہ اس کا حق ادا کرنے کی اس کے اندر کبھی قوت وصلاحیت ہی پیدا ہوسکتی ہے اور نہ خدا کی نگاہ میں اس کا کوئی اونچا مرتبہ ہوسکتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ اَنَّ رَجُلاً جَآءَ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ فَرَدَّ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسَ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: عَشْرٌ، ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ: عِشْرُوْنَ ثُمَّ جَآءَ اٰخَرُ فَقَالَ: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَجَلَسَ فَقَالَ: ثَلٰثُوْنَ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں آ کر کہا:

اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ۔ آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کے لیے دس نیکیاں لکھی گئیں۔'' پھر ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے کہا: اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ (آپ ﷺ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت)۔ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا۔ پھر وہ شخص بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کے لیے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔'' پھر ایک اور شخص آیا اور کہا: اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ (آپ ﷺ پر سلامتی ہو، اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں)۔ آپ ﷺ نے اس کے سلام کا بھی جواب دیا۔ پھر وہ شخص بھی بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی گئیں۔''

تشریح: یعنی سلام میں جس قدر الفاظ بڑھاتے جائیں گے اسی قدر اجر وثواب میں بھی اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک اور شخص نے آ کر کہا: اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ وَمَغْفِرَتُہٗ۔ آپؐ نے (اس کے سلام کا جواب دیا اور) فرمایا: ''اس کے لیے چالیس نیکیاں لکھی گئیں؟

سلام کا جواب دینے میں اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ بہتر سے بہتر دیا جائے۔ اگر سلام کرنے والے نے اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ کہا ہے تو جواب میں وَعَلَیْکُمُ السَّلاَمُ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کہیں۔ سلام کرنے والا اگر اَلسَّلاَمُ عَلَیْکُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ کہتا ہے تو جواب میں وَعَلَیْکُمُ السَّلاَمُ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ کہیں۔ قرآن میں ہے: وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْ بِاَحْسَنَ مِنْھَا اَوْرُدُّوْھَا (النساء:۸۶) ''اور تمہیں جب سلامتی کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس سے اچھی دعا دو یا (کم از کم) اسی کو لوٹا دو۔''

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: اِذَا لَقِیَ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ فَاِنْ حَالَتْ بَیْنَھُمَا شَجَرَةٌ اَوْ جِدَارٌ اَوْ حَجَرٌ ثُمَّ لَقِیَهٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْهِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو چاہیے کہ اسے سلام کرے پھر اس کے بعد اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا (بڑا) پتھر حائل ہو جائے اور پھر اس سے ملاقات ہو تو اُسے (دوبارہ) سلام کرے۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ تھوڑے وقفہ کی مفارقت کے بعد بھی سلام کر لینا مستحب ہے۔ اس

سے سلام کی قدر و قیمت کو محسوس کیا جا سکتا ہے اور اس سے اس بات کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں کے باہمی تعلقات میں قربت اور دل سوزی کس درجہ مطلوب ہے۔

〈۶〉 وَعَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَ الْمَاشِيُّ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے اور پیدل چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ تعداد والوں کو سلام کریں۔''

تشریح: اس حدیث میں سلام کے کچھ آداب بتائے گئے ہیں۔ مثلاً فرمایا: ''سوار پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔'' یہ حکم اس لیے دیا گیا تاکہ سوار پر واضح رہے کہ گرچہ پیدل چلنے والے کے مقابلے میں اسے برتری اور فوقیت حاصل ہے لیکن بندے کو ہر حالت میں جو چیز زیب دیتی ہے وہ تواضع اور انکسار کی صفت ہے۔ اور یہی چیز اس کے لیے وجہِ صد افتخار ہے۔

〈۷〉 وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِذَا انْتَهٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى مَجْلِسٍ فَلْيُسَلِّمْ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يَّجْلِسَ فَلْيَجْلِسْ ثُمَّ اَقَامَ فَلْيُسَلِّمْ فَلَيْسَتِ الْاُوْلٰى بِاَحَقٍّ مِّنَ الْاٰخِرَةِ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے۔ پھر اگر بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر جب (چلنے کے لیے) کھڑا ہو تو پھر سلام کرے، کیوں کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔''

تشریح: کسی مجلس میں پہنچنے پر پہلے سلام کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اگر بیٹھنا ہو تو بیٹھیں۔ اور اگر واپس ہونا چاہیں تو اہلِ مجلس کو سلام کر کے واپس ہوں۔ پہلے سلام کے مقابلے میں اس دوسرے سلام کو جو واپسی کے وقت کریں گے کم اہم تصور نہ کریں۔

〈۸〉 وَ اَنَسٌ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَا بُنَيَّ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى اَهْلِكَ فَسَلِّمْ يَكُوْنُ بَرَكَةً عَلَيْكَ وَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِكَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے بیٹے، جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو۔ یہ تمھارے اور تمھارے گھر والوں کے لیے موجب برکت ہوگا۔''

تشریح: ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کیا کرو اور جب گھر سے نکلو تو اپنے گھر والوں کو سلام ہی کے ذریعے سے رخصت کرو۔'' (بیہقی) اس

حدیث میں فَاوْدِعُوْا اَھْلَہٗ بِالسَّلَامِ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہی ہے کہ گھر والوں کو سلام کے ذریعے سے رخصت کرو۔ یعنی رخصت ہوتے وقت انھیں سلام کرو۔ بعض اہل علم نے کہا ہے کہ اَوْدِعُوْا، اِیْدَاع سے ہے۔ اس کے لحاظ سے مفہوم یہ ہوگا کہ جب گھر سے نکلو تو سلام کو اپنے اہل و عیال کے پاس ودیعت (امانت) رکھو۔ یعنی سلام کو نیک فال لینے کے مرادف قرار دو کہ آئندہ پھر گھر کی جانب واپسی سلامتی ہی کے ساتھ ہوگی اور دوبارہ اس کا موقع نصیب ہوگا کہ گھر والوں کو سلام کر سکو۔

بہر صورت یہ حدیث بتاتی ہے کہ اپنے گھر والوں کو اپنے سلام سے محروم نہیں رکھنا چاہیے۔ جب گھر میں داخل ہوں اس وقت بھی انھیں سلام کریں اور جب گھر سے نکل کر باہر کہیں جانے کو ہوں، اس وقت بھی انھیں سلام کریں۔ یہی اسلام کی تعلیم اور اسلامی تہذیب کا تقاضا ہے۔

(۹) وَ عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ بِمَجْلِسٍ فِيْهِ اَخْلَاطٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُشْرِكِيْنَ عَبَدَةِ الْاَوْثَانِ وَ الْيَهُوْدِ فَسَلَّمَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ ایک ایسے مجمع کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان اور مشرک بت پرست بھی تھے اور یہودی تھے۔ آپؐ نے اہلِ مجلس کو سلام کیا۔''

تشریح: یعنی معلوم ہوا کہ مجمع میں اگرچہ مسلم اور غیر مسلم ہر طرح کے لوگ ہوں لیکن سلام کرنے میں بخل سے کام نہ لیں۔ لوگوں کے پاس سے گزرنے کے جو آداب اسلام نے سکھائے ہیں ان کو فراموش نہ کریں۔ اگرچہ یہ سلام حقیقت میں ان ہی لوگوں کے حق میں ہوگا، جو صاحب ایمان ہوں گے۔ اس لیے کہ خدا کی رحمتوں اور حقیقی سلامتی کے مستحق غیر مومن نہیں ہو سکتے۔ مجلس میں اگر کوئی مومن شخص موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں سلام کے لیے اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی (سلامتی ہو ان پر جو ہدایت کی پیروی اختیار کریں)۔

(۱۰) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ اَهْلُ الْكِتَابِ فَقُوْلُوْا وَ عَلَيْكُمْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) تمھیں سلام کریں تو تم جواب میں کہو: وَعَلَیْکُمْ (تم پر بھی)۔''

تشریح: یعنی ان کے سلام کا جواب سرے سے نہ دینا تو مروت اور انسانیت کے منافی ہے۔

ان کے سلام کا جواب دو۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ابھی وہ خدا کی رحمتوں کے مستحق نہیں ہیں، تمھیں خواہش اسی بات کی ہونی چاہیے کہ وہ ایمان کی دولت سے بہرہ یاب ہو کر حقیقی سلامتی اور خدا کی رحمتوں کے مستحق ہو سکیں۔

〈۱۱〉 وَ عَنْهُ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَرَّ عَلٰی غِلْمَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے انھیں سلام کیا۔"

تشریح: آپ ﷺ کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کے اندر تواضع و انکسار کی صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی درحقیقت کمالِ شفقت و محبت کی مظہر تھی۔ آپؐ کے اس طرزِ عمل میں امت کے لیے بڑی رہنمائی پائی جاتی ہے۔ قوم کے بچوں کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح صحیح نہیں ہے۔ ان سے ہمیں پوری دلچسپی ہونی چاہیے۔ ان کی دل جوئی کرنا اور ان کا حوصلہ بڑھانا یہ بڑوں کے فرائض میں داخل ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت کی طرف پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

〈۱۲〉 وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَؓ قَالَتْ: مَرَّ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِیْ نِسْوَةٍ فَسَلَّمَ عَلَيْنَا. (ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

ترجمہ: حضرت اسماء بنت یزیدؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہم عورتوں کے پاس سے ہو کر گزرے تو آپؐ نے ہم (عورتوں) کو سلام کیا۔

تشریح: نبی ﷺ کا پیامِ رحمت جس طرح مردوں کے لیے تھا اسی طرح آپ ﷺ عورتوں کی ہدایت کے لیے بھی مبعوث ہوئے تھے۔ عورتیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ وہ آپؐ کے سلام اور آپؐ کی دعاؤں سے فیض یاب ہو سکیں۔

〈۱۳〉 وَ عَنْ غَالِبٍؒ قَالَ: اِنَّا لَجُلُوْسٌ بِبَابِ الْحَسَنِ الْبَصَرِیِّ اِذَا جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ، قَالَ: بَعَثَنِیْ اَبِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ ائْتِهِ فَاقْرِئْهُ السَّلَامَ قَالَ فَاَتَيْتُهُ فَقُلْتُ اَبِیْ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ فَقَالَ: عَلَيْكَ وَ عَلٰی اَبِيْكَ السَّلَامُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت غالبؒ کہتے ہیں کہ ہم حسن بصریؒ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک

شخص آیا اور کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے اور ان سے میرے دادا (یعنی ان کے باپ) نے بیان کیا کہ مجھے میرے باپ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا اور کہا کہ تم آں حضرتؐ کی خدمت میں جاؤ اور آپؐ کو میرا سلام پہنچاؤ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے باپ نے آپؐ کو سلام عرض کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم پر اور تمھارے باپ پر سلامتی ہو۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے ذریعے سے دوسرے شخص کو اپنا سلام پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس سلام کا غائبانہ جواب بھی دینا چاہیے، جس کی طرف سے سلام پہنچایا جائے اس پر سلام بھیجے اور سلام پہنچانے والے پر بھی سلام بھیجے۔ بلکہ پہلے سلام پہنچانے والے شخص پر ہی سلام بھیجنا چاہیے۔ کیوں کہ وہ سامنے موجود ہوتا ہے اس لیے اس کا حق مقدم ہے۔ جب کوئی کسی کی طرف سے سلام پہنچائے تو جواب یوں کہے: عَلَیْکَ وَ عَلیٰ فُلَانِ السَّلَامُ (تم پر اور شخص فلاں پر سلامتی ہو)۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں: عَلَیْکَ وَ عَلَیْهِ السَّلَامُ (تم پر اور اس پر سلامتی ہو)۔

استقبال

〈۱〉 عَنِ السَّائِبِ بْنِ یَزِیْدٍؓ قَالَ: لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْکَ تَلَقَّاهُ النَّاسَ فَلَقِیْتُهٗ مَعَ الصِّبْیَانِ عَلٰی ثَنِیَّةِ الْوِدَاعِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ غزوۂ تبوک سے مدینہ تشریف لائے تو لوگوں نے آپؐ کا استقبال کیا۔ میں بھی بچوں کے ثنیۃ الوداع میں آپ ﷺ سے ملا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ دور سے آنے والے کا خاص طور سے کسی بڑی مہم سے کامیاب لوٹنے والے کی آمد پر اپنی خوشی اور مسرت کے اظہار کے لیے اس کا استقبال کرنا ایک فطری چیز ہے۔ اسلام میں یہ کوئی ناپسندیدہ بات ہرگز نہیں ہے۔

مرحبا کہنا

〈۱〉 عَنْ عِکْرِمَةَ بْنِ اَبِیْ جَهْلٍؓ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ جِئْتُهٗ: مَرْحَبًا بِالرَّاکِبِ الْمُهَاجِرِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عکرمہ بن ابوجہل کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے بعد) جب میں (اسلام قبول کرنے

کے لیے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا۔''

تشریح: یعنی اللہ اور رسولؐ کی طرف یا دار الحرب سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنے والے کو خوش آمدید! ایک روایت میں ہے کہ جب نبی ﷺ نے انھیں اپنی طرف آتے دیکھا تو آپؐ کھڑے ہو گئے اور چل کر ان کے پاس پہنچے اور انھیں گلے لگا لیا اور فرمایا: ''ہجرت کرنے والے سوار کو مرحبا۔'' (جمع الجمع عن مصعب ابن عبد اللہ)

حضرت عکرمہ ابن ابی جہل اسلام قبول کرنے سے پہلے آں حضرت ﷺ سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ حضرت عکرمہؓ کا خاص وصف شہسواری تھا۔ حضور ﷺ کے دستِ مبارک پر ایمان لانے کے بعد حسنِ کلام کی برکت سے وہ قابلِ رشک بن گئے۔ خدا کے دین کو سربلند رکھنے کے لیے انھوں نے اپنی جان تک قربان کر دی۔ وہ جنگِ یرموک میں شہید ہوئے ہیں۔

مصافحہ

(۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مِنْ تَمَامِ التَّحِيَّةِ الْاَخْذُ بِالْيَدِ.

(ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''سلام کا تکملہ مصافحہ ہے۔''

تشریح: اہل ایمان جب آپس میں ملیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ محبت اور خوشی اور جذبۂ اکرام و احترام کا اظہار کریں۔ اس اظہار کا مہذب طریقہ سلام و تحیہ ہے۔ مصافحہ سے حقیقت میں اسی مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔

مصافحہ ایک دوسرے سے ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے کرنا چاہیے۔ جوان عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ ایسی بوڑھی عورت سے مصافحہ کر سکتے ہیں، جس کی طرف جنسی میلان کا کوئی اندیشہ نہ ہو۔ ایک بوڑھا شخص جو جذبات جنسی کی فتنہ خیزیوں سے نجات پا چکا ہے، اگر کسی جوان عورت سے مصافحہ کر لیتا ہے تو اس میں کوئی قباحت کی بات نہیں ہے۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ وہ بھی جوان عورت سے مصافحہ کرنے سے پرہیز کرے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِی الْخَطَّابِ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِاَنَسٍ: أَكَانَتِ الْمُصَافَحَةُ فِيْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ؟ قَالَ: نَعَمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوخطاب قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے انسؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں مصافحہ کا رواج تھا؟ انھوں نے کہا: ''ہاں۔''

(۳) وَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اِذَا الْتَقَی الْمُسْلِمَانِ فَتَصَافَحَا وَ حَمِدَ اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَاهُ غُفِرَ لَهُمَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب دو مسلمان ملیں، باہم مصافحہ کریں اور اس کے ساتھ خدا کی حمد کریں اور اس سے مغفرت کے طالب ہوں تو ان کی مغفرت ہو ہی جاتی ہے۔''

تشریح: ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: مَا مِنْ مُسْلِمِیْنَ یَلْتَقِیَانِ فَلْیَتَصَافَحَانِ اِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ اَنْ یَّتَفَرَّقَا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) ''دو مسلمان ملیں اور وہ آپس میں مصافحہ کریں تو دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہی لازماً ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔''

مصافحہ اس بات کی علامت ہے کہ مصافحہ کرنے والے ایک دوسرے کے حقوق کا شعور رکھتے ہیں۔ اور خدا کی حمد و ثنا اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ کے حقوق کو بھی وہ کسی حالت میں فراموش نہیں کرتے۔ اس لیے ان کی یہ باہمی ملاقات اور سلام و مصافحہ ایک طرح سے ان کی مغفرت اور ان کی کامیابی کا اعلان ہے۔ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ ملاقات اور سلام و مصافحہ بے روح نہ ہو بلکہ اس کے پیچھے پورے طور پر مومنانہ شعور و احساس کارفرما ہو۔

(۴) وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: لَمَّا جَآءَ اَهْلُ الْیَمَنِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ جَآءَکُمْ اَهْلُ الْیَمَنِ، وَ هُمْ اَوَّلُ مَنْ جَآءَ بِالْمُصَافَحَةِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب یمن کے لوگ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے پاس یمن کے لوگ آئے ہیں۔'' یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مصافحہ شروع کیا۔

تشریح: معلوم ہوا کہ بہترین طریقہ کوئی بھی رائج کرے اس کی تحسین کی جائے گی۔ حدیث کا یہ حصہ کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے سب سے پہلے مصافحہ شروع کیا۔ حضرت انسؓ کا اپنا قول ہے، جیسا کہ مسند احمد کی ایک روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (احمد ۳/۲۵۱)

معانقہ (گلے لگانا)

﴿۱﴾ عَنِ الشَّعْبِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَلَقّٰی جَعْفَرَ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ فَالْتَزَمَهٗ وَ قَبَّلَ مَا بَیْنَ عَیْنَیْهِ. (ابو داؤد، شعب الایمان للبیہقی)

ترجمہ: امام شعبی (تابعی) سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی ﷺ جعفر بن ابی طالبؓ سے ملے تو ان کو گلے لگایا (یعنی معانقہ فرمایا) اور ان کی آنکھوں کے درمیان میں (یعنی پیشانی کو) بوسہ دیا۔

تشریح: دو آدمیوں کا باہم ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالنا یا باہم ایک دوسرے کو سینے سے لگانا معانقہ کہلاتا ہے۔ معانقہ سے اصل میں قربت، تعلق اور محبت واکرام کا اظہار مطلوب ہوتا ہے۔ جذباتِ انسانی کا شریعت نے پورا پاس ولحاظ رکھا ہے۔ لیکن شریعت یہ بھی نہیں چاہتی کہ کوئی عمل روح سے خالی محض رسم بن کر رہ جائے۔ یا اس میں غلط قسم کے جذبات شامل ہو جائیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلرَّجُلُ مِنَّا یُلْقٰی اَخَاهُ اَوْ صَدِیْقَهٗ اَیَنْحَنِیْ لَهٗ؟ قَالَ: "لَا" اَفَیَلْتَزِمُهٗ، وَ یُقَبِّلُهٗ؟ قَالَ: "لَا" قَالَ اَفَیَاْخُذُ بِیَدِهٖ وَ یُصَافِحُهٗ. قَالَ: "نَعَمْ." (ترمذی)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، ہم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی یا اپنے دوست سے ملاقات کرے تو کیا وہ اس کے لیے (تعظیماً) جھک جائے؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں۔" اس نے عرض کیا کہ تو اس سے گلے ملے اور اس کو بوسہ دے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" اس نے عرض کیا کہ تو کیا وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس سے مصافحہ کرے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ملاقات یا سلام کے وقت جھکنا یا سر کو خم کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ آدمی کسی کے سامنے زمیں بوس ہو۔ یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے اور اس کی جناب میں سجدہ ریز ہو۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ عام ملاقات کے موقعے پر اپنے بھائی یا دوست سے ہاتھ ملانا کافی ہے۔ ملاقات کے وقت بے جا تکلّفات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملاقات کے وقت معانقہ اور تقبیل (بوسہ) کو لازم قرار دینے میں بڑی قباحتیں ہیں، جن کو بہ آسانی سمجھا جاسکتا

ہے۔مثلاً ملاقات کے وقت ضروری نہیں کہ آدمی کے اندر جذبات کی وہ شدت پائی جاتی ہو، جس کا اظہار معانقہ یا (تقبیل) کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ایسے معانقہ یا قبیل کے مکروہ ہونے میں تو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے، جس کے پیچھے خوشامد اور تملق کی کارفرمائی ہو یا دیگر کوئی غلط قسم کا جذبہ کام کر رہا ہو۔ ورنہ معانقہ یا قبیل میں فی نفسہ کوئی برائی نہیں پائی جاتی۔ آپ اپنے کسی عزیز کو رخصت کر رہے ہوں یا کسی عزیز سے زمانۂ دراز کے بعد ملاقات ہو رہی ہو یا کسی شخص سے لوجہ اللہ آپ کو بے انتہا محبت وعقیدت ہو تو اس صورت میں معانقہ یا تقبیل میں علماء کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے۔

تقبیل (بوسہ)

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَبَّلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْحَسَنَ بْنِ عَلِیٍّ وَ عِنْدَهٗ الْاَقْرَعُ بْنُ حَابِسِ التَّمِیْمِیُّ جَالِساً. فَقَالَ الْاَقْرَعُ. اِنَّ لِیْ عَشْرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ اَحَدًا. فَنظَرَ اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثُمَّ قَالَ: مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حسن بن علیؓ کا بوسہ لیا۔ آپؐ کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اقرع نے کہا کہ میرے دس بچے ہیں۔ میں نے ان میں سے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسولِ خدا ﷺ نے ان کی طرف دیکھا پھر فرمایا: ''جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔''

تشریح: یعنی یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے بچوں سے بے پروا ہو کہ وہ نہ تو اپنے بچوں کو پیار کرے اور نہ وہ ان پر اپنی محبت وشفقت کا اظہار کرے۔ دل کی سختی خوبی نہیں بلکہ عیب ہے۔ جو شخص دل کا سخت ہو وہ اس کا مستحق کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے ساتھ مہربانی کا سلوک کیا جائے۔ خدا کی رحمت ان ہی لوگوں کے لیے ہے جو اس کے بندوں پر رحم کرتے ہیں۔ معصوم بچے تو سب سے زیادہ اس کا حق رکھتے ہیں کہ ان سے پیار کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمارا سلوک شفقت ومحبت کا ہو۔

(۲) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ! فَمَا نُقَبِّلُهُمْ. فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَوْ اَمْلِکُ لَکَ اِنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِکَ الرَّحْمَةَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک بدوی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ آپ لوگ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں، ہم تو بوسہ نہیں دیتے۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ نے تمھارے دل سے رحمت کھینچ لی تو میں تمھارے لیے کیا کرسکتا ہوں۔''

تشریح: بچوں کو بوسہ دینے سے باز رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ دل جذبۂ رحمت سے خالی ہے۔ جس دل میں جذبۂ رحمت نہ ہو اسے دل نہیں کہا جاسکتا۔ دل کی خاص خوبی لینت، نرمی، ملائمت اور ترحم ہی ہے۔ دل کی اس امتیازی چیز کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

(۳) وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ اَحَدًا کَانَ اَشْبَهُ سَمْتًا وَ هَدْیًا وَ دَلًّا وَ فِیْ رِوَایَةٍ حَدِیْثًا وَّ کَلَامًا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ فَاطِمَةَ کَانَتْ اِذَا دَخَلَتْ عَلَیْهِ قَامَ اِلَیْهَا فَاَخَذَ بِیَدِهَا فَقَبَّلَهَا وَ اَجْلَسَهَا فِیْ مَجْلِسِهٖ وَ کَانَ اِذَا دَخَلَ عَلَیْهَا قَامَتْ اِلَیْهِ فَاَخَذَتْ بِیَدِهٖ فَقَبَّلَتْهُ وَ اَجْلَسَتْهُ فِیْ مَجْلِسِهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ''میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ ہیئت، طور وطریق اور حسنِ خلق میں ـــــ ایک روایت میں ہے کہ بات چیت اور کلام میں ـــــ رسول اللہؐ سے مشابہت رکھنے میں فاطمہؓ سے بڑھ کر ہو۔ فاطمہؓ جب آپؐ کی خدمت میں آتیں تو آپؐ کھڑے ہوکر ان کی جانب بڑھتے۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ ان کو بوسہ دیتے اور پھر انھیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ اسی طرح جب آں حضرت ﷺ فاطمہؓ کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ آپؐ کے لیے کھڑی ہوجاتیں، آپؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتیں پھر آپؐ کو بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

تشریح: حضرت فاطمہؓ شکل وصورت اور سیرت و اخلاق میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے مشابہت رکھتی تھیں۔

آپ ﷺ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں یا ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیے، جن کے دلوں میں بیٹی کی کوئی عزت و وقعت نہیں ہوتی۔

(۴) وَ عَنِ الْبَرَآءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ اَبِیْ بَکْرٍ اَوَّلَ مَا قَدِمَ الْمَدِیْنَةَ فَاِذَا عَائِشَةُ بِنْتُهٗ مُضْطَجِعَةٌ قَدْ اَصَابَهَا حُمّٰی فَاَتٰهَا اَبُوْ بَکْرٍ فَقَالَ: کَیْفَ اَنْتِ یَا بُنَیَّةُ وَ قَبَّلَ خَدَّهَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت براءؓ بیان کرتے ہیں کہ کسی غزوہ سے ابوبکرؓ کے مدینہ آتے ہی میں ان کے گھر گیا تو دیکھتا ہوں کہ ان کی صاحب زادی عائشہؓ لیٹی ہوئی ہیں اور بخار میں مبتلا ہیں۔ ابوبکرؓ ان کے پاس گئے اور پوچھا کہ میری بیٹی تمھاری طبیعت کیسی ہے؟ اور انھوں نے اُن کے رخسار کا بوسہ لیا۔

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اپنی صاحب زادی حضرت عائشہؓ سے بے انتہا محبت رکھتے تھے اور اظہارِ شفقت و محبت بھی فرماتے تھے۔ جس زمانے کے واقعہ کا ذکر اس روایت میں کیا گیا ہے اس وقت حضرت عائشہؓ کوئی چھوٹی بچی بھی نہ تھیں۔

گفتگو

(۱) عَنْ بِلاَلِ بْنِ الْحَارِثِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنَ الْخَیْرِ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَکْتُبُ اللّٰهُ لَهٗ بِهَا رِضْوَانَهٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنَ الشَّرِّ مَا یَعْلَمُ مَبْلَغَهَا یَکْتُبُ اللّٰهُ بِهَا عَلَیْهِ سَخَطَهٗ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَاهُ. (شرح السنۃ، مالک، ترمذی، ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت بلال بن الحارثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آدمی کی زبان سے کبھی خیر اور بھلائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے، جس کی پوری قدر و قیمت کو وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ اس کی وجہ سے اپنی ملاقات کے دن تک اس کے لیے اپنی رضا طے فرما دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس کبھی آدمی کی زبان سے شر اور برائی کی کوئی ایسی بات نکل جاتی ہے، جس کی سنگینی کی حد کو وہ خود بھی نہیں جانتا مگر اللہ اس کی وجہ سے اپنی ملاقات تک اس پر اپنی ناراضی اور غضب کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔“

تشریح: اسی طرح کی ایک روایت صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لاَ یُلْقٰی لَهَا بَالاً یَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَات وَ اِنَّ الْعَبْدَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لاَ یَلْقٰی لَهَا بَالاً یَهْوِیْ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ. وَ فِیْ رِوَایَةٍ یَهْوِیْ بِهَا فِی النَّارِ اَبْعَدُ مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ. ”بندہ بعض اوقات ایسی بات زبان سے کہتا ہے، جس میں خدا کی خوش نودی ہوتی ہے تو اگرچہ بندہ اس کی اہمیت سے واقف نہیں ہوتا مگر اللہ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک بندہ بعض اوقات ایسی

بات کہتا ہے جو خدا کی ناراضی کی ہوتی ہے۔ تو اگرچہ بندہ اس کی سنگینی سے واقف نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں گر پڑتا ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ: "اس کے سبب سے وہ (دوزخ کی) آگ میں اتنی دور سے گرتا ہے جو مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلہ سے بھی زیادہ ہے۔"

آدمی کی زبان سے جو بات بھی نکلتی ہے، اس سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ آدمی کیسا ہے وہ خدا کا پسندیدہ ہے یا وہ خدا کے غضب کا مستحق ہے۔ اس لیے آدمی کو اپنی گفتگو میں اس کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ اس کی زبان پر کبھی کوئی ایسی بات نہ آئے، جس سے اس کی گراوٹ اور بے کرداری ظاہر ہو۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ زبان کی حفاظت یا طہارت زبان اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آدمی اعلیٰ اخلاق و کردار کا حامل نہ ہو۔ اس لیے آدمی کو اعلیٰ اخلاق اور بلندی کردار کی فکر ہونی چاہیے۔ اگر اس کا کردار و اخلاق بلند ہوگا تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی زبان پر غلط اور خلافِ حق کوئی بات نہیں آسکتی۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ ؓ قَالَ: اَثْنٰی رَجُلٌ عَلٰی رَجُلٍ عِنْدَ النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: وَیْلَکَ قَطَعْتَ عُنُقَ اَخِیْکَ ثَلٰثًا۔ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مَادِحًا لَا مَحَالَةَ فَلْیَقُلْ اَحْسِبُ فُلَانًا وَاللّٰهُ حَسِیْبُهٗ اِنْ کَانَ یَرٰی اَنَّهٗ کَذٰلِکَ وَلَا یُزَکِّیْ عَلَی اللّٰهِ اَحَدًا۔ (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے ایک شخص کی موجودگی میں اس کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا: "افسوس ہے تم پر تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔" یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔ پھر فرمایا: "تم میں سے جو کوئی کسی کی تعریف کرنی ضروری سمجھے تو یوں کہے کہ میں فلاں کے بارے میں ایسا گمان کرتا ہوں اور اس کا حساب کرنے والا اللہ ہے اور یہ بھی اس صورت میں کہے جب کہ وہ اس کے بارے میں ایسا خیال رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خدا کی طرف سے جزم و یقین کے ساتھ کسی کے کامل ہونے کا حکم لگائے۔"

تشریح: "اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔" یعنی اپنے بھائی کی تعریف کر کے خاص طور سے جب کہ تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہو تم نے اسے ایک بڑے خطرے میں ڈال دیا۔ اس لیے کہ یہ چیز اس کے لیے موجب ہلاکت ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے تمھارے تعریفی کلمات سے اس کے دل میں غرور و کبر پیدا ہو جائے جو آدمی کے لیے کسی تباہی اور ہلاکت سے کم نہیں ہے۔

یہ حدیث یہ بتاتی ہے کہ کسی سبب سے اگر کسی کی تعریف کرنی ہی چاہو تو اپنے گمان کی

حد تک ہی اس کی تعریف کرو۔ کسی کے بارے میں جزم ویقین کے ساتھ ہرگز کوئی فیصلہ نہ کرو۔ حقیقتِ حال کو اللہ پر چھوڑ دو۔ وہی بہتر جانتا ہے کہ کون کیسا ہے۔ اور وہی سب کا حساب لینے والا ہے۔ جن شخصیتوں کے بارے میں ثابت ہے کہ وہ خدا کے مقبول بندے تھے، جیسے عشرۂ مبشرہ وغیرہم ان کے علاوہ کسی کے بارے میں اس جزم ویقین کا اظہار نہ کیا جائے کہ وہ خدا کے یہاں لازماً مقبول ہے۔ جو شخص قابلِ تعریف نظر آئے اس کے بارے میں بھی احتیاط کی راہ اختیار کرنی انسب ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: مَنْ كَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیَقُلْ خَیْرًا اَوْ یَصْمُتْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہیے کہ وہ بھلائی کے لیے زبان کھولے یا پھر چپ رہے۔“

تشریح: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت میں ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”مَنْ صَمَتَ نَجَا (احمد، ترمذی)“ جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔“ یعنی وہ کتنی ہی آفات سے محفوظ رہا۔ حضور ﷺ کی یہ ہدایت کہ ”اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والا بولے تو بھلائی کے لیے بولے ورنہ خاموش رہے۔“ بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ آدمی جب بھی زبان کھولے تو یہ دیکھ لے کہ اس کی زبان بھلائی کے لیے کھل رہی ہے یا برائی اور شر کے لیے یا وہ یوں ہی بے ضرورت بولنا چاہتا ہے۔ جب بھی وہ بولے بھلائی کے لیے بولے ورنہ چپ رہے۔ نبی ﷺ کی اسی ایک ہدایت پر اگر لوگ کاربند ہو جائیں تو معاشرے میں انقلاب آ جائے اور کتنی ہی برائیوں سے ہمارا معاشرہ پاک ہو جائے۔

(۴) وَ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ؟ قَالَ: اَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَ لْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَ ابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ نجات کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر روؤ۔“

تشریح: یعنی اگر نجات چاہتے ہو تو تقویٰ کی زندگی گزارو۔ ہمیشہ محتاط رہو۔ خاص طور سے اپنی زبان کو اپنے قابو میں رکھو۔ یہ چیز تمھیں تمام ہی برائیوں سے دور رکھے گی۔ ”تمھارا گھر تمھاری

کفایت کرے'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گھر کو پناہ گاہ سمجھو۔ بری مجلسوں اور برے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ بلاضرورت گھر چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہ پھرو۔

''اپنے گناہوں پر روؤ'' کا مطلب یہ ہے کہ اپنی خطاؤں اور اپنی تقصیر پر شرم سار اور نادم ہو اور خدا کے آگے گڑگڑاؤ۔ خشوع و خضوع اختیار کرو۔ اپنے رب سے طلبِ مغفرت کرتے رہو۔ یہ چیز تمھیں نجات کا مستحق بنادے گی۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الثَّقَفِیِّؓ قَالَ: قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَخْوَفُ مَا تَخَافُ عَلَیَّ؟ قَالَ فَاَخَذَ بِلِسَانِ نَفْسِہٖ وَ قَالَ: ھٰذَا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپؐ میرے بارے میں جن چیزوں سے ڈرتے ہیں ان میں سب سے زیادہ خوف ناک چیز کیا ہے؟ حضرت سفیانؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اپنی زبان کو پکڑا اور فرمایا: ''یہ چیز۔''

تشریح: آپؐ نے زبان کو سب سے زیادہ خوف ناک چیز قرار دیا ہے۔ اکثر گناہ زبان کی بے احتیاطی کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔ اپنی گفتگو اور بات چیت میں ہمیشہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ جس کسی نے اپنی زبان پر قابو حاصل کرلیا وہ ہر چیز پر قابو حاصل کرسکتا ہے۔ وہ کبھی بھی غیر ذمہ دارانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔

﴿۶﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَکُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ یَّکُوْنَ لَعَّانًا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن زیادہ لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔'' ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ بہت لعنت کرنے والا ہو۔''

تشریح: مومن شخص تو دنیا والوں کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے۔ اس کی آرزو تو یہ ہوتی ہے کہ کاش لوگ خدا کی رحمت میں داخل ہوں اور اس کے عذاب سے نجات پالیں۔ اس لیے اس کی عادت لعنت کرنے کی نہیں ہوتی اور نہ یہ اس کے شایانِ شان ہے کہ وہ لوگوں پر لعنت کرتا رہے۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ یَّضْمَنْ لِیْ مَا بَیْنَ لَحْیَیْہِ وَمَا بَیْنَ رِجْلَیْہِ اَضْمَنْ لَہُ الْجَنَّۃَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مجھے اس بات کی ضمانت دے کہ وہ اس کی حفاظت کرے گا، جو اس کے دونوں کلوں کے درمیان اور جو اس کے دونوں پاؤں کے درمیان ہے، تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

تشریح: دونوں کلّوں کے درمیان کی چیز سے مراد زبان ہے اور دونوں پاؤں کے درمیان کی چیز سے اشارہ شرم گاہ کی طرف ہے۔ زبان اور شرم گاہ کی حفاظت آدمی کو جنت کا مستحق بناتی ہے، جو شخص زبان کے استعمال میں محتاط ہو، حرام کھانے پینے سے دور رہے اور جو زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جائے، اس کی زندگی پاکیزگی اور خدا ترسی کا نمونہ ہوگی۔ اور جنت حقیقت میں خدا کا خوف رکھنے والے پاکبازوں ہی کے لیے بنائی گئی ہے۔

ہدیہ یا تحفہ

〈۱〉 عَنْ عَائِشَةَ ؓ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَ يُثِيبُ عَلَيْهَا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ہدیہ (تحفہ) قبول فرمایا کرتے تھے اور اس کے عوض خود بھی عطا فرماتے تھے۔

تشریح: یعنی آپؐ ہدیہ یا تحفہ قبول کرتے تھے اور خود بھی ہدیہ کے جواب میں ہدیہ عطا فرماتے تھے۔ ہدیہ کسی کے دل کو خوش کرنے اور اس سے تعلق خاطر ظاہر کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس سے تعلقات میں خوش گواری پیدا ہوتی ہے۔ محبت و تعلق میں اضافہ ہوتا ہے۔ کسی محترم شخصیت کو ہدیہ دینے میں اس شخصیت کا اکرام بھی مقصود ہوتا ہے۔ اپنے سے چھوٹوں کو تحفہ دے کر ہم ان کے ساتھ اظہارِ شفقت کرتے ہیں۔

〈۲〉 وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ عُرِضَ عَلَيْهِ رَيْحَانٌ فَلَا يُرُدُّهُ فَاِنَّهُ خَفِيفُ الْمَحْمَلِ طَيِّبُ الرِّيحِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جس کو ہدیہ میں خوشبو دار پھول یا نازبو دیا جائے تو وہ اس کو واپس نہ کرے کیوں کہ وہ کسی پر بار نہیں اور خوشبو عمدہ ہے۔''

تشریح: پھول یا خوش بودار چیز کے قبول نہ کرنے سے ایک تو خوشبو جیسی فرحت بخش شے کی بے قدری ہوتی ہے۔ دوسرے جو چیز زیادہ قیمتی نہ ہو کہ اس کو دینے میں کسی پر بڑا بوجھ نہیں پڑتا،

اسے واپس نہیں کرنا چاہیے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ خود بھی خوشبو کا ہدیہ واپس نہیں کرتے تھے۔

کم قیمت تحفہ واپس کرنے میں اس بات کا بھی اندیشہ رہتا ہے کہ تحفہ دینے والا یہ خیال کرسکتا ہے کہ میری چیز کم قیمت ہونے کی وجہ سے واپس کردی گئی۔ اس سے اس کی دل شکنی ہوگی۔

(۳) وَ عَنْ جَابِرٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ اُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيُجْزِ بِهٖ وَ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ فَاِنَّ مَنْ اَثْنٰى فَقَدْ شَكَرَ وَ مَنْ كَتَمَ فَقَدْ كَفَرَ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کو ہدیہ دیا جائے تو اگر اس کے پاس بدلے میں دینے کو کچھ ہو تو وہ بھی اس کو دے اور جس کے پاس دینے کو کچھ نہ ہو تو وہ اس کی تعریف کرے، جس نے تعریف و تحسین کی اس نے شکریہ کا حق ادا کردیا اور جس نے (ایسا نہ کیا اور) احسان کے معاملے کو چھپایا تو اس نے ناشکری کی۔''

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ یا تحفہ دینے والے شخص کا شکریہ ادا کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہوتا ہے۔ اس کا اصل شکریہ تو یہ ہے کہ ہم بھی اسے کوئی تحفہ یا ہدیہ دیں۔ لیکن اگر ہدیہ کے بدلے میں کچھ دینے کو میسر نہ ہو تو زبان ہی سے تعریف کرنی چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ تحفہ کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ لیکن جو شخص زبان سے بھی تعریف و تحسین نہیں کرتا وہ کتمانِ حق کا مرتکب ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ ایک ناشکرا انسان ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مَنْ صُنِعَ اِلَيْهِ مَعْرُوْفٌ فَقَالَ لِفَاعِلِهٖ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا فَقَدْ اَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ (ترمذی عن اسامہ بن زیدؓ) ''جب کسی شخص کے ساتھ کوئی بھلائی کی گئی اور اس نے بھلائی کرنے والے کے لیے یہ دعا کی کہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا (اللہ تمھیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے) تو اس نے پوری تعریف کردی۔'' اس دعائیہ کلمہ سے بھلائی کرنے والے کی تعریف اور اس کی طرف سے کی ہوئی بھلائی کی قدرشناسی دونوں ہی چیزوں کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: تَهَادُوْا فَاِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ الضَّغَائِنَ.

(ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''باہم ایک دوسرے کو تحفے بھیجا کرو، تحفے دلوں کے کینے ختم کردیتے ہیں۔''

تشریح: ہدیہ یا تحفہ اظہارِ تعلق و محبت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور محبت اگر واقعی محبت ہے تو اس سے ہر چیز کی تلافی ہو جاتی ہے اور کتنی ہی رنجشیں اور کدورتیں ہدیہ کے لین دین سے دور ہو جاتی ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ شَفَعَ لِاَحَدٍ شَفَاعَةً فَاَهْدٰی لَهٗ هَدِیَّةً عَلَیْهَا فَقَبِلَهَا فَقَدْ اَتٰی بَابًا عَظِیْمًا مِنْ اَبْوَابِ الرِّبَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے کسی شخص کے لیے سفارش کی تو اگر سفارش کرنے والے کو اس نے کوئی تحفہ پیش کیا اور اس نے اسے قبول کر لیا تو اس نے سود کے دروازوں میں سے ایک بہت بڑے دروازے میں قدم رکھا۔‘‘

تشریح: سفارش کرنے کی وجہ سے کسی کو تحفہ دینا رشوت ہے۔ سفارش کرنے والا اگر یہ تحفہ قبول کر لیتا ہے تو اس نے سود کے ایک بڑے دروازے میں قدم رکھا۔ اسے سود سے تعبیر کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ آدمی کے پاس جو مال آئے وہ اس مال کا صحیح معنی میں حق دار ہو۔ سود میں آدمی کسی کی محض مجبوری کو ذریعۂ آمدنی بناتا ہے۔ حالاں کہ مجبور شخص ہماری ہمدردی و غم خواری کا مستحق ہوتا ہے۔

ضرورت مند کو قرض دینا باعثِ ثواب ہے۔ قرض دینے والا اصل رقم لینے کا حق دار ہے۔ اصل رقم جو اس نے بطور قرض دی ہے اس سے زیادہ وصول کرنا سود ہے۔ اور سود کو اسلام نے مطلق حرام قرار دیا ہے۔ قرض دار نے قرض لے کر محض اپنی ضرورت پوری کی۔ یہ رقم اس نے کسی معاہدے کے تحت کسی تجارت یا کاروبار میں نہیں لگایا کہ نفع میں رقم فراہم کرنے والے کو بھی شریک کیا جائے۔ یہاں یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ کاروبار میں نقصان اور خسارہ کا بھی امکان رہتا ہے، رقم فراہم کرنے والا شخص اگر نفع میں شریک ہوتا ہے تو اسے خسارے میں بھی شریک ہونا ہوگا۔

مزاح

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ تُدَاعِبُنَا. قَالَ: اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ ہم سے خوش طبعی (مزاح) فرماتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ’’میں (خوش طبعی میں بھی) حق بات ہی کہتا ہوں۔‘‘

تشریح: یعنی خوش طبعی یا مزاح تو کرتا ہوں لیکن میرے مزاح میں کوئی بات خلافِ حق نہیں

ہوتی۔ اس لیے تمھیں حیرت نہیں کرنی چاہیے۔ خشک مزاجی اسلام میں کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ مزاح یا خوش طبعی اگر حد سے متجاوز نہ ہو تو یہ زندہ دلی کی علامت ہے۔ اور اس سے زندگیوں میں خوش گوار فضا پیدا ہوتی ہے۔ کسی قسم کی گھٹن باقی نہیں رہتی۔ نبی ﷺ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ کبھی کبھی مزاح فرماتے تاکہ باہم ایک طرح کی بے تکلفی کی فضا پیدا ہو، جس میں قربت اور شفقت زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔ لیکن اس بے تکلفی اور سادہ معاشرت میں ادب کا دامن ہاتھ سے کبھی چھوٹتا نہ تھا۔ صحابہ کرامؓ آپ کے سامنے ہمیشہ مودّب رہتے تھے۔ آپؐ کے احترام کا خیال کبھی دل سے جدا نہیں ہوتا تھا۔

(۲) وَ عَنْ اَنَسٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ لِاِمْرَاَةٍ عَجُوْزٍ اِنَّهٗ لَا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ عَجُوْزٌ. فَقَالَتْ وَ مَالَهُنَّ؟ وَ كَانَتْ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ. فَقَالَ لَهَا: اَمَا تَقْرَئِيْنَ الْقُرْاٰنَ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا. (رزین، شرح السنہ)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے فرمایا: ”بوڑھی عورت جنت میں داخل نہ ہوگی۔“ اس نے کہا کہ ان (بوڑھی عورتوں میں) ایسی کیا بات ہے کہ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی؟ وہ عورت قرآن پڑھتی تھی۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں یہ نہیں پڑھا ہے: اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا (الواقعہ:۳۵-۳۶) ”یقیناً انھیں ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا اور ہم نے انھیں کنواریاں بنایا۔“

تشریح: یعنی تم نے تو وہ آیتیں پڑھی ہوں گی، جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت کی عورتیں بوڑھی نہیں ہوں گی۔ وہ نوخیز اور دوشیزہ ہوں گی۔ جو عورتیں دنیا میں بوڑھی ہو کر مری ہوں گی، وہ جنت میں داخل ہوں گی تو بوڑھی نہیں ہوں گی۔ خدا انھیں ہمیشہ کے لیے شباب عطا فرمائے گا۔ کسی قسم کی کہنگی کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔

اس روایت میں نبی ﷺ کی خوش طبعی کی جو مثال پیش کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کے مزاح میں خلافِ واقعہ کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ آپؐ وہی بات فرماتے جو حق ہوتا لیکن اسے کچھ اس طرح سے پیش فرماتے کہ طبیعتیں شگفتہ ہو جائیں اور فضا مسکرا اٹھتی تھی۔

تبسّم

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ مُسْتَجْمِعًا ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو اتنا زیادہ ہنستے ہوئے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ کا منہ کھل گیا ہو اور مجھے آپؐ کا تالو اور کوّا نظر آیا ہو۔ آپ ﷺ کا ہنسنا بس مسکرانے کی حد تک رہتا تھا۔

تشریح: یعنی مسکرانا اور تبسم فرمانا ہی دراصل آپ ﷺ کا ہنسنا تھا۔ آپ ﷺ نہ قہقہہ لگاتے تھے اور نہ اس طرح ہنستے تھے کہ منہ کا اندرونی حصہ نظر آنے لگ جائے۔ البتہ شاذ و نادر کبھی ایسی بھی ہنسی آپؐ کو آجاتی کہ آپ ﷺ اس طرح مسکرا اٹھتے کہ دہنِ مبارک قدرے کھل جاتا۔

آپؐ کے صحابہؓ بھی خشک مزاج ہرگز نہ تھے۔ وہ ہنسی مذاق بھی کرتے۔ اشعار بھی سنتے سناتے اور زمانۂ جاہلیت کے ایسے قصے بھی چھیڑتے کہ بے ساختہ لوگوں کو ہنسی آجاتی۔ نبی ﷺ یہ سب سنتے اور صرف تبسم فرماتے تھے۔ حضور ﷺ بے تکلفی برتاؤ نہ کرتے تو آپ ﷺ کا لوگوں پر ایسا رعب چھایا رہتا کہ آپؐ سے استفادہ کرنا مشکل ہو جاتا۔ یہ بات یاد رہے کہ صحابہؓ کی ہنسی وہ نہ تھی جس سے قلوب مردہ ہو جاتے ہیں۔ وہ باہم دوڑ بھی لگاتے اور باہم ہنستے ہنساتے لیکن ان کا ایمان پہاڑوں سے بڑھ کر عظیم تھا اور وہ راتوں میں درویش نظر آتے تھے۔

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ اَحَدًا اَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث ابن جزءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی اور شخص کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

تشریح: اس میں شبہ نہیں کہ آپؐ کے دل میں آخرت کا غم سمایا ہوا تھا۔ اور بندگانِ خدا کو راہِ حق پر لانے کی فکر سے کسی لمحہ آپؐ فارغ نہ تھے لیکن اس کے باوجود آپ ایسے نہ تھے کہ آپ کو دیکھ کر دل کی خوشیاں رخصت ہو جائیں، زندگی کی اُمنگیں اور حوصلے دب جائیں۔ ذہن کی فضا یاس اور ناامیدی کی کیفیت سے بھر جائے۔ آپؐ کی حیثیت اگر نذیر (انجامِ بد سے ڈرانے والے) کی تھی

تو اسی کے ساتھ خدا نے آپ ﷺ کو بشیر (خوش خبری دینے والا) بنا کر بھیجا تھا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اصل حیثیت بشیر ہی کی تھی۔

اس کے علاوہ یہ پہلو بھی سامنے رہے کہ مردم بیزاری کی کیفیت آپؐ کے یہاں ہرگز نہیں پائی جاتی تھی۔ لوگوں کو دیکھ کر اظہارِ مسرت فرماتے تھے۔ اس میں شبہ نہیں دنیا کے لیے آپؐ رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔

تکلُّف

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: نُهِینَا عَنِ التَّکَلُّفِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں تکلف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

تشریح: تکلف اور تصنع کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ قابلِ قدر چیز سادگی اور فطری پاکیزگی ہے۔ سادگی کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ تکلف اور تصنع سے معاشرت میں پریشانیاں بھی ہوتی ہیں اور ایک کو دوسرے پر وہ اعتماد اور بھروسہ نہیں ہوسکتا، جو اعتماد سادہ اور بے تکلف معاشرے میں باہم ایک دوسرے کے درمیان پایا جاتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ: دَخَلْنَا عَلٰی عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ فَقَالَ: یٰاَیُّهَا النَّاسُ مَنْ عَلِمَ شَیْئًا فَلْیَقُلْ بِهٖ وَ مَنْ لَّمْ یَعْلَمْ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ. فَاِنَّ مِنَ الْعِلْمِ اَنْ یَّقُوْلَ الرَّجُلُ لِمَا لَا یَعْلَمُ: اَللّٰهُ اَعْلَمُ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِنَبِیِّهٖ ﷺ قُلْ مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت مسروق بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو، جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو تو وہ اس کے بارے میں بات کرے اور جس کسی کو علم نہ ہو تو وہ یہ کہے کہ "اللہ بہتر جاننے والا ہے۔" کیوں کہ یہ بات بھی علم ہی ہے کہ آدمی جس چیز کے بارے میں نہ جانتا ہو اس کے متعلق یہ کہے کہ "اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے کہ (اے نبیؐ) تم کہہ دو کہ میں اس پر تم سے کوئی اجر کا مطالبہ نہیں کرتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔"

تشریح: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ ﷺ کے مزاج شناس تھے۔ ان کی نصیحت کا ماحصل یہ ہے کہ آدمی کو اپنی ذمے داری کا پورا پورا احساس ہونا چاہیے۔ آدمی بس اسی چیز کے

بارے میں اپنی زبان کھولے، جس کا اسے علم ہو۔ جس چیز کے بارے میں علم نہ ہو، صاف کہہ دے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں ہے، اس کا اپنی بے علمی اور خدا کے علیم وخبیر ہونے کا اعتراف خود ایک بڑا علم ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے کہا ہے کہ آپ ﷺ صاف صاف کہہ دیں کہ تکلف وتصنّع میرا کام نہیں ہے۔ میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ خود کو وہ حیثیت دینے لگوں جو حیثیت فی الواقع مجھے حاصل نہ ہو۔ میں بے غرض دعوت وتبلیغ کا کام کر رہا ہوں، مجھے جو کچھ لینا ہے اپنے خدا سے لینا ہے۔ لوگوں سے کسی اجر کا میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے۔ پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں کسی تکلف و تصنع سے کام لوں۔ کسی قسم کا ڈھونگ تو وہ لوگ رچتے ہیں، جن کو کسی دنیوی اور مادّی نفع کی طمع ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ میں خدا کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔ نہ یہ خدا پر کوئی افترا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کے مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔

چھینک

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا عَطَسَ اَحَدُکُمْ فَلْیَقُلْ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لْیَقُلْ اَخُوْهُ اَوْ صَاحِبُهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَاِذَا قَالَ لَهٗ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ فَلْیَقُلْ یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی شخص کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے اور اس کے بھائی یا فرمایا کہ اس کے دوست کو چاہیے کہ اس کے جواب میں یَرْحَمُکَ اللّٰهُ (خدا تم پر رحمت کرے) کہے اور جب وہ اس کے لیے یَرْحَمُکَ اللّٰهُ کہے تو چھینکنے والے کو چاہیے کہ کہے یَهْدِیْکُمُ اللّٰهُ وَ یُصْلِحُ بَالَکُمْ (اللہ تمھیں ہدایت سے نوازے اور تمھارے حالات کو درست فرمائے)۔“

تشریح: چھینک آنے سے ذہنی تناؤ دور ہوتا ہے۔ دماغ کا بوجھ ہٹ جاتا ہے۔ اور طبیعت میں ایک نشاط پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لیے چھینک آنے پر اللہ کی تعریف کر کے اس کا شکر ادا کرنے کی تعلیم دی گئی۔ جس کو چھینک آئے اور وہ خدا کی حمد کرے تو وہ اس کے حق میں یہ کلمہ کہیں، یَرْحَمُکَ اللّٰهُ یعنی تم پر خدا کی رحمت ہو۔ یعنی تم ہمیشہ اس کی رحمت کے مستحق ٹھہرو۔ اپنے بھائی یا دوست اور ساتھی کی طرف سے اپنے حق میں یہ دعائیہ کلمہ سن کر چھینکنے والے شخص کا یہ فرض ہوتا ہے

کہ وہ خاموش نہ رہے بلکہ اپنے بھائی یا دوست کا شکریہ ادا کرے اور یہ شکریہ اس طرح ادا کرے کہ وہ بھی بھائی یا دوست کے حق میں بھلائی کی دعا کرے کہ خدا کی راہ نمائی اور ہدایت تمھیں حاصل رہے اور وہ ہمیشہ تمھارے حالات کو درست رکھے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نزلہ اور زکام کی وجہ سے بار بار چھینک آنے پر ہر دفعہ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہنا ضروری نہیں ہے۔

(۲) وَ عَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ اِذَا عَطَسَ غَطّٰی وَجْهَهٗ بِیَدِهٖ اَوْ ثَوْبِهٖ وَ غَضَّ بِهَا صَوْتَهٗ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب چھینکتے تو آپؐ اپنے چہرے کو اپنے ہاتھ یا اپنے کسی کپڑے سے ڈھانک لیتے تھے اور چھینک کی آواز کو پست کر لیتے تھے۔

تشریح: چھینک آنے پر منہ کو ہاتھ یا کپڑے سے ڈھک لے اور حتی الوسع آواز کو پست رکھے۔ یہ ایک بہتر اور مہذب طریقہ ہے۔

جمائی

(۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیُمْسِکْ بِیَدِهٖ عَلٰی فَمِهٖ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب کسی کو جمائی آئے تو وہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے کیوں کہ شیطان (منہ کو کھلا پاتا ہے تو) اس میں گھس جاتا ہے۔“

تشریح: جمائی سستی، کاہلی اور غفلت کی علامت ہوتی ہے۔ شیطان مومن کو کبھی باہوش اور مستعد نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ تو یہی چاہے گا کہ اہلِ ایمان بالکل ڈھیلے اور کاہل ہو کر رہیں تا کہ دنیا میں وہ کوئی اہم کردار ادا کرنے سے قاصر رہیں اور برائیوں کو پھلنے پھولنے کا پورا موقع مل سکے۔ شیطان ہر ایسی چیز سے خوش ہوتا ہے جو آدمی کو کسل مند بناتی ہو۔ جمائی کو بھی شیطان کا حربہ سمجھنا چاہیے اور اس کے روکنے کی پوری کوشش کرنی چاہیے۔

جمائی آنے پر چہرہ بدنما ہو جاتا ہے۔ منہ سے ناپسندیدہ آواز نکلتی ہے، جو کسل مندی کی علامت ہوتی ہے۔ منہ میں شیطان کے داخل ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ شیطان کو اثر انداز ہونے کا

پورا موقع مل جاتا ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ وہ مکھی یا مچھر کو اڑا کر لائے اور جمائی لینے والے کے منہ میں داخل کر دے، جس سے طبیعت مکدر ہو کر رہ جائے۔

کھانے کی دعوت

〈۱〉 عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا دَعَا اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيُجِبْ عُرُسًا كَانَ اَوْ نَحْوَهُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کو اس کا بھائی دعوت دے کر بلائے تو چاہیے کہ اس کی دعوت قبول کر لی جائے، خواہ ولیمہ ہو یا اس کے مثل کوئی اور تقریب ہو (بشرطے کہ کوئی کام خلافِ شرع نہ ہو)۔“

تشریح: یعنی بھائی اگر کھانے کی دعوت دے تو بغیر کسی عذر کے اس کی اس دعوت کو ہرگز رد نہ کیا جائے۔ باہم ایک دوسرے کی دعوت کرنے سے باہمی الفت و قرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ آپس کے تعلقات خوش گوار اور مستحکم ہوتے ہیں۔ اجتماعیت کے پہلو سے یہ چیز کتنی اہمیت رکھتی ہے اس کو ہر شخص بخوبی محسوس کر سکتا ہے۔

〈۲〉 وَ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُمَيْرِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ اِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا فَاِنَّ اَقْرَبَهُمَا بَابًا اَقْرَبُهُمَا جِوَارًا وَ اِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِيْ سَبَقَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت حمید بن عبد الرحمٰن حمیری ایک صحابیِ رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب دو شخص ایک ہی ساتھ دعوت دیں تو دونوں میں سے جس کا دروازہ (مکان) زیادہ قریب ہو اس کی دعوت قبول کرو کیوں کہ جس کا مکان زیادہ قریب ہے وہ ہمسائگی کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے۔ اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے پہلے دعوت دی ہو تو جس نے پہلے دعوت دی اس کی دعوت قبول کی جائے۔“

تشریح: پڑوسی کا حق مقدم ہوتا ہے۔ اس لیے دونوں میں سے جس کا مکان زیادہ قریب ہو اس کی دعوت کو ترجیح دینی چاہیے۔ یہ اس صورت میں جب کہ دونوں نے کھانے کی دعوت ایک ہی ساتھ دی ہو۔ لیکن اگر دونوں نے دعوت ایک ساتھ نہیں دی ہے تو اس صورت میں جس شخص نے

دعوت پہلے دی ہو اس کی دعوت کو قبول کرنی چاہیے۔ اس میں دوسرے کے لیے شکایت کا کوئی موقع نہیں ہے۔

(۳) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ یَقُوْلُ اِنَّ الْخَیَّاطَ دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍؓ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِلٰی ذَالِکَ الطَّعَامِ.
(مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک درزی نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی، اس نے کچھ کھانا پکایا۔ حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں بھی اس کھانے کی دعوت پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گیا تھا۔"

تشریح: معلوم ہوا کہ کھانے کی دعوت قبول کرنی ایک مسنون عمل ہے۔ حضور ﷺ خود بھی کھانے کی ایسی دعوت قبول فرماتے تھے، جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تھی۔

محسن کا شکریہ ادا کرنا

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰهَ.
(احمد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے انسان کا شکریہ ادا نہ کیا وہ خدا کا بھی شکر گزار نہ ہوا۔"

تشریح: آدمی کا فرض ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر احسان کرتا ہے تو وہ اس کا شکریہ ادا کرے۔ احسان کا بدلہ احسان کے ذریعے سے دے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کے حق میں دعائے خیر ہی کرے۔ جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔ اور خدا کی نافرمانی ایک ناشکرے انسان ہی کو زیب دے سکتی ہے۔

اعترافِ نعمت، احسان شناسی اور جذبۂ تشکر ایک فطری چیز ہے۔ اور یہی درحقیقت ہمارے ایمان کی بھی اساس ہے۔ اگر کسی آدمی کے دل میں یہ جذبہ زندہ او بیدار ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ کسی احسان کا قدرشناس اور اپنے محسن کا شکر گزار ہو۔ اگر کسی شخص کے دل میں اپنے محسن کے لیے ممنونیت کا کوئی جذبہ نہ اُبھرا تو پھر یہ اس

سے کیسے امید کی جا سکتی ہے کہ وہ خدا کا شکر گزار بندہ ثابت ہوگا۔ پھر کردار کے حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے۔ ایک شخص اگر اخلاق و کردار کے لحاظ سے ناشکرا واقع ہوا ہے تو وہ کہیں بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ وہ خدا کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ وہ اگر کہیں شکر گزاری کا مظاہرہ کرتا ہے تو یہ محض مظاہرہ اور ڈرامہ ہی ہو سکتا ہے اسے حقیقی شکر گزاری نہیں کہہ سکتے۔

خط و کتابت

(۱) عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍؓ قَالَ: اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَنْ اَتَعَلَّمَ السُّرْيَانِيَّةَ وَ فِیْ رِوَايَةٍ اِنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ يَهُوْدَ وَ قَالَ اِنِّیْ مَا اٰمَنَ يَهُوْدُ عَلٰى كِتَابٍ قَالَ فَمَا مَرَّ نِصْفُ شَهْرٍ حَتّٰى تَعَلَّمْتُ فَكَانَ اِذَا كَتَبَ اِلٰى يَهُوْدَ كَتَبْتُ وَ اِذَا كَتَبُوْا اِلَيْهِ قَرَأْتُ لَهٗ كِتَابَهُمْ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھ لوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں یہود سے خط و کتابت کرنی سیکھ لوں۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ ''خط و کتابت کے معاملہ میں مجھے یہود پر اطمینان نہیں ہوتا۔'' حضرت زیدؓ کہتے ہیں کہ نصف ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ میں نے (یہود کی زبان اور ان سے خط و کتابت کرنی) سیکھ لیا۔ چناں چہ جب آں حضرتؐ یہود کو کوئی مکتوب بھیجنے کا ارادہ فرماتے تو اس کو میں ہی لکھتا اور جب یہود آپؐ کو خطوط لکھتے تو اس کو آپؐ کی خدمت میں مَیں ہی پڑھتا تھا۔

تشریح: سریانی قدیم زبان ہے۔ یہ زبان عبرانی سے ملتی جلتی ہے۔ یہودی اسی زبان کو خط و کتابت وغیرہ میں استعمال کرتے تھے۔ مسلمان یہود کی زبان سے واقف نہ تھے۔ اس لیے یہود کے ساتھ خط و کتابت کے لیے نبی ﷺ کو کسی یہودی کا سہارا لینا پڑتا تھا اور آپؐ کو اس کا اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں اس نے خط لکھنے میں کوئی کمی بیشی نہ کر دی ہو۔ اسی طرح یہود کے جو خطوط آپؐ کے پاس آتے تھے آپؐ ان کو کسی نہ کسی یہودی سے ہی پڑھوا کر سنتے تھے۔ یہاں بھی آپؐ کو خوف رہتا کہ کہیں وہ اپنی طرف سے کچھ کم یا زیادہ کر کے نہ پڑھے۔ ضرورت تھی کہ یہود سے خط و کتابت کی خدمت کسی مسلمان شخص سے لی جائے۔ جس پر پورا اعتماد کیا جا سکے۔ اسی لیے آپؐ نے حضرت زیدؓ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی زبان سیکھ لیں اور اس زبان میں خط و کتابت کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر لیں۔

اس ہدایت سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے تحت اور خاص طور سے دینی اغراض و مقاصد کے لیے دوسری قوموں کی زبان سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ موجودہ دور میں بھی دنیا کی مختلف قوموں تک خدا کا پیغام پہنچانے کے لیے ان قوموں کی زبانوں سے واقفیت ضروری ہے۔ کسی قوم کو جب تک اس کی اپنی زبان میں پیغام نہ پہنچایا جائے، دعوت موثر نہیں ہوتی۔

تیوہار

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِیْنَةَ وَلَهُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْیَوْمَانِ قَالُوْا کُنَّا نَلْعَبُ فِیْهِمَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ اَبْدَلَکُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَیْرًا مِّنْهُمَا یَوْمَ الْاَضْحٰی وَ یَوْمَ الْفِطْرِ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ آپؐ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا: ”یہ دو دن کیسے ہیں؟“ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ان دونوں دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھیلا کودا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اللہ نے تمھارے لیے ان دونوں دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیے ہیں۔ اور وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن ہیں۔“

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں اہلِ مدینہ کے لیے دو دن خوشیوں کے تھے۔ ان میں وہ لہو و لعب میں مشغول ہوتے اور خوشیاں مناتے تھے۔ یہ گویا ان کے خاص تیوہار تھے۔ یہ دونوں ہی دن ایسے موقعے پر آتے جب رات اور دن برابر ہوتے ہیں اور آب و ہوا معتدل ہوتی ہے۔ ان دنوں کو خوشی منانے کے لیے مقرر کر لیا گیا تھا۔ یہ رسم زمانہ دراز سے چلی آ رہی تھی۔ نبی ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے ان کے بارے میں پوچھا تو کہا گیا کہ یہ رسم زمانہ جاہلیت سے چلی آ رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا نے تمھیں ان سے بہتر عید کے دو دن عنایت کیے ہیں، اور وہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر کے دن ہیں۔

تیوہار کا سماجی زندگی کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ پایا جاتا ہے۔ تیوہار کا امتیاز یہ ہے کہ اس کی خوشی زیادہ سے زیادہ لوگوں کی مشترک خوشی ہوتی ہے۔ تیوہار سب لوگ مل کر مناتے ہیں۔ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر اور فطری مذہب ہے اس لیے اس کے دیگر احکام کی طرح اس کے تیوہاروں میں

بھی آفاقیت کی شان پائی جاتی ہے۔ اسلامی تیوہاروں کے پیچھے نہ کوئی شخصیت پرستی کام کرتی ہے نہ کسی خاص ملک یا موسم سے ان کا تعلق ہے اور نہ ہی ان میں اوہام پرستی کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

عید الفطر کا تیوہار رمضان کے خاتمہ پر منایا جاتا ہے۔ رمضان ہماری تربیت کا خاص مہینہ ہوتا ہے، جس میں ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس مہینہ میں عبادت اور تلاوتِ قرآن اور اعتکاف وغیرہ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ روزہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی کے اندر خدا کا خوف اور اس کی بڑائی کا احساس پیدا ہو اور وہ ہر قسم کی برائیوں سے بچ کر خدا پرستی کی زندگی گزار سکے۔ رمضان میں لوگوں کی تربیت کا جو سامان کیا جاتا ہے اور اس سے شخصیت کی جو تعمیر ہوتی ہے اور انسان کے اخلاق و کردار کو اس سے جو طاقت حاصل ہوتی ہے وہ ایسی نعمت ہے کہ اس کے حصول کے بعد جتنا بھی زیادہ اظہارِ مسرت ہو کم ہے۔

یوم الاضحیٰ یا عید قرباں کا تیوہار ایک عظیم قربانی کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ خدا کے خاص پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی خدا کی جناب میں پیش کی تھی۔ بیٹے کے ذبح ہونے کی نوبت نہیں آئی کہ یہ قربانی بارگاہِ حق میں قبول ہوگئی۔ اور خدا نے فرمایا کہ اے ابراہیم، تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ یعنی خواب میں جو تو نے دیکھا تھا کہ اپنے لختِ جگر کو قربان کر رہے ہو، وہ خواب پورا ہو گیا۔ بیٹے کی جان لینی مقصود نہ تھی، مقصود تمھارا امتحان تھا۔ اب بیٹے کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی زندگی خدا کی بندگی اور مرکزِ توحید یعنی کعبۃ اللہ کی خدمت کے لیے وقف ہوگی۔ خدا نے اسے قبول کر لیا۔ مسلمان عید قرباں کے موقعے پر جانور کی قربانی کر کے اس عہد کی تجدید کرتے ہیں کہ ان کی جانیں خدا کے لیے وقف ہیں۔ جب بھی ضرورت ہوئی وہ اپنی جان قربان کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ یہ جانیں تو خدا کی بخشی ہوئی ہیں جو ہمارے پاس محض امانت ہیں۔

اس طرح دونوں ہی اسلامی تیوہاروں کی روح اور اسپرٹ خدا پرستی کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ان تیوہاروں کے منانے کا طریقہ بھی مہذب اور شائستہ ہے۔ مسلمان عید کے روز غسل کرتے، اچھا لباس زیب تن کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے اور صدقہ کرتے ہیں تاکہ مساکین اور فقراء اس خوشی میں بھوکے نہ رہیں۔ عید قرباں میں قربانی کا گوشت خود بھی کھاتے ہیں اور یہ قربانی

کا گوشت اپنے اعزہ واقرباء، دوست واحباب میں بھی تقسیم کرتے ہیں اور فقیروں اور مسکینوں کا بھی اس میں حصہ ہوتا ہے۔

اپنی مسرت اور خوشی کے اظہار کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب مسلمان ان دونوں تیوہاروں کے موقعے پر عیدگاہ پہنچ کر اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ قیام، رکوع اور سجدہ اور ان میں خاص طور سے سجدہ وہ ہیئت ہے، جس سے درحقیقت اس تعلق اور رشتہ کا اظہار ہوتا ہے، جو خدا اور بندے کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہ رشتہ ایسا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی وجد انگیز اور مسرت آگیں شے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس وضع وہیئت اور اسلوب وانداز زندگی کے ذریعے سے اس رشتہ اور تعلق کا اظہار ہو جو خدا اور اس کے بندوں کے درمیان پایا جاتا ہے، وہی اسلامی تہذیب وثقافت کی اصل روح اور اسپرٹ ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: کَانَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا خَرَجَ یَوْمَ الْعِیْدِ فِیْ طَرِیْقٍ رَجَعَ فِیْ غَیْرِهٖ. (ترمذی، دارمی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ جب عید کے روز کسی راستے سے (عیدگاہ جانے کے لیے) نکلتے تو واپس دوسرے راستے سے ہوتے تھے۔‘‘

تشریح: تاکہ بستی کا ہر حصہ خدا کے ذکر کے نور سے معمور ہو جائے۔ اور خدا کی بڑائی کا اظہار زیادہ سے زیادہ مقام پر ہو سکے۔

عیادت

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ کَانَ اِذَا عَادَ مَرِیْضًا یَقُوْلُ: اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُکَ شِفَاءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کرتے تو فرماتے: اَذْهِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآؤُکَ شِفَآءً لَا یُغَادِرُ سَقَمًا (تکلیف کو دور فرما، اے لوگوں کے رب، تو ہی شفا دینے والا ہے۔ شفا تو بس تیری ہی شفا ہے۔ ایسی شفا مرحمت فرما جو بیماری کو نہ چھوڑے)۔

تشریح: بخاری اور نسائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیادت کے موقعے پر آپ ؐ فرماتے تھے: لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَا بَأْسَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ’’کوئی خوف و ہراس کی بات نہیں۔ یہ بیماری ان شاء اللہ (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔ کوئی خوف و ہراس کی بات نہیں۔ یہ بیماری ان شاء اللہ پاک کرنے والی ہے۔‘‘

معلوم ہوا کہ عیادت کے موقعے پر بیمار کو تسلی دینی چاہیے کہ بیماری بھی مومن کے لیے فائدہ بخش ہوتی ہے۔ اس سے اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ بیماری یا تکلیف مومن کے حق میں اس کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ عیادت کے موقعے پر مریض کی شفا کے لیے دعا بھی کرنی چاہیے۔

تعزیت

(۱) عَنْ مَعَاذٍؓ عَنْهُ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ اِبْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِیُّ ﷺ التَّعْزِيَةَ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی مَعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَ اَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَ رَزَقَنَا وَ اِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَ اَمْوَالَنَا وَ اَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَ عَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِیْ غِبْطَةٍ وَ سُرُوْرٍ وَ قَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ، اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰی اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطُ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَ اعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَلَا يَدْفَعُ حَزْنًا وَمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَانَ قَدْ. وَالسَّلَامُ. (الطبرانی فی الکبیر والاوسط)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ان کے ایک بیٹے کا انتقال ہو گیا تو نبی ﷺ نے یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے معاذ بن جبل کو ــ میں اس اللہ کی حمد تم سے بیان کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بعد ازاں میری دعا ہے کہ اللہ تمھیں اس صدمہ پر اجرِ عظیم عطا فرمائے، اور تمھارے دل کو صبر عطا کرے۔ اور ہمیں اور تمھیں (اپنی عنایتوں پر) شکر کی توفیق دے۔ یقیناً ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال سب اللہ کی مبارک عطیات ہیں اور اس کی سونپی ہوئی امانتیں ہیں (تمھارا بیٹا بھی اس کی امانت

تھا) اللہ نے خوش حالی اور خوشی کے ساتھ اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب چاہا اپنی امانت اپنے قبضے میں لے لی، اس پر تمھارے لیے بڑا اجر ہے۔ اس کی خاص نوازش اور رحمت اور ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کے لیے صبر اختیار کیا۔ پس (اے معاذ) صبر کرو، ایسا نہ ہو کہ جزع وفزع تمھارے اجر کو غارت کردے اور پھر تمھیں ندامت ہو، اور جان لو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے دل کا رنج و غم دور ہوتا ہے اور اللہ کی جانب سے جو حکم نازل ہوتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ وہ یقیناً ہو چکا ہے۔'' والسلام

تشریح: یہ جو لکھا کہ اس میں تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔ اس کی خاص نوازش اور ہدایت کی بشارت ہے۔ اس میں اشارہ قرآن کی اس آیت کی طرف کیا گیا ہے: اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَ رَحۡمَةٌ وَّ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَ (البقرۃ:۱۵۷) ''یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی خاص عنایتیں ہیں اور رحمت بھی، اور یہی ہیں جو ہدایت یاب ہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ اگر تم اجر وثواب اور رضائے حق کی نیت سے اس صدمہ پر صبر اختیار کرتے ہو تو تمھارے لیے خاص عنایات اور رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔

حضور ﷺ کے اس تعزیت نامے میں ہر مومن شخص کے لیے تعزیت ونصیحت اور تسلی وتشفی اور بشارت کا سامان موجود ہے، جس کو کوئی صدمہ پہنچا ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم رنج وغم کے موقعے پر نبی کریم ﷺ کی اس نصیحت سے سکون حاصل کریں اور زندگی میں صبر وشکر ہی اپنا شعار ہو۔

موت کی تمنا نہ کریں

﴿۱﴾ عَنۡ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الۡمَوۡتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ فَاِنۡ کَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّیًا فَلۡیَقُلِ اللّٰهُمَّ اَحۡیِنِیۡ مَا کَانَتِ الۡحَیٰوةُ خَیۡرًا لِّیۡ وَ اِنۡ تَوَفَّنِیۡ اِذَا کَانَتِ الۡوَفَاةُ خَیۡرًا لِّیۡ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص کسی آفت کی وجہ سے جو اس پر آئی ہو موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر ایسی ہی خواہش ہو تو اُسے یوں کہنا چاہیے: اے اللہ، مجھے زندہ رکھ جب تک جینا میرے لیے بہتر ہو اور مجھے موت دے

جب مرنا میرے لیے بہتر ہو۔“

تشریح: صحیح مسلم کی روایت میں ہے: لَا يَتَمَنَّيَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهٗ اِنَّهٗ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمُ انْقَطَعَ عَمَلُهٗ وَ اِنَّهٗ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمْرُهٗ اِلَّا خَيْرًا (عن ابی ہریرۃؓ) ”تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت کے آنے سے پہلے موت کے لیے دعا کرے کیوں کہ جو کوئی تم میں سے مرجاتا ہے اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر اس کی بھلائی میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔“ مومن کو اسی مقصد کے پیشِ نظر خدا سے موت کی درخواست نہیں کرنی چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں کر سکے۔ اور دینِ حق کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقع اسے میسر آ سکے۔ ورنہ مومن کو تو اپنے رب سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہوتا ہے۔ اور اللہ بھی ایسے ہی شخص سے ملنا پسند فرماتے ہیں جو اس سے ملنے کا مشتاق ہو۔ چناں چہ حدیث میں ہے: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَائَهٗ وَ مَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَائَهٗ (مسلم عن ابی ہریرۃؓ) ”جو شخص اللہ سے ملنے کی چاہت رکھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند فرماتا ہے اور جس کسی کو اللہ سے ملنا ناپسند ہے اللہ کو بھی اس سے ملنا ناپسند ہوتا ہے۔“

خودکشی

﴿۱﴾ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: كَانَ فِيْمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَجُلٌ بِهٖ جُرْحٌ فَجَزِعَ فَاَخَذَ سِكِّيْنًا فَحَزَّبِهَا يَدَهٗ فَمَا رَقَاءَ الدَّمُ حَتّٰى مَاتَ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: بَادَرَنِيْ عَبْدِيْ بِنَفْسِهٖ حَرَّمْتُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم میں سے پہلے کے لوگوں میں ایک شخص تھا۔ اسے زخم لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے بے قرار ہو کر اس نے ایک چھری لی اور اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ پھر خون بند نہ ہوا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے کہا: میرے بندے نے اپنی جان دینے میں عجلت سے کام لیا، اس لیے میں نے جنت اس پر حرام کر دی۔“

تشریح: اسلام میں خودکشی حرام ہے۔ جان خدا کی دی ہوئی ہے۔ یہ اسی کا حق ہے کہ جب چاہے وہ اس کو واپس لے لے۔ ہمیں اپنے آپ کو ہلاک کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں ہے۔ تکالیف اور

مصائب سے گھبرا کر جو لوگ خودکشی کر لیتے ہیں وہ مصیبتوں سے نجات بھی نہیں پا سکتے۔ ایسے لوگ تو خدا کی نگاہ میں مجرم قرار پاتے ہیں اور وہ سخت عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے: اَلَّذِیْ یَخْنُقُ نَفْسَہٗ یَخْنُقُھَا فِی النَّارِ وَالَّذِیْ یَطْعُنُ نَفْسَہٗ یَطْعُنُھَا فِی النَّارِ (بخاری عن ابی ہریرہؓ) ''جو شخص گلا گھونٹ کر اپنی جان دیتا ہے وہ دوزخ میں گلا گھونٹ کر اپنی جان دیتا رہے گا۔ اور جو خود کو زخم لگا کر مارتا ہے، دوزخ میں وہ خود کو زخم لگا کر مارتا رہے گا۔'' مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص مسلسل عذاب میں گرفتار رہے گا۔ اس کا آخری عمل اس کا انجام بن جائے گا۔

ماتم اور سوگ

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِﷺ: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُیُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے، جو (مصیبت میں) رخساروں کو پیٹے اور گریبان پھاڑے اور ایام جاہلیت کی طرح آواز بلند کرے۔''

تشریح: یہ روایت مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی موت پر یا کسی غم ناک سانحہ پر اس طرح جزع فزع کرنا کہ آدمی اپنے گالوں کو پیٹنے لگے یا گریبان چاک کر ڈالے یا زمانۂ جاہلیت کی طرح چیخ پکار کرے یا ایسی باتیں زبان پر لائے جو عقیدۂ توحید کے منافی ہو، ہرگز جائز نہیں۔

(۲) وَ عَنْ اُمِّ عَطِیَّۃَ قَالَتْ: قَالَ النَّبِیُّﷺ: لَا یَحِلُّ لِامْرَاَۃٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰی زَوْجٍ فَاِنَّھَا لَا تَکْتَحِلُ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت اُم عطیہؓ سے روایت ہے کہ نبیﷺ نے فرمایا: ''کسی عورت کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں ہے کہ سوائے شوہر کے کسی پر تین روز سے زیادہ سوگ منائے، نہ وہ سرمہ لگائے، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنے سوائے اس کپڑے کے جو بُننے سے پہلے رنگا گیا ہو۔''

تشریح: دنیا سے کسی کے جدا ہونے کا غم فطری ہے۔ خاص طور سے عورت کے لیے اس کے

شوہر کی موت سوہانِ روح ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے اسے تین روز تک سوگ کرنے کی اجازت دی ہے۔ تین روز میں اس کی توقع کی جاتی ہے کہ خدا اسے صبر وسکون عطا کردے گا، لیکن اس تین روز میں بھی اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ چیخ پکار اور بین کر کے اپنے غم کو بڑھائے یہاں تک کہ اس کا غم محض غم نہ ہو کر خدا سے شکایت بن جائے۔

شوہر کی موت پر عورت کا غم زدہ نہ ہونا کوئی خوبی نہیں بلکہ عیب ہے۔ اسی لیے اسلام نے سوگ کرنے سے روکا نہیں بلکہ اس کے آداب سکھائے ہیں کہ اسے چاہیے کہ شوق اور سنگار نہ کرے۔ نہ سرمہ لگائے اور نہ رنگے ہوئے کپڑے استعمال کرے۔ کیوں کہ یہ چیزیں خوشی اور اظہارِ شوق اور زینت کے لیے ہوتی ہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: وَلاَ لَمَسَّ طِیبًا اِلاَّ اَدْنٰی طُھْرِھَا اِذَا طَھُرَتْ نُبْذَۃً مِّنْ قُسْطٍ وَ اَظْفَارٍ (بخاری) ’’اور نہ خوشبو ملے مگر اس کے طہر کے موقع پر جب وہ پاک ہو جائے تو تھوڑا سا قسط اظفار استعمال کر سکتی ہے (یعنی دھونی لے سکتی ہے)۔‘‘ یہ خوشبو کی دھونی لینے کی اجازت اس لیے دی گئی کہ اس کا تعلق درحقیقت زینت سے نہیں بلکہ نظافت اور طبیعت کی نفاست اور پاکیزگی سے ہے۔

مُردوں کا حق

〈۱〉 عَنْ عَائِشَۃَ ؓ قَالَتْ: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لاَ تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ، فَاِنَّھُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰی مَا قَدَّمُوْا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’مُردوں کو برا نہ کہو اس لیے کہ وہ اس (کی جزا یا سزا) کو پہنچ چکے، جو انھوں نے کیا تھا۔‘‘

تشریح: یعنی اب وہ اس دنیا سے جا چکے ہیں۔ وہ اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتے۔ اس لیے یہ شیوۂ مردانگی اور شرافت کے خلاف ہے کہ تم ان کے خلاف کوئی بات کہو۔ اگر وہ برے بھی رہے ہوں تو اب وہ ایسی دنیا میں پہنچ چکے ہیں جہاں وہ خود اس کا مشاہدہ بخوبی کرلیں گے کہ وہ کیسے تھے اور ان کے اعمال اچھے تھے یا برے۔ مرنے کے بعد آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے جہاں کسی کی قدرو منزلت باعتبار اعمال وکردار متعین ہوتی ہے۔ کوئی دوسری چیز وہاں کام آنے کی نہیں ہے۔ یہاں سے جانے والا اگر واقعی برا تھا تو وہ اپنے انجامِ بد کو پہنچ چکا۔ اس کے لیے وہی کافی ہے، جس سے وہ دوچار ہوگا۔ اُسے برا کہنے کی کوئی حاجت نہیں۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتٰكُمْ وَ كُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ. (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے مرے ہوئے لوگوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیاں کے ذکر سے بچو۔''

تشریح: کسی کی خوبیوں کا اعتراف وتذکرہ اور وہ بھی اس شخص کی عدم موجودگی میں نہایت مستحسن ہے۔ تمہارا ظرف ایسا ہی کشادہ اور وسیع ہونا چاہیے کہ تمھیں دوسروں کے محاسن کا تذکرہ کرنے میں مسرت ہو۔ تمھاری نگاہیں کسی کے معائب کی جویا ہرگز نہ ہوں۔ اور اگر تمھیں کسی کے معائب کی اطلاع بھی ہو جب بھی تم اپنی زبان کو ان معائب اور برائیوں کے ذکر سے روکے رکھو۔ کسی کے معائب اور برائیوں کی تشہیر کو کوئی پسندیدہ اور محبوب مشغلہ نہیں کہا جاسکتا اور وہ بھی ایسے شخص کے معائب کی تشہیر جواب اپنی مدافعت پر قادر بھی نہ ہو۔

کچھ ثقافتی اور سماجی مسائل

شعروسخن

〈۱〉 عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ حِکْمَةً.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بعض اشعار سراسر حکمت ہوتے ہیں۔''

تشریح: شعر کے معنی جاننے یا زیرکی اور دانائی کے بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اصطلاح میں شاعری درحقیقت نفیس وبیش قیمت تجربات کا مکمل وموزوں، حسین بیان واظہار ہے۔ شاعر اپنے تجربات واحساسات کی ترجمانی کے لیے الفاظ ونقوش اور وزن وآہنگ کا استعمال کرتا ہے۔ شاعر میں اگر صناعی کی کمی نہیں ہے تو لازماً وہ اپنے احساسات کو حسین تر اور موزوں تر الفاظ کی شکل میں ظاہر کرے گا۔ پھر شاعری کا جزءِ اعظم تخیّل ہے۔ شاعری تاثرات کے اظہار میں تخیّل کا خاص طور سے استعمال کرتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ شاعری کی دنیا خواب دیکھنے کی کیفیت سے بہت زیادہ تعلق رکھتی ہے۔ شاعری اصلاً ہماری روح سے سروکار رکھتی ہے۔ شاعر کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ فردِ بشر جن اقدار کا مرکز اور حامل ہے وہ ان کو بے نقاب کر سکے۔ شاعری میں جن چیزوں کا اظہار ہوتا ہے ان کے پہلو بہ پہلو ایسی چیزیں بھی ہوتی ہیں جو ماورائے اظہار ہوتی ہیں۔ اور وہی شاعری کا اصل جوہر ہوا کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ شعر کے شعر ہونے کے لیے اس میں اصلیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

اصلیت کے بغیر صرف حسین و موزوں الفاظ جمع کر دینے سے شاعری ممکن نہیں ہوتی۔ شاعری صرف حسین و موزوں الفاظ کے جمع کر دینے کا ہرگز نام نہیں ہے۔ اچھی شاعری کے لیے ضروری ہے کہ شاعر جن احساسات و تجربات کا اظہار اپنی شاعری میں کر رہا ہے، ان کو اس نے پوری طرح محسوس کیا ہو۔ جن جذبات و احساسات کا اظہار شعر میں کیا جائے وہ شاعر کے اپنے حقیقی جذبات و احساسات بن چکے ہوں۔

کائنات اور زندگی در حقیقت شیونِ الٰہی اور تجلیاتِ ربانی کا انعکاسِ محض ہے۔ یہی ربانی تجلی حقیقی شاعری کی روح ہوتی ہے۔ یہی شاعر کو رازِ حیات کے سمجھنے کے قابل بناتی ہے۔ ربانی تجلی اگر نگاہوں سے اوجھل ہو تو شاعر اظہارِ خیال پر قدرت رکھنے کے باوجود انسان کے کثیف جذبات ہی کی ترجمانی میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کرے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ شاعری کبھی فکر سے خالی نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔ البتہ فکر شاعری میں شعری تجربہ بن کر ہی شامل ہوتا ہے۔ صحیح اور اعلیٰ فکر شاعر کو متبذل اور عامیانہ احساسات سے بچاتا ہے۔

یہاں شعر و شاعری کے بارے میں ہم نے جن بنیادی باتوں کا اظہار کیا ہے ان کی روشنی میں کسی بھی شاعری کے بارے میں بہ آسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ شاعری کس درجہ کی ہے۔ یعنی وہ شاعری حقیقی اور اعلیٰ قسم کی ہے یا اسے پست اور گمراہ کن شاعری کے زمرے میں رکھا جائے گا۔

اس حدیث میں حضور ﷺ نے شعر کے بارے میں اس کے فکر کے پہلو سے اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ آپ کے نزدیک وہ بہترین شعر ہے، جس میں بصیرت، دانائی، شرافت اور پاکیزگی کا پورا خیال رکھا گیا ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ بات آپؐ شعر کے فکری پہلو ہی سے فرما رہے ہیں۔ اور سچی بات یہ ہے کہ فکر و احساس کے پہلو سے اگر کوئی شعر بے جان یا گمراہ کن ہے تو پھر وہ کسی کام کا نہیں ہو سکتا۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَصْدَقُ کَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ کَلِمَةُ لَبِیْدٍ: اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی وہ لبید کا یہ کلام ہے: آگاہ رہو اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے۔“

تشریح: لبیدؓ سے مراد لبید بن ربیعہ العامری ہیں۔ حضرت لبیدؓ عرب کے مشہور شاعر تھے۔ عربی میں ان کے کلام اور شاعری کو سند کا درجہ حاصل ہے۔ ان کا قصیدہ معلقات میں شامل ہے۔ لبیدؓ کو اسلام لانے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ نبی ﷺ پر ایمان لے آئے اور شعر کہنا ترک کر دیا۔ وہ کہا کرتے تھے: یَکْفِیْنِی الْقُرْاٰنَ ''اب قرآن میرے لیے کافی ہے۔'' وہ کوفہ منتقل ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ انھیں عمر طویل حاصل ہوئی۔ ۴۱ھ میں ۱۵۷ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

حضور ﷺ نے حضرت لبیدؓ کے جس شعر کی تعریف وتوصیف فرمائی وہ پورا شعر یوں ہے:

اَلاَ کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلاَ اللّٰہَ بَاطِلٌ وَ کُلُّ نَعِیْمٍ لاَ مُحَالَۃَ زَائِلٌ

مت بھولو اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے اور (دنیا کی) ہر لذت ونعمت کو بالآخر فنا ہونا ہے

دنیا کی ہر شے باطل ہے۔ یعنی کوئی چیز بھی یہاں کی قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اللہ کے سوا کسی بھی چیز کو قرار واستحکام حاصل نہیں ہے۔ دنیا کی چیزوں کو جو کچھ قرار واعتبار حاصل ہے وہ محض خدا کا عطا کردہ ہے۔ دنیا کی چیزوں میں جو بھی کشش وجاذبیت پائی جاتی ہے وہ ان چیزوں کا کوئی ذاتی کرشمہ نہیں ہے وہ محض کرشمۂ خداوندی ہے۔ اصل خدا کی ذات ہے۔ اس لیے اسی کو اپنا مقصودِ حیات سمجھنا چاہیے۔ غیر اللہ کے پیچھے پڑ کر اپنی عاقبت خراب کرنی نہایت نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

(۳) وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِیْدِ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: رَدِفْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَوْمًا فَقَالَ: هَلْ مَعَکَ مِنْ شِعْرِ اُمَیَّةَ ابْنِ اَبِی الصَّلْتِ شَیْءٌ؟ نَعَمْ قَالَ: هِیْهِ فَاَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا. فَقَالَ هِیْهِ ثُمَّ اَنْشَدْتُهٗ بَیْتًا فَقَالَ: هِیْهِ حَتّٰی اَنْشَدْتُهٗ مِاَئَةَ بَیْتٍ.

(مسلم)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا کہ آپؐ نے فرمایا: ''کیا تمھیں امیہ ابن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟'' میں نے کہا کہ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اچھا سناؤ۔'' میں نے آپؐ کو ایک شعر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اور سناؤ۔'' میں نے آپؐ کو پھر ایک شعر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا: ''اور سناؤ۔'' (اسی طرح آپؐ مزید سنانے کی فرمائش کرتے رہے) یہاں تک کہ میں نے آپؐ کو سو اشعار سنائے۔

تشریح: امیہ ابن ابی الصلت عرب کا ایک باکمال شاعر گزرا ہے۔ اس کا تعلق قبیلۂ ثقیف سے تھا۔ کہتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں اس نے اہل کتاب سے بہت سی دینی باتیں سیکھی تھیں۔ روزِ قیامت اور حشر و نشر پر بھی اس کا اعتقاد تھا۔ اس کے اشعار میں اکثر علم و حکمت اور نصائح کی باتیں ہوتی تھیں۔ اس کی شاعری اکثر خدا پرستانہ تھی اسی لیے حضور ﷺ کو اس کے کلام سے دلچسپی تھی۔ اس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے کہ وہ اپنی شاعری میں اسلام سے بہت قریب ہوگیا تھا۔ (لَقَدْ کَادَ یُسْلِمُ فِیْ شِعْرِہٖ) اسی شاعر کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: امن من شعرہ و کفر قلبہ (اس کا شعر مومن مگر اس کا دل کافر ہے)۔

ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ اسے نبی آخر الزماں کی بعثت کا انتظار تھا مگر جب آں حضرت ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو اُس نے بغض و عناد کی راہ اختیار کی اور ایمان لانے سے محروم ہی رہا۔

یہ حدیث اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام اپنے پیروؤں کو تنگ نظر ہرگز نہیں بناتا۔ اچھے اشعار، جو علم و حکمت کے حامل اور پند و نصائح پر مشتمل ہوں ان کے سننے اور پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے اگرچہ وہ اشعار کافر و فاسق شخص ہی کے کہے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

(۴) وَ عَنِ الْبَرَآءِ قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَنْقُلُ التُّرَابَ یَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰی اَغْبَرَّ بَطْنُہٗ یَقُوْلُ:

وَ اللّٰہِ لَوْلاَ اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا ۔۔۔ وَلاَ تَصَدَّقْنَا وَلاَ صَلَّیْنَا
فَاَنْزِلْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ۔۔۔ وَ ثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لاَ قَیْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰی قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا ۔۔۔ اِذَا اَرَادُوْ فِتْنَۃً اَبَیْنَا

یَرْفَعُ بِھَا صَوْتَہٗ "اَبَیْنَا اَبَیْنَا." (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت براءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خندق (کھودے جانے) کے روز خود بہ نفس نفیس مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے یہاں تک کہ آپ کا شکم مبارک غبار آلود ہوگیا اور یہ کلام پڑھتے جاتے تھے:

"بہ خدا اگر اللہ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ نماز ادا کرتے۔ پس (اے اللہ!) ہم پر سکینت نازل فرما۔ اور

جب دشمن سے ہماری مڈبھیڑ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ انھوں نے ہم پر
زیادتی اس لیے کی ہے کہ جب وہ ہمیں فتنہ میں مبتلا کرنے (یعنی کفر کی طرف
واپس لے جانے) کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کر دیتے ہیں۔''

ان اشعار کو آپؐ بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ اَبَیْنَا اَبَیْنَا (ہم انکار کر دیتے ہیں، ہم انکار کر دیتے ہیں) کے الفاظ خاص طور سے بلند آواز سے ادا فرماتے تھے۔

تشریح: یہ رجز یہ کلام حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کا ہے۔ آواز بلند کرنے اور کسی لفظ کی تکرار سے شعر کا مفہوم و مطلب زیادہ موکد ہو جاتا ہے اور کبھی ایسا شعر سے تلذذ یا حظ حاصل کرنے کے لیے بھی کرتے ہیں۔

مسلم و بخاری کی روایت ہے کہ مہاجرین و انصار جب خندق کھودنے اور مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکنے لگے تو ان کی زبان پر یہ رجز یہ کلام تھا:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا

''ہم وہ لوگ ہیں کہ اپنی زندگی کے آخر تک جہاد کرتے رہنے کے لیے محمدؐ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔''

حضور ﷺ ان کے رجز کے جواب میں یہ (دعا) فرماتے جاتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

''اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ فَاكْرِمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

''اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین پر کرم فرما۔''

مسلم کی ایک روایت ہے کہ آپؐ فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةَ فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

''اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔''

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْاٰخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ بھلائی تو آخرت کی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔"

مسجدِ نبوی کی تعمیر کے موقعے پر صحابہؓ کے ساتھ آپؐ بھی اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور فرماتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْاٰخِرَةْ فَارْحَمِ الْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

"اے اللہ اجر تو درحقیقت آخرت کا اجر ہے۔ تو انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔"

جنگ کے موقعے پر یہ رجزیہ شعر بھی آپ کی زبان پر آیا ہے:

اَنَا النَّبِيُّ لاَ كَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ (مسلم)

"میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

عبدالمطلب کو شہرت حاصل تھی اور عرب آپؐ کو ان کا بیٹا کہتے تھے:

امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا بھی ایک شعر نقل کیا ہے۔ یہ شعر انھوں نے اس وقت کہے تھے جب وہ ایمان لانے کے لیے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ شعر یہ ہے:

يَا لَيْلَةً مِّنْ طُوْلِهَا وَ عَنَائِهَا عَلٰى اَنَّهَا مِنْ دَارِ الْكُفْرِ نَجَّتِ

"درازیِ شب اور اس کی سختیوں سے شکایت ہے۔ مگر یہ کہ اس نے دار الکفر سے نجات دلائی۔"

〈۵〉 وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: ذُكِرَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَلشِّعْرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: هُوَ كَلَامٌ فَحَسَنُهٗ حَسَنٌ وَ قَبِيْحُهٗ قَبِيْحٌ. (دار قطنی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ کے سامنے شعر کا ذکر کیا گیا تو رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "شعر بھی ایک کلام ہے۔ چناں چہ اس میں جو اچھا ہے وہ اچھا ہے اور جو برا ہے وہ برا ہے۔"

تشریح: یعنی کسی شعر کو محض اس کے شعر ہونے کی وجہ سے برا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کسی شعر یا کلام کی اچھائی یا برائی کا اصل انحصار اس مضمون اور فکر پر ہوتا ہے، جس کی ترجمانی اس شعر میں کی گئی ہو۔ ممکن ہے کوئی شعر اپنے الفاظ اور دوسرے شعری محاسن کے لحاظ سے اچھا ہو لیکن اگر اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے وہ حق و صداقت کے خلاف ہے تو پھر دوسری تمام خوبیوں کے باوجود اس شعر کا شمار اچھے اشعار میں نہیں کیا جاسکتا، جس طرح روحِ انسانی کو مادّی جسم پر فوقیت حاصل ہے۔ اسی طرح کسی کلام میں اصل اہمیت مفہوم و معنی کی ہے۔ حروف و الفاظ کا درجہ اس کے بعد کا ہے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَاَنْ یَّمْتَلِیءَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِیَ شِعْرًا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ’’پیپ سے کسی شخص کے خول کا بھرنا جو اس کے پیٹ کو خراب کردے اس سے بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔‘‘

تشریح: عرب کی شاعری میں عشق بازی، شہوانیت اور شراب نوشی کے مضامین پائے جاتے تھے۔ یا پھر وہ شاعری سے قبائلی منافرت اور جنگ و جدل یا نسلی غرور کے جذبات کو بھڑکانے کا کام لیتے تھے۔ مشرکانہ توہمات، جھوٹ، مبالغہ، بہتان، ہجو، طعن و تشنیع، ڈینگیں اور اسی طرح کی خرافات کو وہ شاعری کا اصل جوہر سمجھتے تھے۔ اسی قسم کی شاعری کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھرے یہ اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ اشعار سے بھرے۔ اچھے شعر کی تو آپؐ نے داد دی ہے۔

﴿۷﴾ وَعَنْ جُنْدُبٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ كَانَ فِیْ بَعْضِ الْمُشَاهِدِ وَ قَدْ دَمِیَتْ اِصْبَعُهٗ فَقَالَ:

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ
وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَا لَقِیْتِ

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت جندبؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک جنگ (غزوۂ احد) میں شریک تھے۔ آپ ﷺ کی انگلی (زخمی ہوکر) خون آلود ہوگئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ـــ ’’تو بس ایک انگلی ہے، خون آلود ہوگئی ہے ـــ اور تجھے جو کچھ پیش آیا، خدا کی راہ میں پیش آیا۔‘‘

تشریح: یہ گویا آپؐ نے اپنے پیروؤں کو تلقین کی ہے کہ کسی کو اگر خدا کے راستے میں کوئی ضرر اور تکلیف پہنچے تو اسے جاننا چاہیے کہ وہ گھاٹے اور نقصان میں نہیں ہے۔ یہ بڑے ہی شرف کی بات ہے کہ خدا کی راہ میں کوئی ستایا جائے اور خدا کی راہ میں کسی کو نقصان پہنچے۔ ایسا شخص خدا کے یہاں محروموں میں شامل نہیں ہوگا۔

﴿۸﴾ وَ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَوْمَ قُرَیْظَةَ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ اِهْجُ الْمُشْرِكِیْنَ فَاِنَّ جِبْرِیْلَ مَعَكَ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ لِحَسَّانَ اَجِبْ عَنِّیْ اَللّٰهُمَّ اَیِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابتؓ سے فرمایا: ''تم مشرکین کی ہجو کرو، جبریل علیہ السلام تمھارے ساتھ ہیں۔'' اور رسولِ خدا ﷺ (جب کفار سے اپنی ہجو سنتے تو) حسانؓ سے فرماتے کہ ''تم میری طرف سے انھیں جواب دو۔ (پھر یہ فرماتے) اے اللہ، روح القدس کے ذریعے سے حسان کی مدد فرما اور انھیں قوت دے۔''

تشریح: بنو قریظہ یہود کا ایک قبیلہ تھا۔ اس نے رسولِ خدا ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے خلاف سازش کی اور دشمنانِ اسلام کی مدد کی۔ غزوۂ خندق کے بعد نبی ﷺ نے اس قبیلہ کا محاصرہ کیا اور وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا۔ اس موقع کو یومِ قریظہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت بن منذرؓ معروف انصاری صحابی ہیں۔ اچھے شاعر تھے۔ انھیں شاعرِ رسولؐ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۲۰ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ ۶۰ سال کی عمر تک کفر میں رہے اور ۶۰ ساٹھ سال حالتِ اسلام میں بسر کیے۔ حضرت حسانؓ اپنے اشعار کے ذریعے سے اہلِ کفر کا مقابلہ کرتے اور ان کی ہجو گوئی کا جواب دیتے تھے۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ حضرت حسانؓ کو روح القدس یا جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے مدد حاصل ہو۔ یعنی مضامین شعر کے القاء و الہام کے سلسلے میں وہ ان کی مدد کریں۔

بیان و خطابت

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَدِمَ رَجُلاَنِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک (روز) مشرق سے دو شخص آئے اور انھوں نے ایسی گفتگو کی کہ لوگ ان کی تقریر اور بیان سن کر ششدر و حیران رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس میں شبہ نہیں بعض بیان سحر ہوتے ہیں۔''

تشریح: یعنی بعض گفتگوئیں اور تقاریر اپنے اندر جادو کا سا اثر رکھتی ہیں۔ ان کے اثر سے انسان کی حالت و کیفیت میں عظیم تغیر واقع ہو جاتا ہے۔ آدمی کے سوچنے کا انداز اور اس کا نقطۂ نظر تک بدل جاتا ہے۔ اگر یہ گفتگو اور تقریر حق کے لیے ہے تو اسے محمود و مستحسن ہی کہا جائے گا، لیکن اگر اس کا تعلق باطل اور فاسد امور سے ہے تو اس کے نامحمود اور مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

〈۲〉 وَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ هَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَهَا ثَلاَثًا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''ہلاک ہوئے کلام میں مبالغہ کرنے والے۔'' یہ بات آپؐ نے تین مرتبہ فرمائی۔

تشریح: معلوم ہوا کہ گفتگو اور تقریر میں (اور اسی طرح تحریر میں بھی) بے جا مبالغہ آرائی اور تصنع و تکلف کا اہتمام نہایت ناپسندیدہ اور معیوب ہے۔ ایسا بالعموم لوگ محض خودنمائی اور کمالِ فن کے اظہار کے لیے کرتے ہیں۔ یا پھر ان کے پیشِ نظر کسی کی خوشامد اور اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرنا ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کی ذہنی پستی اور گراوٹ سے کون انکار کرسکتا ہے۔ اپنے وقار اور جذبات کی پاکیزگی کو کھودینے کے بعد آدمی کے پاس بچتا ہی کیا ہے کہ اس کی ہلاکت اور تباہی میں شبہ کیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کی ہے کہ موثر کلام ہمیشہ سلیس، سادہ اور تصنع و تکلف سے پاک ہوتا ہے۔ اور ستھرا ذوق رکھنے والے کبھی بھی تکلّفات اور مبالغہ آرائیوں کو پسند نہیں کرسکتے۔

〈۳〉 وَ عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِﷺ قَالَ: اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَ اَقْرَبَکُمْ مِّنِّیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلاَقاً وَ اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَ اَبْعَدَکُمْ مِّنِّیْ مَسَاوِیُکُمْ اَخْلاَقاً الثَّرْثَارُوْنَ الْمُتَشَدِّقُوْنَ الْمُتَفَیْہِقُوْنَ. (البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خداﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز مجھے سب سے زیادہ عزیز و محبوب اور مجھ سے قریب تر لوگ وہ ہوں گے، جو اخلاق میں تم میں سب سے اچھے ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر مجھے مبغوض اور سب سے زیادہ مجھ سے دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بداخلاق ہوں گے۔ جو زیادہ باتیں کرتے ہیں۔ کلام کو بغیر احتیاط و احتراز کے طول دیتے اور تکبر کرتے ہیں۔''

تشریح: اس سے پتہ چلتا ہے کہ بے فائدہ گفتگو اور مبالغہ آمیزی و بیان آرائی حد درجہ معیوب و مکروہ چیز ہے۔ خاص طور سے اگر اس کا مقصد اظہارِ کبر اور مخاطب پر اپنا رعب جمانا ہو۔ جن کے اخلاق اچھے ہوتے ہیں ان کی تقریر اور گفتگو لازماً اس عیب سے پاک ہوگی۔ آخرت میں

حضور ﷺ کی قربت ان ہی لوگوں کو حاصل ہوگی اور وہی لوگ حضورؐ کو محبوب اور عزیز ہوں گے، جو اخلاق کے لحاظ سے سب سے بہتر ہوں گے۔ بد اخلاق شخص کے حصے میں محرومی کے سوا اور کچھ نہیں آسکتا۔ وہ خدا کے رسول ﷺ کی نگاہ میں مبغوض ہوگا۔ آپ ﷺ سے سب سے دور بھی وہی ہوگا۔ زندگی میں ہماری خوش اخلاقی یا بد اخلاقی کا اظہار ہماری گفتگوؤں کے ذریعے سے برابر ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے زبان کے استعمال میں ہمیشہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

(۴) وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّهٗ قَالَ یَوْمًا وَ قَامَ رَجُلٌ فَاَکْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَدَ فِیْ قَوْلِهٖ لَکَانَ خَیْرًا لَّـهٗ، سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: لَقَدْ رَأَیْتُ لَوْ اُمِرْتُ اَنْ اَتَجَوَّزَ فِی الْقَوْلِ فَاِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَیْرٌ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک روز انھوں نے اس وقت فرمایا جب کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر بڑی لمبی تقریر کی۔ چناں چہ حضرت عمروؓ نے کہا کہ اگر وہ اپنی تقریر میں توسط سے کام لیتا تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”میں نے سمجھ لیا ہے۔“ یا یہ فرمایا کہ ”مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تقریر اور گفتگو میں اختصار سے کام لوں۔ اس لیے کہ تقریر میں اختصار بہتر ہوتا ہے۔“

تشریح: یعنی حضرت عمروؓ نے اس شخص سے کہا کہ لمبی تقریر کے مقابلے میں اگر تم مختصر تقریر کرتے تو یہ تمھارے اور تمھارے سننے والوں کے لیے بھی بہتر ہوتا۔ میں نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”میں نے (اس راز کو) جان لیا ہے ـــ یا آپؐ نے یہ فرمایا کہ ـــ مجھے اسی کا حکم ہوا ہے کہ میری تقریر مختصر ہونی چاہیے کیوں کہ تقریر اور خطاب میں اختصار ہی بہتر ہوتا ہے۔“ طول تقریر کے مقابلے میں مختصر تقریر زیادہ کامیاب ہوتی ہے۔ بات جتنی زیادہ مختصر پیرائے میں بیان کی جائے گی اسے یاد رکھنا اور اس پر توجہ دینا بھی آسان ہوگا۔ اور اس طرح مقرر یا خطیب فضول اور غیر ضروری باتوں کے بیان کرنے سے بھی بچ جاتا ہے۔ مختصر تقریر زیادہ موثر بھی ہوتی ہے۔ لمبی تقریروں سے لوگ اکتا جاتے ہیں یا اونگھنے لگ جاتے ہیں۔

موثر ادبی اسلوب

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ یَقُوْلُ: مَا اَظَلَّتِ

الْخَضْرَآءُ وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ اَصْدَقُ مِنْ اَبِیْ ذَرٍّ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''نیلگوں آسمان نے کبھی کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور نہ غبار آلود زمین نے کبھی کسی ایسے شخص کو اٹھایا، جو ابوذر سے بڑھ کر سچا ہو۔''

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اس آسمان کے نیچے اور اس زمین پر ابوذرؓ سے بڑھ کر صادق اور سچا انسان اور کوئی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے الفاظ نہایت ادیبانہ استعمال فرمائے، جس کو ہر صاحبِ ذوق محسوس کرسکتا ہے۔ آپؐ نے یہ جو فرمایا کہ ابوذرؓ سے بڑھ کر صادق اور سچا کوئی نہیں تو اس سے مقصود تاکید اور مبالغہ ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ابوذر کے مقابل کا دوسرا کوئی صادق اور سچا سرے سے تھا ہی نہیں۔ اور سچائی اور کھرے پن میں وہی سب سے بڑھ کر تھے۔ بلکہ آپؐ کا منشاء یہ تھا کہ ابوذرؓ سچائی اور کھرے پن میں ایک نمایاں شان رکھتے ہیں۔ اور ان مخصوص لوگوں میں سے ہیں جو اپنی سچائی میں بے مثل ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ زہد و قناعت اور استغناء میں ممتاز تھے اور یہ خوبی انھیں صادق الیقین ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔

(۲) وَ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ: اِسْتَاْذَنَ عَمَّارٌ عَلَى النَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ: اِئْذَنُوْا لَهٗ مَرْحَبًا بِالطَّیِّبِ الْمُطَیَّبِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ عمارؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے فرمایا: ''اسے اجازت دے دو، پاک و پاکیزہ شخص کو خوش آمدید۔''

تشریح: حضور ﷺ نے یہاں حضرت عمارؓ کے جوہرِ ذات کی پاکیزگی کے لیے نہایت بلیغ و موثر الفاظ طَیِّبٌ وَ مُطَیَّبٌ استعمال فرمائے ہیں۔ جیسے کسی سایہ کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنے کے لیے ظِلٌّ ظَلِیْلٌ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

(۳) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَحْسَنَ النَّاسِ وَ كَانَ اَجْوَدَ النَّاسِ وَ كَانَ اَشْجَعَ النَّاسِ وَ لَقَدْ فَزِعَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَانْطَلَقَ نَاسٌ قِبَلَ الصَّوْتِ فَتَلَقَّاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رَاجِعًا وَ قَدْ سَبَقَهُمْ اِلَى الصَّوْتِ وَهُوَ عَلَى الْفَرَسِ لِاَبِیْ طَلْحَةَ عُرْیٍ فِیْ عُنُقِهِ السَّیْفُ وَهُوَ یَقُوْلُ لَمْ تُرَاعُوْا لَمْ تُرَاعُوْا قَالَ وَجَدْنَاهُ بَحْرًا اَوْ اِنَّهٗ لَبَحْرًا قَالَ وَ كَانَ فَرَسًا یُّبَطَّأُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب لوگوں سے زیادہ حسین اور سب لوگوں سے زیادہ فیاض اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ والوں کو (دشمن کے آنے کا) خوف ہوا۔ آواز کی طرف لوگ چل پڑے۔ راستے میں رسول اللہ ﷺ واپس آتے ہوئے ملے۔ (خبر لینے کو) سب سے پہلے آپ ﷺ آواز کی طرف تشریف لے گئے۔ آپؐ ابوطلحہؓ کے گھوڑے پر سوار تھے جو ننگی پیٹھ تھا، آپ ﷺ کے گلے میں تلوار حمائل تھی اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''خوف کی کوئی بات نہیں، خوف کی کوئی بات نہیں۔'' آپؐ نے فرمایا: ''ہم نے اسے دریا پایا۔'' یا فرمایا: '' بے شک یہ دریا ہے۔'' راوی کا بیان ہے کہ وہ گھوڑا اصلاً سست رفتار تھا۔ (آپؐ کی برکت سے تیز رفتار ہو گیا)

تشریح: اس حدیث میں کئی باتیں بیان ہوئی ہیں۔ نبی ﷺ کی بہادری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک رات اہل مدینہ پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ رات میں کوئی ایسی آواز سنائی دی، جس سے لوگوں کو دشمن کے آ جانے کا اندیشہ ہوا۔ لوگ جب باہر تحقیق کے لیے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ سب سے پہلے موقع کا معائنہ کر کے اور جائزہ لے کر واپس آ رہے ہیں۔ آپؐ نے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ آپؐ حضرت ابوطلحہؓ کے بے زین کے گھوڑے پر سوار تھے اور گلے میں تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے گھوڑے کے لیے بحر (دریا) کا اچھوتا استعارہ استعمال فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم نے اس گھوڑے کو دریا کی طرح رواں دواں پایا۔ یا آپؐ کے الفاظ یہ تھے کہ بے شک یہ گھوڑا (اپنی روانی میں) دریا ہے۔

(۴) وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ: كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ حَادٍ يُقَالُ لَهٗ اَنْجَشَةُ وَ كَانَ حَسَنُ الصَّوْتِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: رُوَيْدَكَ يَا اَنْجَشَةَ لاَ تَكْسِرِ الْقَوَارِيْرَ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک غلام حدی پڑھ کر اونٹ کو ہانک رہا تھا۔ اس کا نام انجشہ تھا اور اس کی آواز اچھی تھی۔ نبی ﷺ نے اس سے فرمایا: ''اے انجشہ، آہستہ آہستہ چل، ان شیشوں کو نہ توڑ۔''

تشریح: حُدیٰ شتربانوں کے نغمے کو کہتے ہیں۔ اس نغمہ سے مست ہو کر اونٹ اپنی رفتار تیز

کر دیتے ہیں۔ اچھی آواز اور نغمات وترنم سے جانور بھی متاثر ہوتے ہیں۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اے انجشہ تیری خوش آوازی اور حدی خوانی سے اونٹ چلنے میں بہت تیزی دکھا رہے ہیں۔ تو ان کو آہستہ آہستہ لے چل۔ تجھے صنفِ نازک کا خیال رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ اونٹ سے گر نہ پڑیں اور انھیں گزند پہنچے۔ آپؐ نے عورتوں کے لیے شیشے کا استعارہ استعمال کیا، جو نہایت بامعنی ہے۔ شیشے نازک بھی ہوتے ہیں اور ان میں لطافت اور نفاست بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت عورتوں کی بھی ہوتی ہے۔

چند تمثیلات وتشبیہات

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ اَفْئِدَةِ الطَّیْرِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایسی کتنی ہی اقوام داخل ہوں گی کہ ان کے لوگوں کے دل پرندوں کے دل کے مانند ہوں گے۔“

تشریح: یہ عجیب وغریب تشبیہ ہے۔ آپ ﷺ کا فطرت کا مشاہدہ ومطالعہ کس درجہ قریب کا تھا۔ پرندوں کی خصوصیات کئی ہوتی ہیں۔ پرندوں کے دل نہایت ہی سادہ اور حددرجہ نازک ہوتے ہیں۔ ان کے دل حسد کی بیماری سے پاک ہوتے ہیں۔ خوف وتوکل ان کی خاص صفت ہے۔ وہ دنیا بھر کا خزانہ جمع کرنے کی فکر میں نہیں رہتے۔ جان داروں میں سب سے زیادہ ڈرنے والا پرندہ ہی ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت چوکنا رہتا ہے۔ ذرا سی آہٹ ہوئی کہ وہ اڑ جاتا ہے۔ آپ اسے غافل نہیں دیکھیں گے۔ اہلِ جنت کی صفات بھی ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ان کے دلوں میں رقت اور نرمی ہوتی ہے۔ وہ نہایت مہربان اور رحم کرنے والے ہوتے ہیں۔ صفائی وسادگی ان کی فطرت ہوتی ہے۔ بغض وحسد سے پاک ہونے میں ان کے دل پرندوں کے دل کی طرح ہوتے ہیں۔ وہ غافل نہیں ہوتے۔ ان کے دل پر ہمیشہ خوفِ خدا اور آخرت کا ڈر طاری رہتا ہے۔ توکل ان کا شعار ہوتا ہے۔ بھروسہ ان کا اپنے خدا پر ہوتا ہے۔ زبان پر وہ کلمۂ شکایت نہیں لاتے۔

(۲) وَ عَنِ الْقَاسِمِ الشَّیْبَانِیِّ اَنَّ زَیْدَ بْنَ اَرْقَمَؓ رَاٰی قَوْمًا یُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰی فَقَالَ: اَمَا لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوةَ فِیْ غَیْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اِنَّ رَسُوْلَ

اللّٰہِ ﷺ قَالَ: صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ حِیْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت قاسم شیبانی سے روایت ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ نے لوگوں کو نمازِ چاشت پڑھتے ہوئے دیکھا (ابھی دن خوب نہیں چڑھا تھا) تو انھوں نے کہا کہ لوگ خوب جان چکے ہیں کہ نماز اس کے سوا اور گھڑی میں افضل ہے اس لیے کہ رسولِ خدا ﷺ کا ارشاد ہے: ''صلوٰۃ الاوّابین جب ہے کہ اونٹ کے بچوں کے پیر گرم ہو جائیں۔''

تشریح: اس حدیث میں بھی نہایت نادر تمثیل بیان ہوئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ صلوٰۃ الاوّابین کا وقت وہ ہوتا ہے، جب اونٹ کے بچوں کے پیر گرم ہو جائیں۔ یعنی جب دھوپ سے ریت گرم ہو جائے اور اونٹ کے بچوں کے پیر جلنے لگیں۔ اونٹ کے بچوں کے پیر دھوپ میں تیزی آتے ہی گرم ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے پیر نازک و نرم ہوتے ہیں۔ یہی اوابین یعنی خدا کی طرف رجوع کرنے والوں (کی چاشت) کی نماز کا بہترین وقت ہوتا ہے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: اَلْاَنْصَارُ شِعَارٌ وَالنَّاسُ دِثَارٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انصار شعار ہیں اور باقی لوگ دثار ہیں۔''

تشریح: شعار سے مراد وہ کپڑا جو جسم سے متصل ہوتا ہے۔ دثار اوپر کے کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم سے لگا ہوا نہیں ہوتا۔ یہ شعار و دثار کی تشبیہ کے ذریعے سے نبیؐ نے انصار مدینہ سے اپنے جس گہرے تعلق کا اظہار فرمایا ہے اسے ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ وَکِیْعِ بْنِ عَدَسٍ عَنْ عَمِّہٖ اَبِیْ رَزِیْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلرُّءْیَا عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَالَمْ تُعْبَرْ فَاِذَا عُبِرَتْ وَقَعَتْ. قَالَ وَ اَحْسِبُہٗ قَالَ: وَلاَ تَقُصَّھَا اِلاَّ عَلٰی وَادٍّ اَوْ ذِیْ رَاْیٍ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت وکیع بن عدس کے چچا ابورزین سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خواب پرندوں کے پاؤں پر ہوتا ہے، جب تک کہ اس کی تعبیر نہ دی جائے۔ جب تعبیر دے دی گئی تو وہی ہوگا۔'' راوی کہتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کو (یعنی خواب کو) دوست یا عقل مند شخص کے سوا کسی دوسرے سے بیان نہ کرو۔''

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے خواب کی جو مثال دی ہے وہ بے مثل ہے۔ فرمایا: خواب طائر (پرند) کے پاؤں پر ہوتا ہے۔ یعنی جس طرح پرندوں کے پیر میں اکثر جماؤ اور استحکام نہیں ہوتا۔ وہ چوکنے رہتے اور برابر اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ یہی حال اکثر خوابوں کا بھی ہوتا ہے۔ وہ تعبیر کے منتظر ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اس کا بڑا اندیشہ اور احتمال ہے کہ اس کی اگر کوئی بری تعبیر دے دی گئی تو وہی واقع نہ ہو جائے۔

یہ جو فرمایا کہ خواب ہر ایک سے نہیں بیان کرنا چاہیے۔ بیان کرو تو دوست یا اس شخص سے جو سمجھ دار اور عقل والا ہو۔ اس لیے کہ کوئی دوست اپنے دوست کے حق میں بری بات نہیں کہے گا۔ اور آدمی اگر عقل مند ہے تو لازماً وہ دوسرے کی بھلائی کا خیال رکھے گا اور وہ اسے نقصان پہنچانے سے بچے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدمی جو کچھ کہہ دیتا ہے اور فیصلہ سنا دیتا ہے وہ بے اثر نہیں ہوتا اس کا احتمال رہتا ہے کہ اس کا اثر ظاہر ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی قوی شے جس کی ہمیں خبر بھی نہ ہو اس کے اثرات کو زائل کر دے۔

خواب کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ہر خواب کی تعبیر متعین نہیں ہوتی۔ لیکن اکثر خواب پرندوں کے پیر ہی کی طرح ہوتے ہیں، جن کی تعبیر غیر متعین ہی ہوتی ہے۔

(۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ وَالَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ الْقِطْعَةِ مِنَ الذَّهَبِ نَفَخَ عَلَيْهَا صَاحِبُهَا فَلَمْ تَغَيَّرْ وَ لَمْ تَنْقُصْ وَ الَّذِىْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا وَّ وَضَعَتْ طَيِّبًا وَّ وَقَعَتْ فَلَمْ تَكْسِرْ وَلَمْ تُفْسِدْ (احمد)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے کہ مومن کی مثال سونے کی اس ڈلی کی سی ہے، جس کو اس کے مالک نے تپایا، پھر بھی نہ تو اس کے رنگ میں فرق آیا اور نہ اس کے وزن میں کوئی کمی آئی۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے مومن کی مثال بالکل اس شہد کی مکھی کی سی ہے، جس نے پھول کا عمدہ رس چوسا اور شہد بھی اچھا بنایا۔ اور جس شاخ پر بیٹھی اسے نہ تو (اپنے وزن سے) توڑا اور نہ خراب کیا۔“

تشریح: اس حدیث میں مومن کے لیے دو مثالیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن ہر حال میں کھرا ثابت ہوتا ہے۔ کسی کھوٹ کا اس کے یہاں گزر نہیں ہوسکتا۔ جس طرح بھٹی میں تپانے سے سونے کی خوبیوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ نہ اس کی چمک جاتی ہے اور نہ اس کا وزن گھٹتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح عام حالات ہوں یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہو مومن کے کردار اور اس کی سیرت کی بلندی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

مومن کے لیے جو دوسری مثال حضور ﷺ نے پیش فرمائی وہ نہایت بامعنی ہے۔ جس طرح شہد کی مکھی کی غذا بھی عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہے کہ وہ پھولوں کے رس کو اپنی غذا بناتی ہے پھر اس کے بعد جو چیز وہ پیش کرتی ہے وہ بھی عمدہ اور پاکیزہ ہوتی ہے۔ یعنی شہد جس کی عمدگی اور پاکیزگی سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے۔ ٹھیک یہی حالت مومن شخص کی ہوتی ہے وہ پاک اور طیب رزق کو چھوڑ کر حرام اور ناپاک چیزوں کے قریب بھی نہیں جاتا۔ پھر اس کی گفتگو شہد سے کہیں زیادہ شیریں اور نفع بخش ہوتی ہے۔ اور اس کے کردار و عمل سے ساری انسانیت کو نفع پہنچتا ہے۔ اس سے کسی ضرر کا اندیشہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا وجود فساد اور بگاڑ کے بجائے بناؤ اور امن و سلامتی کا پیغام ہوتا ہے۔

اقتباس و حوالہ

(۱) وَ عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا سَلَمَةُ اَيْنَ حَجَفَتُكَ اَوْ دَرَقَتُكَ الَّتِيْ اَعْطَيْتُكَ؟ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَقِيَنِيْ عَمِّيْ عَامِرٌ عُزُلاً فَاَعْطَيْتُهُ اِيَّاهَا. قَالَ: فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ قَالَ: اِنَّكَ كَالَّذِيْ قَالَ الْاَوَّلُ اَللّٰهُمَّ ابْغِنِيْ حَبِيْبًا هُوَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوعؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اے سلمہ، تیری وہ بڑی ڈھال یا چھوٹی ڈھال کہاں ہے جو میں نے تجھے دی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میرے چچا عامر مجھے ملے تھے وہ نہتے تھے، میں نے وہ سپر انھیں دے دی، راوی کا بیان ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ”تیری مثال اس اگلے شخص کی سی ہے، جس نے کہا تھا کہ اے اللہ! مجھے ایسا دوست عطا کر جس کو میں اپنی جان سے بڑھ کر چاہوں۔“

تشریح: معلوم ہوا کہ کسی موقعے پر کسی کے قول کو نقل کرنا بھی سنت ہے۔ اچھے اقوال سے بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان سے خیال اور نظریہ کو تقویت پہنچتی ہے۔ آپؐ نے اگلے زمانے کے کسی شخص کی دعا نقل فرمائی کہ ”خدایا، تو مجھے ایک ایسا حبیب (دوست) عطا کر دے جو مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہو۔“ دوست بھی آدمی کی ایک ضرورت ہے، جس کا کوئی دوست نہ ہو، وہ بڑا محروم شخص ہے۔ آدمی چاہتا ہے کہ کوئی تو ہو جس کو وہ اپنا کہہ سکے، جس سے وہ محبت کرے، جس کو کچھ دینے میں اُسے کوئی تامل نہ ہو، بلکہ خوشی ہو، جس سے اپنے دل کی بات بے تکلف بیان کر سکے، جو اس کا غم گسار اور ہمدم ہو اور اس کا ندیم اور ساتھی ہو۔

ابوداؤد میں بھی ایک قول کا ذکر ہے، جس کو ایک خاص موقعے پر نبی ﷺ نے نقل فرمایا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: قَدْ قَالَ الْقَائِلُ اَخُوْكَ الْبِكْرِيُّ فَلاَ تَأْمَنْهُ ”کسی کا قول ہے: اپنے بھائی سے بھی بے خوف نہ ہونا چاہیے۔“ یعنی آدمی کو محتاط رہنا چاہیے۔ اسے یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اپنے بھائی سے بھی شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے اس سے بھی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيْدٍ: اَلاَ كُلُّ شَیْءٍ مَا خَلاَ اللّٰهُ بَاطِلٌ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے وہ لبید کا یہ کلام ہے: آگاہ رہو، اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے۔“

تشریح: آپؐ نے حضرت لبیدؓ کا مصرعہ نقل فرمایا اور کہا کہ یہ سب سے سچی بات کسی شاعر کی زبان پر آئی ہے کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے۔ جس پر بھروسہ کیا جا سکے وہ خدا ہی کی ذاتِ اقدس ہے۔ وہی نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے (اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے)۔ جہاں کی ساری آبادی، رونق، دل کشی اور جاذبیت اسی کے سبب سے ہے۔ حضرت لبیدؓ کا پورا شعر ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں۔

غیر زبان کا استعمال

﴿۱﴾ عَنْ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدٍؓ قَالَتْ: اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ مَعَ اَبِیْ وَ عَلَیَّ قَمِيْصٌ اَصْفَرُ. قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: سَنَهْ سَنَهْ. قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَهِیَ بِالْحَبَشِيَّةِ حَسَنَةٌ. (بخاری)

ترجمہ: بنت خالد بن سعیدؓ سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت میں پیلے رنگ کی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: ”سنہ، سنہ (بہت خوب، بہت خوب)۔“ عبداللہ کہتے ہیں یہ سنہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں حسنہ یعنی خوب صورت۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر زبان کے الفاظ بھی آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوئے ہیں۔ ہر زبان خدا کی ایک نشانی ہے، اس لیے کسی زبان سے نفرت کرنی صحیح نہیں ہے۔ قرآن میں ہے: وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ (الروم: ۲۲) ”اور اس کی (اللہ کی) نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی خلقت اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا تنوع بھی۔“

ضرورت ہو تو اپنی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کے سیکھنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ خود حضور ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان (جو یہود کی زبان تھی) سیکھنے کا حکم دیا تھا تا کہ یہود سے خط و کتابت میں کسی قسم کی مشکل اور دشواری پیش نہ آئے۔

(۲) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِیٍّ اَخَذَ تَمْرَةً مِّنْ تَمْرَةِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِیْ فِیْهِ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ بِالْفَارِسِیَّةِ کَخٍ کَخٍ اَمَا تَعْرِفُ اِنَّا لَا نَاکُلُ الصَّدَقَةَ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت حسن بن علیؓ نے صدقہ کے چھوہاروں میں سے ایک چھوہارہ لے لیا اور اسے اپنے منہ میں ڈال لیا۔ نبی ﷺ نے فارسی میں فرمایا: ”کخ کخ۔ (اور فرمایا) کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔“

تشریح: کخ کخ یہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ کلمۂ نفرت و ممانعت ہے۔ جیسے ایسے موقعے پر ہمارے یہاں کہتے ہیں تھو تھو۔

(۳) وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّؓ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَاحِبُ الصُّوَرِ فَقَالَ: عَنْ یَمِیْنِهٖ جِبْرَائِیْلُ وَ عَنْ یَسَارِهٖ مِیْکَائِیْلُ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس فرشتے کا ذکر فرمایا جو صور لے کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس (فرشتے) کے دائیں جانب جبرائیل ہیں اور بائیں

جانب میکائیل ہیں۔"

تشریح: جبرائیل اور میکائیل یہ دونوں ہی غیر عربی زبان کے لفظ ہیں۔ جبر اور میک کے معنی بندہ کے ہوتے ہیں۔ 'ایل' یا 'ال' اللہ کو کہتے ہیں۔ اس طرح جبرائیل اور میکائیل کے معنی بندۂ خدا کے ہوتے ہیں۔

ضرب المثل

(۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگلی نبوت کے کلام میں سے لوگوں نے جو کچھ پایا ہے اس میں سے ایک مقولہ یہ ہے: "جب تم میں حیا اور شرم نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو۔"

تشریح: یعنی انبیائے سابقین کی تعلیمات آج پوری کی پوری محفوظ نہیں ہیں۔ ان کی جو تعلیمات ہم تک منتقل بھی ہوئی ہیں ان میں بہت کچھ ردّ و بدل ہو چکا ہے۔ وہ آج اپنی اصلی شکل میں بہت کم محفوظ رہ سکی ہیں۔ ان کی محفوظ تعلیمات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ضرب المثل کے طور پر لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے: "جب تم میں حیا اور شرم نہ ہو تو پھر جو چاہو کرو۔" بے حیا باش ہر چہ خواہی کن۔ بس بے حیا ہو جاؤ پھر جو چاہو کرو۔ پھر نازیبا سے نازیبا حرکت کرنے میں کیا باک ہو سکتا ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: لَيْسَ الْغِنٰی عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَ لٰكِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "تونگری کا تعلق کثرتِ مال و اسباب سے ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ تونگری تو دراصل دل کی تونگری ہے۔"

تشریح: حضور ﷺ کے اس ارشاد کو کہ "اصل تونگری (مال داری) تو دل کی تونگری ہے:" ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی طرح آپؐ کے کتنے ہی ارشادات ضرب المثل بن چکے ہیں۔ ضرب المثل وہ مختصر جملہ یا مقولہ ہوتا ہے، جو اپنی خوبی اور کھرے پن کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہو جاتا ہے اور لوگ اسے مثال کے طور پر نقل کرنے لگ جاتے ہیں۔ ضرب المثل

(کہاوت) کلامِ مدلل کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دل پر اثر انداز ہوتا ہے۔
یہ ایک حقیقت ہے کہ تونگری تو حقیقت میں دل کی تونگری ہے۔ کتنے ہی لوگ ہوتے ہیں، جن کو دنیوی مال وثروت تو حاصل ہے لیکن اس کے باوجود وہ مفلس ہی نظر آتے ہیں۔ ان کا افلاس ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس کے برخلاف خدا کے ایسے بندے بھی ہوتے ہیں، جنھیں خدا کی طرف سے ایسا بے نیاز اور غنی دل ملا ہوتا ہے کہ وہ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ مال ودولت ان کے پاس نہ بھی ہو تو اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ ان کے اطمینان کی وجہ اصلاً دنیا کا سرمایہ نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور ہوتا ہے۔ انھیں وہ دل حاصل ہوتا ہے جو حرص وہوس سے یکسر پاک ہوتا ہے، جس میں دنیا کی تاریکیوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

افسانے

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَآءَهُ حَدِيْثًا فَقَالَتْ امْرَاَةٌ مِّنْهُنَّ كَاَنَّ الْحَدِيْثَ حَدِيْثُ خُرَافَةَ. فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا خُرَافَةُ؟ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلاً مِّنْ عُذْرَةَ اَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيْهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوْهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاٰى فِيْهِمْ مِّنَ الْاَعَاجِيْبِ فَقَالَ النَّاسُ حَدِيْثُ خُرَافَةَ. (شمائل ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے اپنی عورتوں (بیویوں) کو ایک قصہ سنایا۔ ان میں سے ایک عورت نے کہا کہ یہ تو (حیرت انگیزی میں) خرافہ کے قصے جیسا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”کیا تم جانتی ہو کہ خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جن اسے پکڑ کر لے گئے تھے۔ وہ ان کے درمیان ایک عرصہ تک رہا۔ پھر وہ اس کو لوگوں میں واپس کر گئے۔ ان کے یہاں اس نے جو عجائبات دیکھے تھے ان کو وہ لوگوں سے بیان کرتا تھا (لوگ متحیر ہوتے تھے)۔ پھر لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیثِ خرافہ کہنے لگے۔“

تشریح: ممکن ہے اس شخص کا نام کچھ اور رہا ہو۔ اس کے قصے کو لوگ من گھڑت سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ شخص خرافہ کے نام سے مشہور ہو گیا۔

حدیث کی کتابوں میں بہت سی حکایات ملتی ہیں۔ سماجی زندگی میں قصے کہانیوں کی بڑی

اہمیت ہے۔ کہانیاں اور قصے بالعموم تفریح کے لیے ہوتے ہیں۔ لیکن بہت سی کہانیوں اور حکایات میں بڑی دانائی اور حکمت کی باتیں بھی ملتی ہیں۔ لقمان کی حکایات اور پنچ تنتر کی کہانیاں بہت مشہور ہیں۔ اسی طرح ملا نصر الدین کی کہانیوں کو بھی بہت شہرت حاصل ہے۔ آج کے دور میں جدید افسانوں نے بھی ادب میں بڑی اہمیت حاصل کی ہے۔ افسانے تعمیری بھی ہوتے ہیں لیکن بہت سے افسانے ایسے لکھے گئے ہیں، جن کے مخربِ اخلاق ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کے افسانوں کو اسلام میں کبھی بھی پسندیدہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پہیلی

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لاَ يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَ اِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ فَحَدِّثُوْا فِيْ مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: هِيَ النَّخْلَةُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”درختوں میں ایک درخت ایسا ہے، جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور وہی درخت مسلم کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ درخت کون سا ہے؟ لوگوں کا خیال تو جنگل کے درختوں کی طرف چلا گیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن کہتے ہوئے حیا دامن گیر ہوگئی (کہ بزرگوں کی موجودگی میں کیسے زبان کھولوں)۔ پھر لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، آپ ہی ہمیں بتائیں کہ وہ درخت کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”وہ کھجور کا درخت ہے۔“

تشریح: کہانیوں کی طرح پہیلیاں بھی سماجی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ پہیلیوں کو بوجھنے کی کوشش سے غور وفکر کی عادت پڑتی ہے۔ اس سے ذہنی صلاحیت بھی بڑھتی ہے۔ پہیلیاں استعجاب کا پہلو لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ اس طرح وہ تفریح طبع کا سامان بھی ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ پہیلیوں کے ذریعے سے جس چیز کا انکشاف کرایا جاتا ہے وہ ذہن نشین ہوکر رہتی ہے۔

عرب کی زمین میں کھجور کا درخت نہایت نفع بخش ثابت ہوتا ہے۔ یہ درخت ہمیشہ سر سبز و شاداب رہتا ہے۔ اس پر خزاں نہیں آتی۔ یہ ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے، اس کے تنے کو چھت

کی کڑیوں یا دوسرے کاموں میں لاتے رہے ہیں۔ پتوں سے پنکھے، چٹائیاں اور رسّیاں بنتی ہیں۔ مومن و مسلم بندے کے اندر بھی یہی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس کا ایمان ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے۔ اس پر کبھی کہنگی طاری نہیں ہوتی۔ اس کا زندگی پر خوش گوار اثر پڑتا ہے۔ کائنات کی ہر شے سے حتیٰ کہ شب و روز کے تغیرات سے بھی اس کے برحق ہونے کی شہادت ملتی رہتی ہے۔ زندگی کے سفر میں پوری کائنات اس کی ہم نوا ہوتی ہے۔ پھر مومن کا وجود اہل عالم کے لیے سراپا رحمت ہوتا ہے۔ وہ صرف اپنے لیے نہیں جیتا، اسی کے وجود سے یہ دنیا قائم ہے۔ حدیث میں آتا ہے جب دنیا میں خدا کا ذکر کرنے والا کوئی نہیں رہ جائے گا تو یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی۔ مومن ساری انسانیت کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے منصوبے ساری انسانیت کو پیش نظر رکھ کر ترتیب دیتا ہے۔ اُس کے مال میں اپنوں کا ہی نہیں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی یہ ذمے داری سمجھتا ہے کہ سارے انسانوں کو وہ راستہ دکھائے، جو خیر و فلاح کا راستہ ہے۔ جس پر چل کر ہی انسان دونوں جہاں میں سرخ روئی اور کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

صناعت اور آرٹ

(۱) عَنْ عَائِشَةَ ؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ لَا يَتْرُكُ فِيْ بَيْتِهٖ شَيْئًا فِيْهِ تَصْلِيْبٌ اِلَّا قَضَبَهٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کسی چیز کو جس میں صلیب کی صورت بنی ہو بغیر کاٹے یا توڑے نہ چھوڑتے۔

تشریح: اسلام آرٹ اور صناعت کا دشمن نہیں ہے لیکن اس سے غیر اسلامی نظریات و تصورات کی تشہیر اور ان کو تقویت پہنچانے کا کام لینا جائز نہیں ہے۔ فن تعمیر و تزئین میں مسلمانوں نے جو غیر معمولی کارنامے انجام دیے ہیں، تاریخ ان کی شاہد ہے۔ مستثنیات کو چھوڑ کر اگر دیکھا جائے تو ہر علم و فن اور صنعت میں مسلمانوں نے اسلامی مزاج کا لحاظ رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

کوئی بھی مجسمہ یا تصویر جس سے شرک یا کفر کی نمائندگی ہوتی ہو پیغمبر اسے اپنے گھر میں باقی رہنے دینے کا کیوں کر روادار ہو سکتا ہے۔ اس روایت میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم بھی مشرکانہ یا غیر اسلامی چیزوں کو کبھی بھی اپنے لیے گوارا نہ کریں۔

تصویر کا مسئلہ

تصویر کے سلسلے میں بالعموم بہت شدت سے کام لیا جاتا ہے۔ اور ذی روح اشیاء کی تصویریں بنانے اور انھیں رکھنے کو قطعی حرام قرار دیا جاتا ہے۔ اس لیے اس سلسلے کی احادیث کے مطالعہ سے پہلے کچھ بنیادی باتیں سمجھ لینے کی ہیں۔ اسلام کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو محض مفاسد سے ہی نہیں روکا بلکہ وسائل و مقدماتِ مفاسد سے بھی اس نے تعرض کیا ہے۔ اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کرنے پر بھی زور دیا ہے جن سے مفاسد کے در آنے کے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس نے اگر شرک اور صریح اصنام پرستی سے باز رہنے کا حکم دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس نے اس کے قطعی سد باب کے لیے ان سبھی سوراخوں اور روزنوں کو بھی بند کر دیا ہے، جن سے شر کو ابھرنے کے مواقع مل سکتے تھے۔ اسلام نے ایسے سبھی خیالات اور اعمال کو گو ان میں فی نفسہٖ کوئی مضرت نہ تھی، معصیت قرار دے کر ان سے بچنے کی تلقین کی ہے، جو شرک کے وسائل ثابت ہو سکتے تھے، بزرگوں کی تعظیم میں کوئی برائی نہ ہونے کے باوجود قیامِ تعظیمی اور سجدۂ تحیہ پر اس نے روک لگائی۔ نبی ﷺ کے سید امم ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں لیکن جب وفدِ بنی عامر آپؐ کی خدمت میں آیا اور اُس کے لوگوں نے آپؐ کو اَنْتَ سَیِّدُنَا ''آپؐ ہمارے سردار ہیں'' کہہ کر خطاب کیا تو آپؐ نے فرمایا: اَلسَّیِّدُ اَللّٰہُ'' مالک اور سردار تو اللہ ہے۔'' آپؐ کے افضل الرسل ہونے میں کسی تامل کی گنجائش نہیں لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے فرمایا: لَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بِنْ مَتّٰی (بخاری، مسلم) ''کسی بندے کو یہ حق نہیں کہ وہ میرے متعلق یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔'' اصل مقصود ان باتوں سے یہ تھا کہ لوگوں کو غلو کی جانب بڑھنے سے اول قدم ہی پر روک دیا جائے کیوں کہ یہ

چیزیں شرک وفساد کا ذریعہ بن سکتی تھیں۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ مدح واطراء میں غلو کی وجہ سے انھوں نے اپنے نبیوں کو خدا کے منصب پر لا کھڑا کیا۔

غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکنے کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کو شرک وفساد میں پڑنے سے دور رکھا جائے۔ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لَا تَقُولُوا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَاءَ فُلَانٌ وَ لٰكِنْ قُولُوا مَا شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَآءَ فُلَانٌ ’’یہ مت کہا کرو جو اللہ نے چاہا اور فلاں نے چاہا بلکہ کہو جو اللہ نے چاہا پھر فلاں نے جو چاہا۔‘‘ یعنی خدا کی مشیت کو بندے کے ارادے سے الگ رکھو۔ خدا اور بندہ میں جو فرق ہے اس کا لحاظ ضروری ہے۔ آپؐ نے فرمایا: لَا يَقُولَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ كُلُّكُمْ عَبِيْدُ اللّٰهِ وَ كُلُّ نِسَاءِكُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ لِيَقُلْ غُلَامِیْ وَ جَارِيَتِیْ وَ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ۔ (مسلم) ’’تم میں سے کوئی (اپنے غلام اور لونڈی کو) میرا غلام اور میری لونڈی نہ کہے۔ تم سب خدا کے بندے ہو اور ساری عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں۔ بلکہ یوں کہے کہ میرا خادم میری خادمہ، اور میرا لڑکا اور میری لڑکی۔‘‘

ان سب سے مقصود توحید کا قیام اور شرک وفساد کا انسداد تھا۔ تصویر وتماثیل (مجسّمے) کے مسئلہ پر غور کریں تو وہ بھی اسی سلسلے میں داخل وشامل دکھائی دے گا۔ مصوری اور تماثیل سازی کے فن کو اصنام پرستی ہی کی وجہ سے ترقی ہوئی ہے۔ بابل وغیرہ میں بت پرستی ہی نے اس فن کو ترقی دی۔ یونان اور روم میں جس چیز نے مجسمہ سازی کو ترقی کی انتہا تک پہنچایا وہ بت پرستی کا ہی جذبہ تھا۔ ایران کے کھنڈرات، مصر اور ہندستان کے قدیم آثار سے پتہ چلتا ہے کہ مجسمہ سازی اور بت گری کا بت پرستی سے گہرا رشتہ رہا ہے۔ مہاتما بدھ اور مہابیر کے مجسّمے اور ہندوؤں کے دیوی دیوتاؤں کے بت اسی بات کی گواہی دیتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کے مجسّموں اور تصویروں سے اپنے گرجا گھروں کو سجایا۔ عرب جاہلیت نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ اس سے مختلف سلوک نہیں کیا بلکہ انھوں نے ان کی تصویریں بھی کعبہ میں رکھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے فن مصوری سے بالعموم بت پرستی ہی کا کام لیا جاتا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تصویروں اور مصوروں کی سختی سے مذمت کی گئی اور ان کو لعن وغضب کا مورد ٹھہرایا گیا اور ان گھروں کو سعادت اور برکت سے محروم قرار دیا گیا، جن میں تصویریں یا اصنام

موجود ہو تو اس میں تعجب اور حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ بت پرستی سے نفرت پیدا کرنے کے لیے ضروری تھا کہ لوگوں کو اس کے ذرائع و وسائل سے بھی دور رکھا جائے۔

تصویر میں فی نفسہٖ کوئی مضرت نہ ہونے کے باوجود چوں کہ یہ چیز عام طور پر بت پرستی کا ذریعہ رہی ہے۔ اس لیے ابتدا میں ضروری تھا کہ اس سلسلے میں سختی سے کام لیا جائے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی حیوانات کی تصویر کی ممانعت کا اصل مقصد شرک اور بت پرستی کا سدّ باب قرار دیتے ہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ باب اللّباس والزینۃ والاوانی ونحوہا)

شریعت کے کسی حکم کی اصل علت اور اس کے سبب کے رفع ہو جانے کے بعد وہ حکم بھی بدل جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا طریقہ بھی اس سلسلے میں یہی رہا ہے۔ اس کی کتنی ہی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

ابتدا میں جب شراب کے حرام ہونے کا اعلان کیا گیا تو ان برتنوں کے استعمال کی بھی ممانعت کر دی گئی، جن میں شراب بنائی اور رکھی جاتی تھی، لیکن جب شراب نوشی سے لوگ باز آگئے اور ان کی شراب نوشی کی عادت جاتی رہی تو ان برتنوں کے استعمال کی اجازت دے دی گئی۔ ریشمی کپڑے کا استعمال ابتدا میں عورتوں اور مردوں دونوں ہی کے لیے ممنوع تھا لیکن بعد میں عورتوں کے لیے اسے جائز کر دیا گیا۔

حضرت عمرؓ نے تورات کے کسی صفحہ کو پیش کیا تو حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر سخت ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپؐ نے فرمایا: ''آج اگر موسیٰ بھی زندہ ہوتے (جن پر تورات نازل ہوئی تھی) تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔'' لیکن بعد میں جب آپؐ نے محسوس کر لیا کہ آپؐ کے پیرووں کے دل میں قرآن کی عظمت ثبت ہو گئی اور وہ سمجھ گئے ہیں کہ وہ اپنے نبیؐ کی اطاعت سے کسی حال میں بھی بے نیاز نہیں ہو سکتے تو آپؐ نے تورات پڑھنے کی اجازت دے دی۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک خطیب نے جب اپنے خطبہ میں یہ کہا کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَ مَنْ یَّعْصِهِمَا (جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہِ راست پر رہا اور جس کسی نے ان دونوں کی نافرمانی...) تو آپؐ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تو بہت ہی برا خطیب ہے۔ مطلب یہ تھا کہ خطیب کو خدا اور رسول کی اطاعت کی طرح، خدا اور اس کے رسول

کی نافرمانی کا ذکر بھی الگ الگ کرنا چاہیے تھا۔ لیکن جب خدا کی عظمت دل میں قائم ہوگئی تو ضمیر کی اس طرح کی شرکت قابلِ اغماض قرار پائی۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جو اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ لیکن دوسری طرف واقعۂ بنی قریظہ کے موقعے پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے: قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ ''اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو۔''

آغازِ اسلام میں آپؐ نے زیارتِ قبور سے روک دیا تھا لیکن بعد میں آپؐ نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا: زُوْرُوْھَا فَاِنَّھَا تَذْکُرُکُمُ الْمَوْتَ ''ان کی زیارت کرو کیوں کہ ان سے تمھیں موت کی یاد آئے گی۔''

ایک طرف تو آپؐ نے رُقیٰ اور تمائم (جھاڑ پھونک اور تعویذ) کے بارے میں فرمایا: اِنَّ الرُّقٰی وَ التَّمَائِمَ وَالتَّوْلَۃَ شِرْکٌ (ابوداؤد، احمد) ''منتر، تعویذ اور تولہ (افسوں) شرک ہیں۔'' لیکن اس کے ساتھ مسلم میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اِعْرِضُوْا عَلَیَّ رُقَاکُمْ لاَ بَأْسَ بِالرُّقٰی مَالَمْ یَکُنْ فِیْہِ شِرْکٌ ''اپنے منتروں کو میرے سامنے پیش کرو۔ منتروں میں کوئی قباحت نہیں اگر ان میں مشرکانہ مضمون نہ ہو۔''

ایک طرف ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، ہم میں سے کوئی شخص اپنے دوست یا بھائی سے ملتا ہے تو کیا وہ اس کے لیے جھکے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کیا کہ اس سے معانقہ کرے اور بوسہ لے؟ فرمایا: نہیں۔ اس نے عرض کیا کہ اس کا ہاتھ تھامے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں! لیکن دوسری طرف ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ زراعؓ جو وفد عبدالقیس میں شامل تھے بیان کرتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو اونٹوں سے جلدی جلدی اترنے لگے اور رسول اللہؐ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دینے لگے۔

ان مثالوں سے بظاہر احکام میں تضاد اور اختلاف نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ان میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اختلافِ حکم کی اصل وجہ اختلافِ حالات ہیں۔ علتِ نہی کے وجود و عدم کی بنا پر حکم میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ تصویر کے سلسلے میں بھی آغاز میں شدت اختیار کی گئی اس کی اصل وجہ شرک اور اصنام پرستی تھی۔ لیکن جیسے جیسے اس کے خطرات کا انسداد اور مشرکانہ ذمائم کا استیصال ہوتا گیا یہ شدت باقی نہ رہی۔ اب اگر تصویر کی ممانعت کی اصل وجہ باقی

نہ رہے تو اسے حرام کیوں کر قرار دیا جا سکتا ہے۔ تصویر سے آج کتنے ہی کام لیے جاتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے حادثات اور معرکہ جنگ وغیرہ کی اصل صورت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ مختلف قوموں کے تمدنی و معاشرتی نقشے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مجرموں، گم شدہ افراد اور حکومتوں کے سفراء کی ان سے شناخت ہوتی ہے۔ علم حیوانات اور لغات کی کتابوں میں حیوانات کی پہچان کرانے میں تصویریں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اعضائے انسانی وحیوانی کی تشریح ان کے ذریعے سے آسان ہو جاتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ آج کے دور میں تصویروں سے بہت سے فتنوں اور خرابیوں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ فلمی رسائل کی عریاں اور نیم عریاں تصویروں سے شہوانی جذبات کو بھڑکانے کا کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح کی تصاویر سے ذہنوں میں جو انتشار اور سماج میں جو بگاڑ رونما ہوتا ہے اس سے کون واقف نہیں ہے۔ ظاہر ہے ایسی تصویر کشی اور اس کی اشاعت کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ لیکن اس طرح کی تصویروں کی ممانعت کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ تصویریں ہیں بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان سے بے حیائی اور بے باکی کو شہ ملتی ہے۔ ایسی تصویریں سستے جذبات کو اُبھارتی اور انھیں برانگیختہ کرتی ہیں۔ اور بے حیائی اور فحاشی کو ان کے ذریعے سے فروغ حاصل ہوتا ہے، جو نہ فرد کے لیے مفید ہے اور نہ کسی سوسائٹی کے لیے اسے مفید کہا جا سکتا ہے۔ کوئی بھی صالح معاشرہ اپنے یہاں فحاشی اور بے حیائی کے کاموں کو پسند نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ تصاویر سے جائز اور ضروری کام بھی نہ لیا جائے۔ شہوانیت پھیلانے، نفرت اور عداوت کے بیج بونے، اشتعال پیدا کرنے اور فساد ڈلوانے کا کام تصویروں سے ہی نہیں، تصویروں سے کہیں زیادہ تحریروں سے لیا جاتا ہے تو کیا اس کی وجہ سے تحریر کو حرام قرار دے سکتے ہیں۔

اس سلسلے میں صحابہؓ، تابعین اور اسلاف کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ تصویر کے معاملے میں ان کا نقطۂ نظر شدت پسندی کا ہرگز نہ تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی چادر پر تصویریں بنی ہوئی تھیں (مسند ابوداؤد وطیالسی)۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیقؓ کے گھر میں بعض عجائب المخلوق کی تصویریں تھیں۔ (فتح الباری ج ۱، ۳۲۶) حضرت قاسمؒ کا شمار ان سات فقہاء میں ہوتا ہے جن سے فقہ مدینہ مرتب ہوئی ہے۔

حضرت عائشہؓ کے بھانجے حضرت عروہ جو امام المحدثین ہیں ان کے تکیوں پر پرندوں

اور مرد انسانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں جن پر وہ ٹیک لگا کر بیٹھتے تھے۔ ابن سعد نے بہ سند روایت کیا ہے کہ حضرت عروہ کے بٹن میں آدمیوں کے چہروں کی تصویریں تھیں۔ (جزو تابعین مدینہ، ۱۲۶)

حضرت انس بن مالکؓ کی انگوٹھی کے نگینہ پر ایک شیر غرّاں کی تصویر تھی۔ (اسد الغابہ لابن اثیر)

حضرت ابو ہریرہؓ کی انگوٹھی کے نگینہ میں دو مکھیوں کی تصویریں تھیں۔ (شرح ہدایہ علامہ عینی)

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب پایۂ تحت کسریٰ فتح ہوا اور صحابہ ایوانِ شاہی میں داخل ہوئے تو اس میں جابجا سواروں اور پیادوں کے مجسّمے اور تصویریں تھیں۔ صحابہؓ نے ان کو اسی طرح چھوڑ دیا اور وہیں نمازِ شکر ادا کی۔

اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ جب شام کے عیسائیوں نے اپنے کنیسہ میں حضرت عمرؓ کو مع مسلم امراء کے دعوت دی تو انھوں نے فرمایا کہ ہم تمھارے کنیسوں میں ان تصویروں کی موجودگی میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (کتاب الامام، مسند شافعی) اس طرزِ عمل کے اختلاف کا سبب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ایوانِ کسریٰ کے مجسّمے اور تصویریں مشرکانہ نہ تھیں لیکن عیسائیوں کے کنیسوں کے مجسّمے اور تصویریں مشرکانہ تھیں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے مصعب بن زبیر جب اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے اختیارات لے کر نکلے اور عراق کے گورنر مختار ثقفی کے قتل کرنے میں کامیاب ہوئے تو اس وقت یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ زبیری مملکت میں اموی سکہ رائج ہونا چاہیے یا اس کے متبادل کوئی نیا سکہ رائج کیا جائے۔ اعیانِ سلطنت کے مشورے سے طے ہوا کہ قدیم سکہ کی جگہ نیا سکہ رائج کیا جائے۔ اس غرض کے لیے انھوں نے عبداللہ بن زبیر کا سکہ ڈھالنے کا حکم دیا اور یہ حکم صحابہؓ اور تابعین کی موجودگی میں دیا گیا۔ انھوں نے سکہ کے ایک طرف نمائندہ کی حیثیت سے خود اپنی تصویر بھی ڈھلوائی۔ آپ کی گردن میں تلوار حمائل تھی اور آپ کھڑے دکھائی دیتے تھے۔

(فتوح البلدان بلاذری، ص ۷، ۹، الشذور العقود، مقریزی، ص ۶۔ ابن خلدون)

ابن سعد اور سیر اعلام النبلاء میں ہے کہ جنگ موتہ میں حضرت عقیل بن ابی طالبؓ نے ایک ایسی انگشتری حاصل کی، جس میں مورتیاں ڈھلی ہوئی تھیں۔ حضور ﷺ نے جنگ کے خاتمہ پر جب مالِ غنیمت تقسیم ہونے لگا تو اس انگشتری کو انعام کے طور پر عقیل بن ابی طالبؓ ہی کو دے دیا۔ اور وہ اس انگشتری کو زندگی بھر پہنے رہے۔ قیس بن ربیع اسدی کا بیان ہے کہ انھیں بھی اس

انگشتری کے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

مصنف عبدالرزاق نے معمر سے اور معمر نے عبداللہ بن محمد بن عقیل سے روایت کی ہے کہ عبداللہ نے لوگوں کو ایسی انگوٹھی دکھائی، جس پر شیر کی مورتی ڈھلی ہوئی تھی اور جس کو نبی ﷺ نے استعمال کیا تھا۔ معمر کا بیان ہے کہ اس انگوٹھی کو برکت کے لیے دھو کر اس کا پانی ہمارے دوستوں نے پیا ہے۔ (فتح الباری ۱۰/ ۳۲۷)

علامہ مقریزی نے تحقیق کر کے لکھا ہے کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ نے جب دینار ڈھلوائے تو اس کے ایک رُخ پر ایک اپنی مورتی ڈھلوائی اس طرح کہ آپ کھڑے ہوئے اور تلوار حمائل کیے ہوئے ہیں۔ (الشذور العقود، ص ٦)

امام مکحول کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک ڈھال تھی جس پر مینڈھے کی تصویر نقش تھی۔ (ابن سعد، ج ا ص ۴۸۹)

حجاز میں دورِ نبوی میں ہرقل کے دینار رائج تھے اور ان کو قانونی حیثیت حاصل تھی۔ خود قرآن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے[1] مورخین کا بیان ہے کہ ان دیناروں پر حکمرانوں، بعض شاہزادوں اور گورنروں تک کی مورتیاں نقش ہوتی تھیں۔ عرب اُن سے بخوبی واقف ہی نہیں تھے بلکہ یہ دینار باہمی لین دین کا ذریعہ بھی تھے۔ تقریباً ۳۰۹ء سے ٦۹٦ء تک یہ باتصویر دینار عرب میں استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔

ہرقل رومی (٦١٠ء تا ٦۴٠ء) نے جب یہ محسوس کیا کہ عرب نہایت تیزی کے ساتھ نبی ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہو رہے ہیں تو اس نے مسلمانوں کی دل جوئی اور ان کی نفسیات کی رعایت میں سابقہ رومی دینار میں کچھ اصلاح اور ترمیم بھی کر دی تا کہ حکومت کو اقتصادی نقصان کے احتمال سے بچایا جا سکے۔ ہرقل نبی ﷺ کی وفات کے ۹ سال بعد تک زندہ رہا ہے۔ اس نے رسولِ خدا ﷺ کی خوش نودی اور جزیرۃ العرب میں اپنے تجارتی مقاصد کے تحت دینار کے ایک طرف صلیب کا نشان ختم کر کے اس کی جگہ حضور ﷺ کے اسمِ مبارک کو ڈھلوایا۔ اس دینار کے ایک رُخ پر اس کے اپنے دو بیٹوں کی کھڑی تصویریں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں گرز ہے اور ان گرزوں کے سروں پر گیند ہے۔ یہ گیند صلیب کی جگہ پر لائے گئے۔ سکہ کے دوسرے رخ پر چار سیڑھیاں

---

[1] آل عمران، آیت ۷۵

ہیں، جن پر ایک ستون ہے۔ اس ستون پر بھی صلیب کی جگہ گیند دکھایا گیا ہے۔ باہر کے دائرے میں عربی خط میں بِسْمِ اللّٰہِ ۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی عبارت نقش ہے۔ یہ دینار آج بھی دنیا کے عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔

تاریخی حقائق اور ان واضح انکشافات اور تحقیقات کے بعد ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ذی روح اشیاء کی ہر قسم کی تصاویر کو ہمیشہ کے لیے قطعی طور پر حرام قرار دے دیا ہے۔

جہاں تک غیر ذی روح اشیاء کی تصویروں کا تعلق ہے مثلاً پہاڑ، دریا، درخت وغیرہ یا قدرتی مناظر تو ان کی تصویروں کے بنانے یا ان کو محفوظ رکھنے میں کسی کے نزدیک بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ نہ تو تعیش کا سبب بنیں اور نہ وہ آدمی کو خدا سے غافل کریں۔

ذی روح اشیاء کی تصویر

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: اَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰہِ الْمُصَوِّرُوْنَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ’’اللہ کے یہاں سخت ترین عذاب پانے والے مصور ہوں گے۔‘‘

تشریح: احادیث میں تصاویر اور مصوروں کے متعلق جو وعید آئی ہے، اس کا دراصل ایک خاص پس منظر ہے۔ عربی زبان میں تصویر کا لفظ عموماً مجسمہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بلادِ عرب میں ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر، لات اور عزیٰ کے مجسمے موجود تھے۔ ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ وعید دراصل ایسی ہی بت گری کے لیے ہے۔

امام شوکانیؒ نے کہا کہ اصولیوں کے نزدیک سب سے قوی اور شریعت کی نگاہ میں قابلِ اعتماد حکم وہی ہے، جس کی علت بھی اس کے ساتھ مذکور ہو۔ امام جاحظ نے ایک بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر محدثین نے نبی ﷺ کے ارشادات کو روایت کرتے وقت ان اسباب کا بھی ذکر کر دیتے ہوتے جن کے تحت حضور ﷺ نے فیصلے دیے ہیں تو اس سلسلے کی الجھنیں اور مشکلیں دور ہو سکتی تھیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بیشتر روایات اسباب و علل اور دلیل سے عاری ملیں گی۔

یہ حدیث جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اس میں بھی راوی نے یہ وضاحت نہیں کی

کہ مصوروں کو سخت ترین عذاب کیوں دیا جائے گا۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو کتاب اللّباس میں درج فرمایا ہے۔ گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ تصاویر اور مجسّموں کو آپؐ نے زیب و زینت کی اشیاء میں شامل فرمایا ہے۔ حالاں کہ زینت اور آرائش تو اسلام میں حرام نہیں ہے۔ (الاعراف: ۳۱)

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو صحیح مسلم کی ایک دوسری حدیث کے ذریعے سے مکمل کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے: عَنْ مُسْلِمِ ابْنِ صُبَيْحٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ مَسْرُوْقٍ فِيْ بَيْتٍ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ مَرْيَمَ فَقَالَ مَسْرُوْقٌ هٰذَا تَمَاثِيْلُ كِسْرىٰ؟ فَقُلْتُ لاَ هٰذَا التَّمَاثِيْلُ مَرْيَمَ۔ فَقَالَ مَسْرُوْقٌ اَمَا اِنِّىْ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ يَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمُصَوِّرُوْنَ۔ (مسلم) ''مسلم بن صبیح کہتے ہیں کہ میں مسروق کے ساتھ ایک گھر میں تھا، جس میں تصویریں تھیں۔ مسروق نے کہا کہ یہ کسریٰ (بادشاہِ ایران) کی تصویریں ہیں۔ میں نے کہا کہ نہیں، یہ مریم کی تصویریں ہیں۔ اس پر مسروق نے کہا کہ میں نے عبداللہ بن مسعودؓ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سخت ترین عذاب قیامت کے روز مصورین کو ہوگا۔''

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ مسلم بن صبیح اور مسروق کی گفتگو سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ یسار والے گھر کی تصاویر کسی نصرانی مصور کی بنائی ہوئی تھیں۔ کیوں کہ یہی لوگ مریم علیہ السلام اور مسیح علیہ السلام اور دیگر لوگوں کی تصویریں بنا کر ان کی پرستش کیا کرتے ہیں۔ (فتح الباری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ہی تصاویر پر عذاب کی وعید ہے، جو عبادت اور پرستش کی غرض سے بنائی جاتی تھیں۔ اَلْمُصَوِّرُوْنَ کے الف لام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الف لام عہد کے لیے ہے۔ یعنی اَلْمُصَوِّرُوْنَ سے مراد ایسے مصور ہیں جو اپنے معبودوں اور مقدس ارواح اور دیگر چیزوں کی تصاویر بنا کر کفر و شرک کی راہ ہموار کرتے اور لوگوں کو غلط راہ پر لگاتے ہیں۔ ایسے مصور لازماً شدید عذاب کے سزاوار ہوں گے۔

امام محمد بن جریر طبریؒ فرماتے ہیں: فرعون کے لیے جو عذابِ شدید مقدر ہے وہ ہر مصور کو نہیں دیا جائے گا، بلکہ جو مصور جان بوجھ کر باطل معبودوں کی تصویریں بناتے تھے ان ہی کے لیے یہ عذاب مخصوص ہوگا۔

امام خطابیؒ نے بھی یہی بات کہی ہے کہ مصور کو اتنی سخت سزا اس لیے دی جائے گی کہ وہ ان اشخاص کی تصویر بناتے تھے جن کی ماسوا اللہ کے پرستش کی جاتی تھی۔ جس سے کمزور طبیعت

کے لوگ ان پُر ہیبت تصویروں کو دیکھ کر فتنے میں پڑ جاتے تھے اور عام لوگ بے سمجھے بوجھے جھک پڑتے تھے۔(فتح الباری)

حدیث کے حنفی شارح علاّمہ بدر الدین عینیؒ صورت گری کی ممانعت میں مروی احادیث کی توجیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ نے پہلے مرحلہ میں ہر قسم کی تصویروں سے روک دیا تھا۔ اور یہ ممانعت بے وجہ نہ تھی بلکہ اس کی تہ میں یہ راز مضمر تھا کہ اس وقت کی نوخیز سوسائٹی (مسلم سوسائٹی) نے ابھی جلد ہی مصوری اور گمراہ کن اصنام پرستی کے عمل سے علیحدگی اختیار کی تھی۔ یا یوں کہیے کہ بت پرستی ترک کیے ہوئے اسے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ اس لیے حالات کو دیکھتے ہوئے نبی ﷺ نے اس فن کی حوصلہ افزائی پر کلیتہً روک لگا دی تھی۔ لیکن جب ممانعت ہر ایک کے علم میں آ گئی اور اس کے نتیجے میں تصویروں سے دلچسپی لینے والے بھی کم ہوتے گئے تو آپؐ نے اقتصادی ضرورتوں کے پیش نظر پرنٹ شدہ تصاویر والے کپڑوں کے استعمال کی اجازت دے دی۔ اور ایسی تصویروں کے استعمال سے بھی پابندی اٹھا دی جن کی تعظیم کے امکانات کم ہی تھے۔ مثلاً تصویروں والی چادریں، فرشی کپڑے وغیرہ۔

مفسر قرطبی کا بیان ہے کہ نبی ﷺ اس وقت تشریف لائے تھے جب غیر خدا کی پرستش کا واحد مرئی ذریعہ تصویر ہی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے یہی مناسب سمجھا کہ اس خرابی کا سدباب کرنے کے بجائے ازالہ ہی کیا جائے۔ (تفسیر الجامع لاحکام القرآن) اسی سے ملتی جلتی رائے امام طحاویؒ کی بھی ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ تصاویر کے حکم امتناعی کا اصل مقصد شرک اور اصنام پرستی سے امت کو دور رکھنا تھا۔ لیکن حالات جب اپنی پہلی وضع پر نہیں رہے تو تصویر کے بارے میں پہلا حکم بھی باقی نہیں رہے گا۔

﴿۲﴾ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهُ فِيْ جَهَنَّمَ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ فَاِنْ كُنْتَ لاَ بُدَّ فَاعِلاً فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لاَ رُوْحَ فِيْهِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''مصور دوزخ میں ڈالا جائے گا اور اس کی بنائی تصویر کے بدلے ایک شخص پیدا کیا جائے گا، جو اسے (مصور کو) جہنم میں عذاب دے گا۔'' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اگر تمھارے لیے تصویر

بنانی ضروری ہی ہو تو درخت اور کسی ایسی چیز کی تصویر بنالو جو غیر ذی روح ہو۔

تشریح: یعنی ایسی بے روح اشیاء کی تصویریں بناؤ، جن کے قابلِ پرستش ہونے کا دل میں خیال بھی پیدا نہ ہو سکے۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا كَانَتْ قَدِ اتَّخَذَتْ عَلٰى سَهْوَةٍ لَهَا سِتْرًا فِيْهِ تَمَاثِيْلُ فَهَتَكَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاتَّخَذَتْ مِنْهُ نُمْرُقَتَيْنِ فَكَانَتَا فِي الْبَيْتِ يَجْلِسُ عَلَيْهِمَا.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ انھوں نے اپنے شہ نشین پر ایک ایسا پردہ ڈال دیا، جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ نبی ﷺ نے اسے پھاڑ ڈالا حضرت عائشہؓ نے اس پھٹے ہوئے پردے کا یہ مصرف نکالا کہ اس کے دو گدّے بنا لیے جو گھر میں رہتے تھے اور ان پر آپؐ بیٹھتے تھے۔‘‘

تشریح: یعنی اس طرح تصویریں اپنی وضع پر نہیں رہیں یا انھیں نمایاں مقام پر باقی نہیں رکھا گیا، جس سے ان کی تعظیم وغیرہ کا خیال دل میں پیدا ہو سکے۔ اس حدیث میں تصاویر کے لیے لفظ تماثیل آیا ہے۔ تماثیل، تمثال کی جمع ہے۔ اس کا اطلاق صورت نگاری کی تمام ہی شکلوں پر ہوتا ہے۔ مجسمہ (Statue)، نقش (Picture) کو بھی تمثال کہتے ہیں۔ اسی طرح دیواروں وغیرہ پر صورت نگاری (Fresco Painting) وغیرہ بھی تمثال کے تحت آتی ہیں۔

﴿۴﴾ وَ عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم خَرَجَ فِيْ غَزْوَةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَاَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَاْمُرْنَا اَنْ نَكْسُوا الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کسی غزوہ میں میں تشریف لے گئے۔ میں نے ایک کپڑا لیا اور اسے پردہ بنا کر دروازے پر لٹکا دیا۔ جب آپؐ (غزوہ سے واپس) تشریف لائے اور اس پردے کو دیکھا تو اسے کھینچ کر پھاڑ ڈالا۔ پھر فرمایا: ’’اللہ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے کہ ہم پتھر اور مٹی کو کپڑوں سے آراستہ کریں۔‘‘

تشریح: ابوداؤد کی روایت میں الطّین (مٹی) کے بجائے اللّبن (کچی اینٹیں) آیا ہے۔ غالباً اس کپڑے کو حضرت عائشہؓ نے دروازے پر آرایش کے لیے لٹکایا تھا۔ پردے کے مقصد سے اس کے لٹکانے میں کیا قباحت ہو سکتی تھی۔ نبی ﷺ کے ارشاد سے اسی بات کا ثبوت ملتا ہے۔

آرائشی پردے کو آپؐ نے پسند نہیں فرمایا۔ اور خاص طور سے اپنے گھر والوں کے لیے اسے خلافِ اولیٰ ہی سمجھا کہ وہ در و دیوار کو کپڑوں اور تصویروں سے مزین اور آراستہ کرنے لگیں۔ امام نوویؒ کے نزدیک اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، جو حرمت کو متقاضی ہو۔ ''اللہ نے ہمیں اس کا حکم نہیں دیا ہے۔'' سے نہ وجوب ثابت ہوتا ہے نہ مندوب اور نہ ہی اس کی حرمت ہی ثابت ہوتی ہے۔

پتھر اور مٹی یعنی در و دیوار کو کپڑے پہنانا نادانی ہے۔ کپڑے تو اس لیے ہوتے ہیں کہ ان سے انسان اپنا تن ڈھک سکے یا ان سے اور کوئی ضروری کام لے سکے۔ فضول کاموں سے اجتناب ضروری ہے۔ خاص طور سے ان شخصیتوں کو تو اور بھی زیادہ اس کا خیال رکھنا چاہیے جن کو امت میں امتیازی حیثیت حاصل ہو۔

(۵) وَ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ لَنَا سِتْرٌ فِيْهِ تِمْثَالُ طَائِرٍ وَ كَانَ الدَّاخِلُ اِذَا دَخَلَ اسْتَقْبَلَهٗ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ حَوِّلِيْ هٰذَا فَاِنِّيْ كُلَّمَا دَخَلْتُ فَرَأَيْتُهٗ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس ایک پردہ تھا، اس میں پرندہ کی تصویر بنی ہوئی تھی، جب کوئی داخل ہونے والا داخل ہوتا تو تصویر اس کے سامنے ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے نکال دو۔ جب بھی میں اندر داخل ہوتا ہوں تو میری نظر اس پر پڑتی ہے اور مجھے دنیا یاد آتی ہے۔''

تشریح: یعنی یاد رکھنے کی چیز تو آخرت ہے۔ یہ تصویر ہمیں آخرت کے بجائے دنیا کی یاد دلاتی ہے۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ایک ویرانے سے زیادہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ یہ تصویر یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہے کہ دنیا بھی پرکشش ہے۔ اس کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ اس کا بھی کچھ حق ہے۔ حالاں کہ آدمی کے لیے فکرِ آخرت بس ہے۔ اس کے ساتھ دنیا کو بھی وزن دینے لگ جانا کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہو سکتی۔

اس حدیث میں تصویر کو ہٹانے کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ تصویر حرام ہے اس لیے اُسے ہٹا دینا ضروری ہے۔ بلکہ پہلے اسے ہٹانے کا حکم بھی نہیں دیا۔ بلکہ کئی بار کے تجربے سے معلوم ہوا کہ اس کی وجہ سے توجہ کی یک سوئی میں فرق آ جاتا ہے اور خیالِ آخرت کے دوران دنیا بھی سر اٹھانے لگتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اسے ہٹا ہی دو۔

〈۶〉 وَ عَنْ اَبِیْ طَلْحَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ صُوْرَةٌ. قَالَ بُسْرٌ فَمَرِضَ زَيْدُ بْنُ خَالِدٍ فَعُدْنَاهُ فَاِذَا نَحْنُ فِیْ بَيْتِهٖ بِسِتْرٍ فِيْهِ تَصَاوِيْرُ فَقُلْتُ لِعُبَيْدِ اللّٰهِ الْخَوْلَانِیِّ اَلَمْ يُحَدِّثْنَا فِی التَّصَاوِيْرِ؟ قَالَ اِنَّهٗ قَالَ اِلَّا رَقْمًا فِیْ ثَوْبٍ، اَلَمْ تَسْمَعْهُ، قُلْتُ: لَا بَلٰی قَدْ ذَكَرْتَ ذٰلِكَ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس میں تصویریں ہوں۔“ بسر کہتے ہیں کہ پھر زید بن خالد بیمار ہوئے (جو اس حدیث کے راوی ہیں)۔ ہم ان کی عیادت کی غرض سے گئے۔ ہم ان کے گھر میں ہی تھے۔ اس میں ایک پردہ لٹکتا تھا، جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ میں نے عبید اللہ خولانی سے کہا کہ کیا انھوں نے تصاویر (کی حرمت) کے بارے میں حدیث نہیں روایت کی ہے؟ انھوں نے کہا: مگر یہ بھی تو روایت کیا تھا ”سوائے اس تصویر کے جو کپڑے پر ہو۔“ کیا آپ نے اسے سنا نہیں؟ میں نے کہا کہ میں نے نہیں سنا۔ انھوں نے کہا کہ زید نے یہ کہا تھا۔

تشریح: یعنی جس وقت انھوں نے تصویر کی حرمت کی بات کہی تھی اس وقت اس استثنا کا بھی ذکر کیا تھا کہ ”الا یہ کہ نقشِ تصویر کپڑے پر ہو۔“ ترمذی کی ایک حدیث میں جو امام ترمذی کے نزدیک حسن صحیح کا درجہ رکھتی ہے آیا ہے کہ جب حضرت ابوطلحہؓ سے پوچھا گیا کہ اَوَلَمْ يَقُلْ: اِلَّا مَا كَانَ رَقْمًا فِیْ ثَوْبِهٖ؟ ”کیا رسولِ خداؐ نے (تصویر کی ممانعت کے ساتھ) یہ بھی نہیں فرمایا تھا کہ الا یہ کہ نقش تصویر کپڑے پر ہو۔“ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا: کیوں نہیں، صحیح ہے، آپؐ نے فرمایا تھا۔ یہ حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسی تصویروں کی شریعت میں گنجائش ہے، انھیں حرام قرار نہیں دیا جاسکتا جو کسی کپڑے، فرش، کاغذ وغیرہ پر منقش ہوں۔ اور وہ دیوی، دیوتا کی تصاویر نہ ہوں۔ نہ وہ مجسّموں کی شکل میں ہوں۔

〈۷〉 وَ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَا تَدْخُلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَّ لَا صُوْرَةٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوطلحہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس کے اندر کتا یا مورت ہو۔“

تشریح: یعنی رحمت کے فرشتے ایسے گھر سے دور رہتے ہیں۔ ایسے گھر اہل بصیرت کی نگاہ میں

وحشت کدہ ہوتے ہیں ان میں وہ رونق کہاں جو خدا سے ڈرنے والوں کے گھروں میں پائی جاتی ہے۔ جو گھر عیش پسندوں اور دنیا پرستوں کے گھروں کا نمونہ ہوں ان میں خدا کی پاکیزہ مخلوق یعنی فرشتے کیوں کر قدم رکھ سکتے ہیں۔ انھیں ایسے گھروں سے کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔

البتہ کتا اگر شکار کے لیے یا مویشیوں اور کھیت یا کھلیان وغیرہ کی حفاظت اور رکھوالی کے لیے پالا گیا ہو۔ اور تصویریں ایسی ہوں، جن میں شرعاً کوئی قباحت نہ ہو تو پھر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ایسے گھروں میں ملائکہ داخل نہیں ہوتے۔

﴿۸﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اَلَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يُقَالُ لَهُمْ اَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”جو لوگ مورتیاں بناتے ہیں قیامت کے روز وہ مبتلائے عذاب ہوں گے۔ ان سے کہا جائے گا کہ جن کو تم نے بنایا ہے ان میں جان ڈالو۔“

تشریح: مصوروں سے مراد در حقیقت ایسے مصور ہیں، جو پرستش کے لیے اصنام اور تصاویر بناتے تھے۔ اس لیے سرزنش کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ اگر یہ اصنام و صور تمھاری سنتے اور تمھاری ضرورتیں پوری کرتے تھے اور یہ تمھاری مشکلات کو رفع کرتے تھے اور یہ تمھارے نزدیک صفات الوہیت کے حامل، صاحبِ ارادہ و قوت تھے تو جہاں تم نے ان کے جسم بنائے ہیں وہاں ان میں روح بھی ڈال کر دکھاؤ اور اس کا ثبوت بھی فراہم کرو کہ یہ باشعور اور قوتِ ارادہ و عمل کے مالک بھی ہوسکتے ہیں۔ اور اگر تم ان میں روح نہیں پھونک سکتے اور ان میں زندگی کے آثار نہیں پائے جاتے تو پھر ایک بے جان صورت عبادت اور پرستش کی مستحق کیسے ہوسکتی تھی۔ تم نے خدا کے کتنے ہی بندوں کو خدا سے دور رکھنے میں پورا حصہ لیا ہے۔ اب اس کے صلہ میں تمھیں ہم سے عذاب کے سوا کسی اور چیز کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: كَانَ قِرَامٌ لِّعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ: اَمِيْطِيْ عَنِّيْ فَاِنَّهٗ لَا تَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلَاتِيْ.

(بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے گھر کے ایک طرف ایک پردہ تھا، جو

انھوں نے لٹکا رکھا تھا۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اس کو مجھ سے دور کر دو کیوں کہ یہ تصاویر میری نماز میں میرے سامنے ہوتی ہیں۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ اس پردے کی وجہ سے نماز کی یک سوئی میں فرق آتا تھا اس لیے اسے ہٹا دینے کا حکم دیا۔ اگر حیوانات کے نقوش ممنوع ہوتے تو اس کو پہلے ہی اتار دینے کا حکم دیتے۔ اس حدیث کی بنا پر فقہا نے ایسے کپڑوں کو جائز قرار دیا ہے، جن پر ذی روح اشیاء کے نقوش ہوں، شرط یہ ہے کہ ان کو لٹکایا نہ جائے۔ یہ اور اس طرح کی دیگر احادیث کے پیش نظر سلف صرف ان تصویروں کو ممنوع قرار دیتے ہیں، جن کا سایہ پڑتا ہے یعنی جو مجسّے کی شکل میں ہوں۔

⟨۱۰⟩ وَ عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اِنَّ جِبْرَئِيْلَ جَآءَ بِصُوْرَتِهَا فِيْ خِرْقَةِ مِنْ حَرِيْرٍ خَضْرَآءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَتُکَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جبریل علیہ السلام سبز رنگ کے ایک ریشمی رومال میں ان کی (عائشہ کی) تصویر لپیٹ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ یہ دنیا اور آخرت میں آپؐ کی بیوی ہیں۔

⟨۱۱⟩ وَ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُرِيْتُکِ فِي الْمَنَامِ ثَلٰثَ لَيَالٍ يُجِيْءُ بِکِ الْمَلَکُ فِيْ سَرَقَةِ مِنْ حَرِيْرٍ فَقَالَ لِيْ هٰذِهٖ اِمْرَأَتُکَ فَکَشَفْتُ عَنْ وَجْهِکِ الثَّوْبَ فَاِذَا اَنْتِ هِيَ فَقُلْتُ اِنْ يَّکُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهٖ.

(بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''تین رات مسلسل تمھیں میرے خواب میں لایا گیا۔ ایک فرشتہ شان دار ریشمی کپڑے میں تمھاری تصویر میرے پاس لاتا اور مجھ سے کہتا کہ یہ آپؐ کی بیوی ہیں۔ میں تمھارے چہرے سے کپڑا اٹھاتا تو کیا دیکھتا کہ وہ تم ہو۔ پھر میں کہتا کہ اگر یہ خدا کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ خواب میں نبی ﷺ کے سامنے حضرت عائشہؓ کی تصویر پیش کرنے والا واقعہ تین مرتبہ پیش آیا تھا۔ علما نے اس تکرار کی حکمت یہ بیان کی ہے تا کہ نبی ﷺ اپنی ہونے والی بیوی کی ہیئت اور شکل و شباہت وغیرہ کو اچھی طرح ملاحظہ فرمالیں اور صحیح فیصلہ تک پہنچ سکیں۔ اور امت کے لیے بھی اس سلسلے میں ایک نمونہ قائم ہو جائے۔

یہ بات صحیح نہیں کہ چوں کہ یہ واقعہ خواب کا ہے اس لیے اس کا تعلق عام زندگی سے نہیں ہوسکتا۔ علاّمہ بدرالدین عینیؒ نے لکھا ہے کہ انبیاء کی عصمت خواب کی حالت میں بھی ٹھیک اسی طرح قائم رہتی ہے، جس طرح وہ حالتِ بیداری میں قائم رہتی ہے۔ انبیا کے لیے خواب میں بھی وہ چیز روا نہیں ہوسکتی جو ان کے لیے بیداری کی حالت میں روا نہ ہو۔

اس روایت کے بعد تصویر کی اباحت میں کیا شبہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جائز تصویروں سے بھی غیر ضروری دلچسپی اور اس مشغلہ میں ایسا انہماک کہ آدمی زندگی کی ذمے داریوں کو فراموش کر بیٹھے کبھی بھی درست نہیں ہوسکتا۔ تصویر ہی نہیں نوافل نماز تک کی کثرت بھی ایسی صورت میں جائز نہیں ہوسکتی جب کہ وہ فرائض کے ادا کرنے میں مانع ہو۔

گڑیا (Doll)

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَالَ: مَا هٰذَا یَا عَائِشَةُ؟ قَالَتْ: بَنَاتِیْ وَ رَاٰی بَیْنَهُنَّ فَرَسًا لَّـهٗ جَنَاحَانِ مِنْ رِّقَاعٍ، فَقَالَ: مَا هٰذَا الَّذِیْ اَرٰی وَسْطَهُنَّ؟ قَالَتْ: فَرَسٌ. قَالَ: وَمَا الَّذِیْ عَلَیْهِ؟ قَالَتْ: جَنَاحَانِ. قَالَ: فَرَسٌ لَّـهٗ جَنَاحَانِ؟ قَالَتْ: اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَیْمَانَ خَیْلاً لَّهَا اَجْنِحَةٌ، قَالَتْ فَضَحِکَ حَتّٰی رَاَیْتُ نَوَاجِذَهٗ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے (دریچے میں ان کی گڑیوں کو دیکھ کر) فرمایا: ”اے عائشہ یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ یہ میری گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں میں آں حضرتؐ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا، جس کے کپڑے یا کاغذ کے دو پر تھے۔ آپؐ نے پوچھا: ”یہ کیا ہے جو میں ان گڑیوں کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟“ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ گھوڑا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اور یہ اس کے اوپر کیا چیز ہے؟“ کہا کہ دو پر ہیں۔ فرمایا: ”گھوڑا اور اس کے پر؟“ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آپؐ نے سنا نہیں ہے کہ سلیمان (بن داؤد پیغمبر) کے جو گھوڑے تھے وہ پر والے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ اس پر آپؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ مجھے آپؐ کے پچھلے دانت (داڑھ) تک نظر آ گئے۔

تشریح: نبی ﷺ کی بیویوں میں حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ کم عمر تھیں۔ آپؐ ان کے ذوق کی

پوری رعایت فرماتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے کھلونے اور گڑیا، بلی وغیرہ جو جان داروں کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ جن سے نہ تعظیم مقصود ہوتی ہے اور نہ وہ سامانِ تعیش میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ان سے بت پرستی اور شرک کے اندیشے لاحق ہو سکتے ہیں۔ ان کے بارے میں اسلام نے تنگی نہیں دکھائی ہے بلکہ انھیں جائز قرار دیا ہے۔ ان میں مٹھائی کے وہ کھلونے بھی شامل ہیں، جن سے بچے کھیلتے اور پھر ان کو کھا لیتے ہیں۔

لغو اور باطل مشغلے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَأَی رَجُلاً یَتَّبِعُ حَمَامَةً فَقَالَ: شَیْطَانٌ یَتَّبِعُ شَیْطَانَةً.
(احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، البیهقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو کبوتروں کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ”یہ شیطان ہے، شیطان کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔“

تشریح: یہ شیطان ہے یعنی شیطان کی طرح اپنے کو غفلت میں ڈال رکھا ہے۔ لایعنی اور فضول کام میں مصروف ہے۔ حالاں کہ زندگی میں کتنے ہی ضروری اور اہم کام کرنے کو ہوتے ہیں، جن کی اسے مطلقاً فکر نہیں ہے۔

کبوتروں کو مجازاً شیطان کہا کہ انھوں نے اس شخص کو لہو و لعب میں مشغول رکھا ہے، جس کی وجہ سے یہ غفلت میں پڑ گیا ہے اور اسے دین و دنیا کے دوسرے ضروری کاموں کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ورنہ فضول اور لغو کام کے لیے اس کو وقت ہی نہ ملتا۔

اس حدیث سے کبوتر بازی کی ممانعت صاف ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اگر کوئی انڈے بچے حاصل کرنے کے لیے یا نامہ بری کے مقصد سے کبوتروں کو پالتا ہے تو امام نوویؒ کے نزدیک اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

☆☆

غنا اور موسیقی

خدا نے کائنات کی تخلیق کی تو اس میں زینت و آرائش اور حسن و جمال کا بھی اہتمام کیا۔ آنکھیں دیں تو آنکھوں کے لیے حسین سے حسین مناظر پھیلائے۔ خوب صورت اور حسین چہرے، چمکتے ستارے، نظر فریب پھول اسی نے پیدا کیے۔ زبان دی تو لذتِ زبان کے لیے شیریں پھل اور انواع و اقسام کی چیزیں پیدا کیں۔ ہمیں قوتِ شامہ عطا کی تو اس کے ساتھ ہی خوشبودار پھول اور پودے بھی پیدا کیے۔ اسی طرح اس نے اگر ہم کو سماعت کی قوت بخشی ہے تو اس نے کتنے ہی پرندوں کو مترنم آوازیں بھی عطا کی ہیں۔ علامّہ جوہری طنطاوی نے تو یہاں تک کہا ہے کہ ''پوری کائنات موسیقی ہے۔'' بھارت کارشی بھی کہتا ہے کہ'' کائنات کی تخلیق ترنم کے زیرو بم سے ہوئی ہے۔''

یہ حقیقت ہے کہ خدا نے ہر شے میں حسن کی آبیاری کی ہے۔ آواز میں اچھی آواز وہی ہے جو کانوں کو بھلی معلوم ہو۔ قرآن میں گدھے کی آواز کو اَنکَرَ الاَصوَاتِ (مکروہ ترین آواز) اسی لیے کہا کہ وہ کانوں کو سخت ناگوار ہوتی ہے۔ اچھی آواز وہی ہے، دل پر جس کے اچھے اثرات مرتب ہوں، اس میں جاذبیت اور دلکشی پائی جائے۔ قرآن میں جو صوتی جمال، حسن اور نغمگی پائی جاتی ہے اس سے کون واقف نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کے ہر ایک سلسلۂ آیات میں جو ترنم یا خوش آہنگی ہے الفاظ کے ذریعے سے اسے قائم رکھا گیا ہے۔ قرآن کی آیتوں میں بحر کی کوئی قید نہیں ہے پھر بھی ہر سورہ یا سلسلۂ آیات کے لیے ایک خاص صوتی سانچہ یا مخصوص صوتی فضا فراہم کی گئی ہے۔ قرآن نے صوتی مناسبتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے۔ نبی ﷺ کو صوتی جمال قرآن کے یا اس میں پائی جانے والی نغمگی کی رعایت کا کس قدر خیال تھا کہ آپؐ نے فرمایا:

زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ ''قرآن کو اپنے حسنِ صوت سے آراستہ کرو۔'' یعنی قرآن کی تلاوت کا ایسا انداز اختیار کرو کہ اس میں دل کشی اور حسنِ صوت کا پورا لحاظ پایا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ ''وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن پڑھنے میں تغنّی سے کام نہ لے۔'' مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے جو قرآن کی تلاوت میں تغنی سے کام نہیں لیتا۔ تلاوت بالکل سپاٹ نہ ہو۔ اس کا لہجہ ایسا ہو کہ اس میں صوتی آہنگ پایا جائے۔ خود قرآن کے الفاظ اور آیات میں آہنگ اور نغمگی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ آیات کے فواصل (قوافی)، خواتیم اور الفاظ کے دروبست اس کی تصدیق کے لیے کافی ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی تلاوت سن کر آپؐ نے فرمایا تھا کہ ''تمھیں داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار عطا ہوا ہے۔'' یعنی لحن داؤدی تمھیں حاصل ہے۔ مزمور دراصل ان گانوں کو کہتے ہیں جو ساز پر گائے جائیں۔ اور مزمار اس ساز کو کہتے ہیں، جس کے ساتھ کوئی گانا گایا جائے۔ مزامیر دونوں کی جمع ہے۔ مزمور کی بھی اور مزمار کی بھی۔ مزامیر گیت کو بھی کہتے ہیں اور ساز کو بھی۔ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

جس خدا نے ذوقِ نظر کی رعایت سے ہر شے کو حسن و جمال عطا کیا ہے۔ اس کی بنائی ہوئی چیزوں میں باصرہ نوازی کی شان پائی جاتی ہے۔ جس خدا نے پھلوں میں غذائیت ہی نہیں رکھی ہے بلکہ ان میں لذت بھی رکھی ہے، جس خدا نے ہماری شامہ کے رعایت سے انواع واقسام کی خوشبوئیں بکھیری ہیں۔ کیسے ممکن تھا کہ وہ سامعہ نوازی سے غافل رہ جاتا۔ یہ نغمہ سنج بلبل اور یہ بھونروں کی گنگناہٹ آخر کس بات کا ثبوت ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا کبھی بھی درست نہیں ہوسکتا کہ اسلام خوش آوازی کا دشمن ہے۔ ممنوعات میں وہ چیزیں شامل ہیں، جو ضرر رساں اور مخربِ اخلاق ہیں۔

آواز کی شیرینی اور اس کی نغمگی میں خدا نے عجیب تاثیر رکھی ہے۔ اچھی آواز سن کر روتا ہوا بچہ بھی چپ ہوجاتا ہے۔ حدی خوانی سے اونٹ غیر معمولی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اور مست ہوکر لمبی مسافت سے بھی نہیں گھبراتے۔ بلکہ ان کی رفتار تیز سے تیز تر ہوجاتی ہے۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ نغمات کو روح سے جو مناسبت ہے اس میں قدرت کا ایک راز پوشیدہ ہے۔ حسنِ صوت کا اثر غیر معمولی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ امام غزالیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ موزوں

نغمات کو روح سے مناسبت ہے۔ اس لیے روح پر اس کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ الفاظ و معانی سے ہٹ کر بذاتِ خود مجرد حسنِ صوت اور نغمگی میں قدرت کا راز پوشیدہ ہے، جس کی وجہ سے روح اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اچھے سر اور دل کش آواز کسی زبان والفاظ میں مقید نہیں ہوتے۔ ان کے اندر بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ کسی زبان کے الفاظ سے تو محدود معانی کا ہی اظہار ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے آواز میں غیر معمولی وسعتوں اور گہرائیوں کے پیدا ہونے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ الفاظ اور ان کے معنی تو احساسات و معانی کے بحرِ بے پایاں کے کچھ قطرے ہی ثابت ہوتے ہیں۔ خواہ یہ قطرے بہت قیمتی ہوں۔ لیکن ان کی دنیا بہر صورت محدود ہوتی ہے۔ زبور کی آیتوں کے بعد جا بجا ''سِلاہ'' لکھا ہوا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہاں پہنچ کر خود مغنی خاموش ہو جائے مگر ساز بجتا رہے۔ اس طرز کے اختیار کرنے میں ایک راز ہے۔ گیت یا مزمور حقیقتِ بے پایاں کا صرف ایک محدود سا حصہ ہے۔ اس کا سلسلہ تو تھم جاتا ہے لیکن حقیقت کا بحرِ بے پایاں تو باقی ہی رہتا ہے۔ مغنی کے رُک جانے سے اصل نغمہ سرمدی نہ تھم سکتا ہے اور نہ ختم ہو سکتا ہے۔ سلاہ میں اسی بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کلام و شعر میں اظہار معنی کے لیے حرف و لفظ کا استعمال ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس نغمہ اپنی روح معنی کے اظہار کے لیے نواؤں کا بھیس اختیار کرتا ہے گرچہ یہ اظہار مبہم رہتا ہے لیکن اسی ابہام کی وجہ سے معانی و مطالب کی دنیا کی دنیا آباد ہونے کی گنجائش اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔

نغمہ اور موسیقی کو طب کا بھی ایک حصہ قرار دیا گیا ہے۔ افلاطون اور ابن سینا وغیرہ نے اسے بہت سی جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج بتایا ہے۔ روح میں انبساط پیدا کرنا، اسے اعتدال میں لانا اور اسے تقویت پہنچانا اس کے ذریعے سے ممکن ہوتا ہے۔ جانوروں اور پیڑ پودوں پر بھی موسیقی کے خوش گوار اثرات کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ پودوں کے نشو و نما پر موسیقی کے نہایت خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ دودھ دینے والی گائیں بھی زیادہ دودھ دینے لگیں۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنی کتاب لمعات میں لکھتے ہیں: نفسِ ناطقہ پر لطیف کیفیت پیدا کرنے کے لیے کند ذہن اور جامد طبیعت والے شخص کو گانا سننے کی ضرورت ہے... اس ضمن میں

اس کے لیے رباب اور طنبورے کی موسیقی بھی مفید ہے۔ (ترجمۂ لمعات، از: پروفیسر سرور، ص ۱۶۸)

غنا اور موسیقی کے سلسلے میں بعض فقہا نے اگر سختی سے کام لیا ہے تو اس کی وجہ ہے۔ مصالح امت اور حالات کے پیش نظر کسی مباح چیز کو حرام اور حرام چیز کو مباح بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن نفس مسئلہ ایک جداگانہ چیز ہے۔ مقتضائے حالات کے تحت غنا پر مختلف حکم لگانا ایک الگ بات ہے۔ لیکن اسے مطلقاً حرام قرار دے دیا جائے تو کتنی ہی قولی اور فعلی احادیث کی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ خود نبی ﷺ، صحابہؓ، تابعین اور علماء و محدثین کا سماعِ غنا ثابت ہے۔ عصری تقاضوں کی وجہ سے حضرت عمرؓ نے ان اشعار کو پڑھنے سے روک دیا تھا، جن سے پرانی رنجشوں کے تازہ ہو جانے کا امکان تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے کسی عورت کا نام لے کر تشبیب کرنے سے بھی منع کر دیا تھا حالاں کہ عہد نبوی تک میں اس کا رواج تھا۔ دنیا کی ہر شے میں خیر و شر کے دونوں ہی پہلو ہوتے ہیں۔ اِس لیے ہر شخص اور ہر زمان و مکان کے لیے ایک ہی فتویٰ نہیں دیا جاسکتا۔

حرمتِ غنا کے سلسلے میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا موضوع ہیں۔ مثلاً ایک حدیث یہ پیش کی جاتی ہے کہ غنا دلوں میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ سید مرتضیٰ زبیدی کہتے ہیں کہ اس کے تمام ہی طرق ضعیف ہیں۔ امام بیہقی کا کہنا ہے کہ یہ دراصل ابن مسعودؓ کا قول ہے نہ کہ نبی ﷺ کا۔ اس کے علاوہ اس کے طرق میں بعض مجہول الحال راوی موجود ہیں۔ امام نوویؒ کہتے ہیں کہ اس کے راوی کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔[1] ابو طالب مکی لکھتے ہیں کہ ابن حجر عسقلانیؒ نے التخلیص العبیر صفحہ ۴۰۸ پر لکھا ہے کہ ابن طاہر کا قول ہے کہ سب سے زیادہ صحیح سند سے جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے وہ یہی ہے کہ یہ ابراہیم کا قول ہے (نہ ابن مسعودؓ کا اور نہ نبیؐ کا)۔

ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے مجھے سارے عالم کے لیے رحمت و ہدایت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں سازوں، کفارات یعنی بربطوں اور باجوں اور ان بتوں کو جاہلیت میں جن کی پوجا کی جاتی تھی مٹا دوں۔ (مسند احمد) مسند کی اس روایت میں ایک راوی علی بن یزید الہانی ہے۔ ابن حجر اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے علی بن یزید کو ناقابلِ اعتبار بتایا ہے۔ امام بخاری اسے منکر الحدیث اور ضعیف کہتے ہیں۔ امام ترمذی کا بیان ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ امام نسائی کے نزدیک بھی یہ ثقہ نہیں ہے۔ ایک راوی

---

(۱) شرح احیاء ج ۶، ص ۴۶۶

کرج بن فضالہ حمصی بھی ہے۔ یحییٰ بن معین اسے ضعیف الحدیث کہتے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے۔[۱]

ایک اور روایت پیش کی جاتی ہے کہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت میں کچھ لوگ ریشم، حریر، شراب اور مزامیر کو حلال کرلیں گے۔'' یہ حدیث منقطع ہے۔ صدقہ بن خالد اور بخاری کے درمیان سند منقطع ہے۔ اب آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ اس قسم کی روایات سے غنا اور مزامیر کی تحریم کس حد تک درست ہوسکتی ہے۔

علاّمہ ابن حزم نے کہا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان چیزوں کی حرمت کی کوئی تفصیل نہیں آئی تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں حلال ہیں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی لکھتے ہیں کہ ہم نے حنفی اور غیر حنفی فقہا کی جتنی عبارتیں دیکھی ہیں ان میں سماعِ مزامیر کی حرمت کے ساتھ لہو کی قید لگی ہوئی ہے۔ اگر کہیں بالفرض اس قید کے بغیر حرمت کا ذکر ملے تو یہی کہا جائے گا کہ کہنے والے کا مقصود وہی باجے ہیں جو لہو کی غرض سے ہوں۔[۲] یعنی گانا اور باجے اس وقت حرام ہیں جب سفلی جذبات اس کے محرک ہوں۔ لہو سے مراد یہاں فرائض و واجبات سے غفلت یا منکرات و مکروہات میں مبتلا ہونا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دل بہلانے یا غم غلط کرنے کے لیے یا اعلانِ نکاح وغیرہ کے لیے گانا بجانا لہو نہیں ہے۔ امام شوکانی نے نیل الاوطار میں اس سلسلے میں بڑی جامع بحث کی ہے۔ اور وہ اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حرمتِ غنا و مزامیر کی تمام روایات ناقابلِ قبول ہیں۔ علاّمہ شامی نے لکھا ہے کہ آلہ لہو بذاتہٖ حرام نہیں بلکہ ارادۂ لہو کی وجہ سے حرام ہیں اور یہ ایک اضافی چیز ہے۔ امام شوکانی نے اپنی کتاب ''ابطال دعویٰ الاجماع فی تحریم مطلق السماع'' میں لکھا ہے کہ ظاہریہ، مالکیہ، حنابلہ، شافعیہ ہر ایک میں سے ایک جماعت نے ان احادیث کو ضعیف بتایا ہے، جو حرمتِ غنا کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ ان احادیث کو نہ ائمۂ اربعہ نے حجت مانا ہے اور نہ داؤد ظاہری نے نہ سفیان ثوری نے ...ابوبکر بن العربی نے بھی اپنی کتاب احکام الاحادیث میں ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوبکر بن العربی کہتے ہیں کہ غنا اور آلاتِ لہو (مزامیر) کی حرمت کے متعلق جتنی بھی احادیث آئی

---

(۱) تہذیب التہذیب

(۲) مفصل بحث کے لیے دیکھیں: ایضاح الدلالات فی سماع الآلات، ص ۲۳، ۲۵

ہیں ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمتِ سماع کے متعلق ایک حدیث بھی صحیح موجود نہیں ہے۔ اس بارے میں جو کچھ ہے وہ سب موضوع ہے۔(۲)

اسلام ایک زندہ تحریک اور دعوت ہے۔ اس کے پیشِ نظر ایک عظیم انقلاب ہے۔ اس کے پیش نظر جو منصوبہ اور پروگرام ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ پروگرام ہے دنیا والوں تک حق کا پیغام پہنچانا اور ان کو یوم الحساب سے باخبر کرنا، اسلام کے پیرووں کو اسلام کا سچا پیرو بنانا، ان کی تعلیم و تربیت کا نظم کرنا، اور ان کے اندر دعوتی جذبہ کو اُبھارنا کہ وہ داعیِ حق بن کر دنیا میں اپنی ذمے داریوں کو پوری کرنے کے لیے کوشاں ہوں۔ اب اگر کوئی شخص موسیقی اور نغمہ سرائی کا ایسا دل دادہ ہو اور اس میں اس کا انہماک اِس درجہ بڑھ جائے کہ دین کی اہم ذمے داریوں کا اسے مطلق خیال نہ رہے۔ وہ یہ بھول ہی جائے کہ اس کے رب کی بھی کچھ مرضیات ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا ہر مومن شخص کے لیے ضروری ہے۔ تو یہ صورتِ حال لازماً قابل اصلاح ہے۔ مومن کی زندگی میں اعتدال ضروری ہے۔ اور یہ اعتدال اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے جب کہ وہ سنتِ نبویؐ کو اپنے لیے رہنما قرار دے۔ نبی ﷺ نے نہ تو زندگی کو اتنا خشک بنانے کی تلقین کی آدمی کے لیے خوشیوں اور مسرتوں کا کوئی موقع ہی باقی نہ رہے اور نہ آپ ﷺ ایسے خشک مزاج اور شدت پسند تھے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کو مجبور کیا ہو کہ وہ حرام ہی نہیں مباح چیزوں کو بھی اپنے اوپر مطلقاً حرام قرار دے لیں، کہ دنیا یہ کہنے پر مجبور ہو کہ اسلام آسانی کے بجائے سختی اور کشادگی کے بجائے تنگی کی تعلیم دیتا ہے۔ متقدمین میں سے کچھ لوگوں نے اگر مباح سے بھی پرہیز کیا ہے تو ان کا یہ طرزِ عمل محض تنزیہاً تورع کی بنا پر تھا۔ انھوں نے عمدہ اور نرم کپڑوں کو بھی ترک کر دیا۔ عمدہ غذائیں بھی انھوں نے چھوڑی ہیں حالاں کہ یہ ساری چیزیں حلال ہیں۔ کسی کے ذاتی اور محض ذوقی طرزِ عمل کو منصوص حکم کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن غنا اور موسیقی کے نام سے فواحش کی اشاعت اور فضا کو ناخوشگوار آوازوں کی آلودگی (Noise Pollution) سے بھر دینے کی حمایت اسلام ہرگز نہیں کر سکتا۔

---

(۱) ایضاح الدلالات فی سماع الآلات، ص ۴۰، ۴۱

گانا یا غنا

﴿۱﴾ عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ: جَاءَ النَّبِیُّ ﷺ فَدَخَلَ حِیْنَ بُنِیَ عَلَیَّ فَجَلَسَ عَلٰی فِرَاشِیْ کَمَجْلِسِکَ مِنِّیْ فَجَعَلَتْ جُوَیْرِیَاتٌ لَّنَا یَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَ یَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِیْ یَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدَاهُنَّ وَ فِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَالَ دَعِیْ هٰذِهٖ وَ قُوْلِیْ بِالَّذِیْ کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ بنت عفراءؓ بیان کرتی ہیں کہ جب میں اپنے شوہر کے یہاں نکاح کے بعد آئی تھی نبی ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اسی طرح بیٹھ گئے، جس طرح تم (خالد ابن ذکوان) میرے بستر پر بیٹھے ہو۔ گھر میں جو لڑکیاں موجود تھیں وہ دف بجانے لگیں اور ہمارے آبا میں سے جو لوگ بدر کی جنگ میں شہید ہوئے تھے ان کی مدح سرائی اور اظہارِ غم کرنے لگیں۔ ان میں سے ایک لڑکی نے یہ بھی کہا کہ ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہے، جو کل واقع ہونے والی بات کو جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ”اس بات کو چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔“

تشریح: یہ حدیث ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی روایت کی گئی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا تھا: لَا یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدًا اِلاَّ اللّٰهُ ”کل ہونے والی بات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ مَرَّ بِبَعْضِ اَزِقَةِ الْمَدِیْنَةِ فَاِذَا هُوَ بِجَوَارٍ یَضْرِبْنَ بِدُفِّهِنَّ وَ یَتَغَنَّیْنَ وَ یَقُلْنَ: نَحْنُ جَوَارٌ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ. یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ. فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَللّٰهُ یَعْلَمُ اِنِّیْ لَاُحِبُّکُنَّ. (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ مدینہ کے ایک کوچے سے گزرے تو دیکھا کہ کچھ لڑکیاں اپنے دف بجا بجا کر یہ گا رہی ہیں:

بنی نجار کی ہم بیٹیاں ہیں کیا کہنا!
خوشا نصیب محمدؐ ہمارے ہمسایہ!!

یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: ”اللہ خوب جانتا ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔“

تشریح: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے بنی نجار کی لڑکیوں کے گانے بجانے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ لڑکیاں، جو اپنے گانے میں نبی ﷺ کے ہم سایہ ہونے پر نازاں تھیں اور اس پر اپنی خوش نصیبی کا اظہار کر رہی تھیں۔ آپؐ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مجھے بھی تم سے محبت ہے اور خدا اسے بخوبی جانتا ہے کہ تم مجھے بے حد عزیز ہو۔

〈۳〉 وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اَنْكَحَتْ عَائِشَةُؓ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: اَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ؟ قَالُوْا: نَعَمْ. قَالَ: اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ يُّغَنِّيْ؟ قَالَتْ: لَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَّقُوْلُ:

اَتَيْنَـاكُمْ اَتَيْنَـاكُمْ
فَحَيَّـانَا وَحَيَّـاكُمْ (ابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی کسی رشتے دار انصاریہ کا نکاح کرا دیا۔ رسولِ خدا ﷺ تشریف لائے تو دریافت فرمایا: ''کیا تم نے اس لڑکی کو رخصت کر دیا؟'' عرض کیا کہ ہاں۔ آپؐ نے فرمایا: ''کیا اس کے ساتھ کسی ایسے کو بھیجا جو گاتا؟'' عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا: ''انصار تو ایسے لوگ ہیں جو اشعار مطربہ سے رغبت رکھتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم نے اس کے ساتھ کسی ایسے کو بھیجا ہوتا جو یہ گاتا ہوا جاتا:

آئے تمھارے پاس ہم، آئے تمھارے پاس
بخشے خدا حیات ہمیں، تم کو بھی حیات!!

تشریح: حضرت عائشہؓ نے جس انصاریہ کا نکاح کرایا تھا اس کا نام فارعہ بنت اسعد تھا۔ اور اس کا نکاح نبیط بن جابر انصاری سے ہوا تھا۔

ایک روایت میں ہے اس موقعے پر آپؐ نے فرمایا: فَاَدْرِكِيْهَا يَا زَيْنَبُ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُغَنِّيْ فِي الْمَدِيْنَةِ ''اے زینب جلدی روانہ ہو کر دُلہن کے ساتھ ہو جاؤ۔'' یہ مدینہ کی ایک گانے والی عورت تھی۔ اسے ابوزبیر محمد بن مسلم مکی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ حافظ محمد بن طاہر مقدسی بھی اسے اپنی سند سے روایت کرتے ہیں۔ اس روایت سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے

کہ حضور ﷺ کو انصار کی خاطر داری اس قدر منظور تھی کہ مغنیہ کو دوڑایا کہ وہ گاتی بجاتی دلہن کے ساتھ اس کی سسرال جائے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''انصار گانے کو پسند کرتے ہیں۔'' آپؐ نے انصار کی اس پسندیدگی کا لحاظ فرمایا۔ یہ حلت غنا کی ایک واضح دلیل ہے۔

﴿۴﴾ وَ عَنْ سَائِبِ بْنِ یَزِیْدٍ قَالَ اِنَّ امْرَاۃً جَاءَ تْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: یَا عَائِشَۃُ اَتَعْرَفِیْنَ ھٰذِہٖ؟ فَقَالَتْ: لاَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ حَدِّثْنَا، قَالَ: ھٰذِہٖ قِیْنَۃُ بَنِیْ فُلاَنٍ اَتُحِبِّیْنَ اَنْ تُغَنِّیْکِ فَغَنَّتْھَا. فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: قَدْ نَفَخَ الشَّیْطَانُ فِیْ مَنْخَرِیْھَا. (نسائی)

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی۔ آپؐ نے پوچھا: ''اے عائشہ تم اسے پہچانتی ہو؟ عرض کیا کہ نہیں، اے اللہ کے نبی، آپ ہمیں بتائیں۔ فرمایا: ''یہ مغنیہ فلاں قبیلہ کی ہے۔ کیا تم پسند کرو گی کہ یہ تمھارے لیے کچھ گائے۔'' اس کے بعد اس نے حضرت عائشہ کو گانا سنایا۔ نبی ﷺ نے سن کر فرمایا: ''یہ تو بلا کی گانے والی ہے۔''

تشریح: اس حدیث کے اس فقرے: قَدْ نَفَخَ الشَّیْطَانُ فِیْ مَنْخَرِیْھَا کا لفظی ترجمہ بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ ''اس کے نتھنوں میں شیطان نے پھونک ماری ہے۔'' حالاں کہ یہ ایک عربی محاورہ ہے۔ اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ یہ تو بلا کی گانے والی ہے۔ محض لفظ شیطان سے اس کے مذموم ہونے پر استدلال صحیح نہ ہوگا۔ اس مغنیہ کے گانے کو آپؐ نے خود سنا اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سنوایا، پھر اسے شیطان کی طرف کیسے منسوب کر سکتے ہیں۔

﴿۵﴾ وَ عَنْ عَائِشَۃَؓ لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَلْمَدِیْنَۃَ جَعَلَ النِّسَآءُ وَالصِّبْیَانُ یَقُلْنَ:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَـا دَعَا لِلّٰـہِ دَاع
اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع

(البیہقی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو عورتیں اور بچے (آپؐ کے استقبال میں) یہ نغمہ گا رہے تھے:

''آج ہم پر چاند اُگا ہے، وداع کی وادیوں سے۔ ہم پر لازم ہوا شکر خدا کا

جب تک کوئی پکارنے والا خدا کو پکارے!
آپؐ تو ایسا نظام لے کر آئے ہیں، جو واجب الاتباع ہے، اے ہم میں
مبعوث ہونے والے۔''!!

تشریح: اس نغمہ کا آخری شعر بیہقی کی روایت میں نہیں ہے لیکن دوسری روایات میں یہ شعر ملتا ہے (البدایة والنهایة، ج ۳، صفحہ ۱۹۷) دوسری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں دف پر گا رہی تھیں اور اشعار کو گانے والی محض کمسن لڑکیاں ہی نہ تھیں بلکہ پردہ نشین عورتیں بھی اس موقعے پر بالکنیوں پر چڑھ گئیں اور آپؐ کی آمد کی خوشی میں طلع البدر علینا گانے لگیں۔

〈۲〉 وَ عَنْ بُرَيْدَةَ بْنِ الْحَصِيْبِ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا رَجَعَ مِنْ بَعْضِ مَغَازِيَةٍ جَآءَتْهُ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّىْ كُنْتُ نَذَرْتُ اِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ سَالِمًا اَنْ اَضْرِبَ بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَ اَتَغَنّٰى فَقَالَ لَهَا اِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِىْ وَ اِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ هِىَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهِىَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ اِسْتِهَا وَ قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ. (الترمذی)

ترجمہ: حضرت بریدہ بن حصیبؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوے سے واپس تشریف لائے تو ایک کالی سی لڑکی آپؐ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ یا رسول اللہ میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ آپؐ کو صحیح سالم واپس لے آیا تو میں آپ کے سامنے دف بجا بجا کر گاؤں گی۔ آپؐ نے فرمایا: ''اگر منت مانی تھی تو گا بجا لے ورنہ رہنے دے۔'' اس کے بعد وہ گانے بجانے لگی۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی ہی رہی۔ پھر حضرت عمرؓ آئے تو اس نے دف کو اپنے کولھے کے نیچے رکھ لیا اور اس پر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عمر، تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے۔''

تشریح: یعنی عمرؓ سے جب شیطان ڈر جاتا ہے تو یہ عورت کیوں نہ ڈر کر خاموش ہو جاتی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس عورت کا گانا بجانا کوئی شیطانی فعل تھا۔ اگر یہ بات ہوتی تو نبی ﷺ اس کے سننے کے روادار ہرگز نہ ہوتے اور نہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کو اس کے سننے کی

اجازت دیتے۔ حضرت عمرؓ مزاج کے لحاظ سے سخت تھے۔ اور ان کی اس سختی سے چھوٹے بڑے سبھی واقف تھے۔ اس عورت کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اسے ان کی ڈانٹ نہ سننی پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اپنے مزاج کے لحاظ سے نہایت نرم تھے۔ اس لیے ان کے آنے پر اس عورت کو کوئی خوف نہ ہوا اور وہ سابق بدستور گاتی بجاتی رہی۔

(۷) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: كَانَتْ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ اِمْرَأَةٌ تُغَنِّيْ فَاسْتَاْذَنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِؓ فَاَلْقَتِ الدُّفَّ وَ قَامَتْ فَدَخَلَ عُمَرُؓ وَالنَّبِيُّ ﷺ يَضْحَكُ فَقَالَ بِاَبِيْ اَنْتَ وَ اُمِّيْ مَا اَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهُ الْخَبَرَ فَقَالَ: لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَسْمَعَ لَمَّا كَانَ يَسْمَعُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی ﷺ کے پاس گا رہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ اس گانے والی نے دف کو نیچے ڈال دیا اور کھڑی ہوگئی۔ جب حضرت عمرؓ اندر آئے تو نبی ﷺ ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کیوں ہنسے؟ آپؐ نے صورتِ حال کا ذکر فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں تو یہاں سے ٹلنے کا نہیں جب تک وہی نہ سن لوں، جس کو اللہ کے رسولؐ نے سنا ہے۔ آخر حضرت عمرؓ نے بھی سنا۔"

تشریح: یہ حدیث محمد بن طاہر محدث نے اپنی سند سے روایت کی ہے۔ اس روایت کو ایک دوسری سند سے محمد بن اسحاق فاکہی محدث نے تاریخ مکہ میں نقل کیا ہے۔ علامہ نور اللہ، ابن اسحاق کی سند کو اصح الاسناد قرار دیتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی موجودگی میں اصرار کر کے گانے والی کا گانا بجانا سنا۔ اگر اس کے سننے میں حرمت کا کوئی شائبہ بھی ہوتا تو حضرت عمرؓ ہرگز اس کے سننے کے لیے اصرار نہ فرماتے۔ اور نہ خود نبی ﷺ ہی ایک حرام چیز کے سننے کی اجازت انھیں دے سکتے تھے۔ یہاں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ کسی عید یا شادی کے موقعے کی بات نہیں ہے، جواز کے لیے جس کی فقہاء شرط لگاتے ہیں۔

(۸) وَ عَنْهَا قَالَتْ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَ صَوْتَ صِبْيَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاِذَا حَبَشِيَّةٌ تَزْفِنُ وَ الصِّبْيَانُ حَوْلَهَا فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ تَعَالَيْ فَانْظُرِيْ فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لِحْيِيَّ عَلٰى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

فَجَعَلْتُ النَّظْرَ اِلَیْهَا فَقَالَ اَمَّا شَبِعْتِ اَمَّا شَبِعْتِ؟ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لاَ لِاَنْظُرَ مَنْزِلَتِیْ عِنْدَهٗ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے شور اور لڑکوں کی آواز سنی۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوگئے۔ دیکھتے ہیں کہ ایک حبشی عورت تھرک کر گا رہی ہے اور بچے اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''اے عائشہ، آؤ دیکھو! میں آئی اور میں نے اپنی ٹھوڑی رسول اللہ ﷺ کے کاندھے پر رکھ دی اور دیکھنے لگ گئی۔ آپؐ نے کئی بار دریافت فرمایا: ''کیا ابھی سیری نہیں ہوئی؟ کیا ابھی سیری نہیں ہوئی؟'' میں اس خیال سے کہ دیکھوں آپؐ کو میری کتنی خاطر منظور ہے، یہی کہتی کہ ابھی نہیں۔''

تشریح: یہ اور اس طرح کی دوسری روایات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ نبی ﷺ میں کسی قسم کی ناروا سختی بالکل نہ تھی۔ دوسروں کے لیے آپؐ نہایت کریم تھے۔ ام المومنین کی دل بستگی کا پورا خیال رکھتے تھے۔ بقدر ضرورت تفریح کی چیز گانا وغیرہ سن لیتے تھے۔ لیکن یہ بس اس حد تک تھا کہ اس کی وجہ سے دین اور اس کے اصل تقاضوں کی طرف سے غافل نہ ہوں۔ ایسے لہو اور تفریح کے حرام ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں ہوسکتا، جس کا مقصد آدمی کو غفلت میں ڈال دینا اور راہِ حق سے ہٹا دینا ہو۔

آج کے دور میں سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی سے ایکسرے، سنیما، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ نے جنم لیا ہے، جن کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مجتہدانہ بصیرت سے کام لیں اور غور وفکر کریں کہ ان جدید ایجادات اور تصویر و آہنگ کے امتزاج سے دینی روایات کے احیا، اور دین کی اشاعت کا کام کس طرح لیا جاسکتا ہے۔ اور ان موثر ترین ذرائع کو تخریب کے بجائے تعمیری کاموں میں کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔

کتّا پالنا

〈۱〉 عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ اَمْسَکَ کَلْبًا فَاِنَّهٗ یَنْقُصُ کُلَّ یَوْمٍ مِنْ عَمَلِهٖ قِیْرَاطٌ اِلَّا کَلْبَ حَرْثٍ اَوْ مَاشِیَةٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے کتا پالا تو

ہر روز اس کے عمل سے ایک قیراط ثواب کی کمی ہوتی رہتی ہے، سوائے اس کے کہ کتا کھیتی یا جانوروں کی حفاظت کی غرض سے پالا جائے۔''

تشریح: بخاری کی ایک روایت میں ہے: اِلَّا كَلْبَ غَنَمٍ اَوْ حَرْثٍ اَوْ صَيْدٍ ''سوائے اس کے کہ وہ کتا بکریوں اور کھیتی کی حفاظت کے لیے یا شکار کے لیے ہو۔'' یہ حدیث بتاتی ہے کہ کتا پالنے کا شوق اسلامی ذوق کے خلاف ہے۔ کتا پالنے کا شوق اسی شخص کو ہو سکتا ہے، جسے اپنے اوقات کی قدر و قیمت کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہ ہو۔ فضول کاموں سے دلچسپی اسی کو ہوگی جو اصل مقصد حیات سے بے خبر رہ کر زندگی گزار رہا ہو۔ البتہ ضرورت کے تحت کتا پالنے کی اجازت ہے۔ مثلاً کھیت یا جانوروں کی حفاظت یا شکار وغیرہ کے لیے کتا پالا جا سکتا ہے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنِ اقْتَنٰى كَلْبًا اِلَّا كَلْبَ مَاشِيَةٍ اَوْ ضَارِيًا نُقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ كُلَّ يَوْمٍ قِيْرَاطَانِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کسی نے کوئی کتا پالا سوائے اس کتے کے جو جانوروں کی حفاظت کے لیے ہو یا شکاری ہو تو اس اس کا اجر و ثواب ہر روز دو قیراط کے برابر گھٹتا رہے گا۔''

تشریح: کتا ایک ناپاک جانور ہے۔ یہ لوگوں کے لیے موجب اذیت بھی ہوتا ہے۔ کبھی کسی برتن میں منہ ڈال دے تو برتن ناپاک ہو جائے۔ کبھی اس کی وجہ سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ آنے جانے والے لوگوں پر بغیر ضرورت کے بھی بھونکنے لگتا ہے اور انھیں کاٹنے کو دوڑتا ہے۔ اس لیے ضرورت کے تحت ہی اسے پالا جا سکتا ہے۔ محض شوق پورا کرنے کے لیے اسے پالنا نادانی کی بات ہے۔

کتا پالنے سے وجہ سے کسی روایت میں ایک قیراط ثواب کم ہونے کے نقصان کا ذکر ہے اور کسی روایت میں دو قیراط ثواب کے گھٹنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اختلاف کتوں کی قسم کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے۔ جو کتا زیادہ خطرناک اور موذی ہو، اس کی وجہ سے دو قیراط اجر گھٹے گا ورنہ ایک قیراط کا نقصان تو ہوگا ہی۔ یہ بھی ممکن ہے یہ فرق مقامات کے فرق کی بنا پر ہو۔ پاک اور مقدس مقامات پر کتا پالنا زیادہ معیوب بات ہے بہ نسبت اس مقام کے جو مقدس شہر سے باہر ہو۔

شکار

﴿۱﴾ عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍؓ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِﷺ فَقُلْتُ اِنَّا قَوْمٌ نَتَصَیَّدُ بِھٰذِہِ الْکِلاَبِ. فَقَالَ: اِذَا اَرْسَلْتَ کِلاَبَکَ الْمُعَلَّمَةَ وَ ذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰہِ فَکُلْ مِمَّا اَمْسَکْنَ عَلَیْکَ اِلاَّ اَنْ یَّأْکُلَ الْکَلْبُ فَلاَ تَأْکُلْ فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّکُوْنَ اِنَّمَا اَمْسَکَ عَلٰی نَفْسِہٖ وَ اِنْ خَالَطَھَا کَلْبٌ مِّنْ غَیْرِھَا فَلاَ تَأْکُلْ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہﷺ سے دریافت کیا کہ ہمارا تعلق ایسی قوم سے ہے، جس کے لوگ ان کتوں کے ذریعے سے شکار کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم نے سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لیا ہو تو جو تمھارے لیے رکھ چھوڑے اس میں سے کھاؤ۔ البتہ اگر وہ خود کھالے تو تم نہ کھاؤ کیوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس نے دراصل شکار کو اپنے لیے پکڑا۔ اور اگر اس کے ساتھ دوسرے کتے بھی شریک ہوگئے ہوں تو نہ کھاؤ۔''

تشریح: اس حدیث سے شکار کے جواز کا ثبوت ملتا ہے۔ اگر سدھائے ہوئے شکاری جانور کے ذریعے سے شکار کیا جائے تو یہ ضروری ہے کہ شکاری جانور (کتے) کو شکار پر چھوڑتے ہوئے اللہ کا نام لے لیا جائے۔ اس کے بعد اگر شکار زندہ ملے تو اسے خدا کا نام لے کر ذبح کرلیا جائے۔ اور اگر وہ زندہ نہ ملے تو اس کے بغیر بھی وہ حلال ہوگا۔ ابتداءً شکاری جانور کو اس پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لینا کافی سمجھا جائے گا۔ تیر کا حکم بھی یہی ہے۔ اور اگر شکاری جانور یعنی کتے نے شکار کرکے کچھ کھالیا تو پھر اسے کھانا روا نہ ہوگا کیوں کہ اس نے شکار کو اپنے لیے پکڑا۔ شکار کرنے کے بعد اگر شکار کے پاس چھوڑے ہوئے کتے کے علاوہ دوسرے کتے بھی موجود ہوں تو پھر اس شکار کا کھانا حلال نہ ہوگا۔ کیوں کہ اللہ کا نام لے کر ان دوسرے کتوں کو تو چھوڑا نہیں گیا تھا۔

مومن شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ توحید کے تقاضوں کو کسی وقت نظر انداز کرسکے۔ توحید کا پاس ولحاظ رکھنا زندگی کا اوّلین فرض ہے۔ توحید محض کوئی ایک خشک عقیدہ نہیں ہے بلکہ مومن کے لیے اس کی حیثیت ایک نازک ترین احساس کی ہوتی ہے۔ ایسا نازک احساس جو معمولی سے معمولی صدمہ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

آثارِ قدیمہ

﴿۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ اَنَّ النَّاسَ نَزَلُوْا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْحِجْرِ اَرْضِ ثَمُوْدَ فَاسْتَقَوْا مِنْ اٰبَارِهَا وَ عَجَنُوْا بِهِ الْعَجِيْنَ فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ يُّهْرِيْقُوْا مَا اسْتَقَوْا وَ يَعْلِفُوا الْاِبِلَ الْعَجِيْنَ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّسْتَقُوْا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِيْ كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ حجر یعنی ثمود کی سرزمین میں اُترے۔ لوگوں نے وہاں کے کنوؤں کا پانی پینے کے لیے لیا اور اس سے آٹا گوندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ جو پینے کا پانی لیا ہے اُسے بہادیں اور آٹا اونٹ کو کھلادیں (خود نہ کھائیں)۔ اور آپؐ نے انھیں حکم دیا کہ پینے کا پانی اس کنویں سے لیں، جس پر (حضرت صالحؑ کی) اونٹنی (پانی پینے کے لیے) آتی تھی۔

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ آثارِ قدیمہ اور عبرتناک مقامات سے ہمیں کیا سبق حاصل کرنا چاہیے۔ تباہ شدہ بستیاں اور کھنڈر تفریح کے لیے نہیں ہیں بلکہ وہ ہمارے لیے سامانِ عبرت ہیں۔ ان کو سیر گاہ ہرگز نہیں بنانا چاہیے۔ ایسے مقامات سے گزر ہو تو ہم پر اس درجہ خوف طاری ہونا چاہیے کہ ہم رو پڑیں۔ بہتر ہے کہ وہاں سے جلد سے جلد نکل جائیں۔ نہ وہاں کا پانی استعمال کریں اور نہ اور کوئی چیز کام میں لائیں اور اگر غلطی سے وہاں کے پانی سے آٹا وغیرہ گوندھ لیا ہو تو اسے جانوروں کو کھلادیں، خود اس کی روٹی ہرگز نہ کھائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تباہ شدہ اور معذب بستیوں کو دیکھنے کے بعد ہمارا کھانا پینا اور سیر و تفریح ہماری غفلت اور بے پروائی پر محمول ہو اور ہم خدا کے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔

﴿۲﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: مَرَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ عَلَى الْحِجْرِ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا تَدْخُلُوْا مَسَاكِنَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ اِلَّا اَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ حَذَرًا اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلَ مَا اَصَابَهُمْ ثُمَّ زَجَرَ فَاَسْرَعَ حَتّٰى خَلَّفَهَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادیِ حجر سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا: ”ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا، جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا الا یہ کہ روتے اور گریہ وزاری کرتے ہوئے داخل ہو۔ بچو، مبادا تم پر اسی قسم کا عذاب آجائے

جوان پر آیا تھا۔'' پھر آپؐ نے سواری کو ڈانٹا اور اسے نہایت تیزی سے ہانکا یہاں تک کہ حجر پیچھے رہ گیا۔

تشریح: خدا کے غضب اور اس کی ناراضی کے خیال سے تو ہمیں ہمیشہ اور ہر حال میں لرزاں و ترساں رہنا چاہیے۔ ایسے مقام پر پہنچ کر خدا کا خوف ہمیں اور زیادہ ہونا چاہیے، جو کبھی عذابِ الٰہی کی زد میں آ چکا ہو۔ پکنک (Picnic) اور تفریح کے لیے ایسے مقامات کا انتخاب ہرگز نہیں کرنا چاہیے، جن پر ماضی میں کبھی خدا کا عذاب نازل ہوا ہو۔

خواب

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ. قَالُوْا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نبوت کے آثار میں سے اب کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے؟'' عرض کیا کہ مبشرات سے مراد کیا ہے؟ فرمایا: ''اچھے خواب۔''

تشریح: نبوت کے ذریعے سے انسان کو ان امور کی اطلاع ہو سکتی ہے جن کے جاننے کا کوئی دوسرا ذریعہ ہمارے پاس نہ تھا۔ غیبی امور کے بارے میں جب تک صحیح علم بہم نہ پہنچے انسان کے لیے کوئی فلسفۂ حیات مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی زندگی کا بڑا حصہ غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ مثلاً اس کا خالق کون ہے؟ انسان کے دنیا میں پیدا کیے جانے کی اصل غرض و غایت کیا ہے؟ انسانی سفرِ حیات کی آخری منزل کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان امور کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنے کا ذریعہ صرف نبوت ہے۔ زندگی کے ان پہلوؤں کو جن کا تعلق غیب سے ہے، ہم نظر انداز بھی نہیں کر سکتے۔ ان کے بارے میں کوئی نہ کوئی رائے تو قائم کرنی پڑتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے بارے میں خاموشی اور توقف اختیار کرتا ہے جب بھی عملی طور پر وہ اپنی زندگی اس طرح بسر کرنے پر مجبور ہوگا، جیسے دنیا کی زندگی ہی اس کے لیے سب کچھ ہے۔ موت کے بعد کے مراحل کے سلسلے میں اگر وہ بے خبر ہے تو پھر ان مراحل سے کامیاب اور باعافیت گزرنے کے لیے وہ پہلے سے کوئی تیاری کیسے کر سکتا ہے۔ وہ تو دنیا میں اس طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوگا، جیسے آگے کچھ بھی پیش آنے والا نہیں ہے۔

نبوت کے ذریعے سے ہمیں صحیح عقائد اور صحیح نظریات کا علم ہوتا ہے اور صحیح طریقِ زندگی سے ہم واقف ہوتے ہیں۔ ان نظریات و عقائد کے سلسلے میں جو غیبی امور سے تعلق رکھتے ہیں نبوت ہی ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔

حضور ﷺ کے بعد چوں کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اس لیے آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے بعد دنیا میں نبوت اور نبوت کی کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ عالمِ بالا سے وحی (Revelation) کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہوگا۔ البتہ نبوت سے مشابہت رکھنے والی اگر کوئی چیز باقی رہے گی تو وہ اچھے خواب (مبشرات یا رویائے صالحہ) ہیں۔ ایسی خبر اور اطلاع جس کے حصول کا کوئی مادّی ذریعہ نہیں ہو سکتا، ایسی اطلاع یا خبر اہلِ ایمان کو خواب کے ذریعے سے مل سکے گی۔ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اچھے سے اچھا خواب یا مکاشفات کسی کو نبی نہیں بنا سکتے۔ نبوت چیز ہی اور ہے۔ نبوت حقیقت میں کسبی نہیں، ایک وہبی نعمت ہے۔ اللہ نے جسے چاہا عطا فرمایا۔ رویائے صالحہ کی حیثیت مبشرات کی ہے، یہ ہمارے لیے موجبِ تسکین ہو سکتے ہیں۔ ان کے ذریعے سے جو اطلاعات حاصل ہوئی ہیں انسانی تاریخ میں ان سے فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَ اَرْبَعِيْنَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''

تشریح: مشابہت کی وجہ سے اچھے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا گیا ہے۔ چھیالیسواں حصہ فرمانے سے کسی خاص عدد کی تحدید مقصود نہیں ہے بلکہ محض تکثیر مراد ہے۔ یعنی اچھا خواب نبوت کا حصہ ہے خواہ یہ حصہ نہایت قلیل ہی کیوں نہ ہو۔ چناں چہ چھیالیس کے بجائے ایک روایت میں چھہتر اور ایک روایت میں چوبیس کا عدد استعمال ہوا ہے۔ خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ نیک راہ و روش، حلم اور میانہ روی نبوت میں سے ہے۔ یعنی اسے معمولی چیز نہ سمجھو۔ اس کا تعلق تو نبوت سے ہے۔ یہ وہ اخلاق ہے، جس سے انبیاء علیہم السلام کو شرف بخشا گیا۔

﴿۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ مِنَ اللّٰهِ

وَالْحُلُمُ مِنَ الشَّيْطَانِ. فَاِذَا رَاىٰ اَحَدُكُمْ مَا يُحِبُّ فَلاَ يُحَدِّثُ بِهٖ اِلَّا مَنْ يُّحِبُّ وَ اِذَا رَاىٰ مَا يَكْرَهُ فَلْيَتعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا وَ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَلْيَتْفُلْ ثَلٰثاً وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا اَحَدًا فَاِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اچھا خواب خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے۔ پس جب تم میں سے کوئی شخص پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے صرف اس شخص سے بیان کرے، جس سے اسے محبت ہو۔ اور جب وہ کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے پسند نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ اس خواب کے شر سے اور شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرے اور تین بار تھتکار دے اور کسی سے اس خواب کو بیان نہ کرے۔ اس لیے کہ وہ خواب اسے ہرگز ضرر نہ پہنچائے گا۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ اچھے خواب کو بیان کرے تو صرف اس شخص سے بیان کرے جو اپنا دوست اور ہمدرد ہو۔ جو اپنا ہمدرد نہیں ہے، اس کے دل میں اس سے حسد پیدا ہوسکتا ہے اور یہ چیز اپنے لیے اور خود اس کے لیے بھی ضرر رساں ہے۔ قرآن میں بھی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تم اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ان کے حسد میں اضافہ ہوگا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ اپنی چالوں سے باز آنے کا نہیں ہے۔ وہ انھیں برائی ہی پر آمادہ کرے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ایک عمدہ خواب دیکھا تھا، جس میں اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا کہ حضرت یوسفؑ کو خدا زندگی میں عزت و عظمت کا مقام عطا کرنے والا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب اپنے والدِ محترم سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے ہرگز بیان نہ کرنا۔ (دیکھیے سورۂ یوسف: ۴-۶)

خواب برا ہو تو کسی سے بیان نہیں کرنا چاہیے۔ برا خواب شیطانی اثرات سے پاک نہیں ہوتا۔ شیطان چاہتا ہے کہ مومن بندے کو پریشانی میں مبتلا کردے۔ یہاں تک کہ وہ خدا سے بدگمان اور اس کی رحمت سے مایوس ہوجائے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب کوئی برا خواب دیکھے تو بائیں طرف سے تین بار تھتکار دے اور تین بار شیطان کے شر سے بچنے کے لیے خدا سے پناہ مانگے

اور اپنی کروٹ تبدیل کر دے، جس پر وہ خواب دیکھنے کے وقت سویا ہوا تھا۔ یہ چیز برے خواب کے اثرات کو دفع کرنے میں حد درجہ موثر ہوگی۔ نفسیاتی لحاظ سے بھی اس کی بڑی اہمیت ہے۔

﴿۴﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا اقْتَرَبَ الزَّمَانُ لَمْ یَكَدْ تَكْذِبُ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ وَ رُؤْیَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَ اَرْبَعِیْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّةِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب قیامت قریب ہوگی تو مومن کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔ اور مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔“

تشریح: یومِ قیامت وہ ہے جب حقائق بالکل کھل کر سامنے آجائیں گے۔ حقیقت انسان کی نظروں سے مخفی نہ رہے گی۔ قیامت کے نزدیک آجانے کا ایک اثر یہ ہوگا کہ مومن کا خواب واضح طور پر سچا ثابت ہوگا، اس کا خواب جھوٹا نہ ہوگا۔ جس طرح صبح کے قریب ہونے پر اس کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح قیامت کا وقت قریب آجانے پر اس کے آثار و اثرات بھی نمایاں ہونے لگیں گے۔ اس کے اچھے اثرات مومن کی زندگی سے نمایاں ہوں گے۔ اس لیے کہ مومن کی زندگی کی تشکیل و تعمیر قیامت کی حقیقت سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اس کے مخالف نہیں ہوتی۔

﴿۵﴾ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ اُرَاهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: رَأَیْتُ فِیْ رُؤْیَا اَنِّیْ هَزَزْتُ سَیْفًا فَانْقَطَعَ صَدْرُهٗ فَاِذَا هُوَ مَا اُصِیْبَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ اُحُدٍ ثُمَّ هَزَزْتُهٗ اُخْرٰی فَعَادَ اَحْسَنَ مَا كَانَ فَاِذَا هُوَ مَا جَآءَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْفَتْحِ وَ اِجْتِمَاعِ الْمُؤْمِنِیْنَ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار کو حرکت دی تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی۔ یہ وہ مصیبت تھی جو احد کے دن مومنین کی طرف سے پہنچی۔ پھر میں نے دوسری بار اُسے حرکت دی تو وہ پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگئی۔ یہ وہ چیز تھی جو خدا نے فتح اور مومنین کے اجتماع کی صورت میں ظاہر فرمائی۔“

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے اپنے ایک خواب اور اس کی تعبیر کا ذکر فرمایا ہے۔ آئندہ پیش آنے والے واقعات یا حادثات خواب میں بالعموم تمثیلی انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ احادیث میں بہت سے خوابوں اور ان کی

تعبیر کا ذکر ملتا ہے۔ انسان کی زندگی میں خواب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے خواب ہماری سیرت اور ہماری باطنی حالت وکیفیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ اچھے اور سچے خواب کے لیے صالحیت ہی نہیں صلاحیت بھی ضروری ہے۔

سچے خواب حقیقت میں خدا کی نشانی ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ یہاں صرف مادّیت ہی کی کارفرمائی نہیں پائی جاتی۔ زندگی میں مادیت کے علاوہ بھی کچھ ہے۔ حقیقت صرف مادّیت تک محدود نہیں ہے۔ خواب میں انسان کی دبی ہوئی خواہشات ہی کا تو اظہار نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ بعض لوگ فرائیڈ (Freud) کے نظریات کے زیرِ اثر سمجھنے لگے ہیں۔ آیندہ پیش آنے والے ان غیر متوقع واقعات کی دبی ہوئی خواہش لے کر کون سوتا ہے، جو خواب کے عین مطابق واقع ہوتے دیکھے جاتے ہیں۔

فال نیک

⟨۱⟩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ: لاَ طِیَرَةَ وَ خَیْرُهَا الْفَالُ. قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، وَمَا الْفَالُ؟ قَالَ: اَلْکَلِمَةُ الصَّالِحَةُ یَسْمَعُهَا اَحَدُکُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”شگونِ بد کوئی چیز نہیں اور اس سے بہتر تو فال ہے۔“ لوگوں نے عرض کیا کہ فال کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”اچھی بات جو تم میں سے کوئی سنے۔“

تشریح: مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اُحِبُّ الْفَالَ الصَّالِحَ ”مجھے نیک فال پسند ہے۔“

شگون مثلاً بلّی نے راستہ کاٹ دیا تو یہ خیال کرنا کہ اس سفر میں خطرہ ہے یا جس مقصد کے لیے سفر کر رہے ہیں اس میں ناکامی ہوگی۔ اس کا اسلام میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ محض وہم ہے جس کو دل سے دور کر دینا چاہیے، سب کچھ ارادۂ الٰہی کے تابع ہے۔ خدا کی مشیت میں کسی کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے۔ البتہ کوئی اچھی اور اُمید افزا بات کوئی شخص سنے تو یہ ایک نیک فال ہے۔ اس سے فطری طور سے جی خوش ہوتا ہے اور آدمی کے اندر حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً بیمار شخص کسی سے صحت کے کلمات سنے یا پریشان شخص کسی سے خوشی کے کلمات سنے تو یہ ایک خوش آیند

بات ہے۔ اس سے بیمار کے اچھے ہونے اور پریشان شخص کی پریشانی کے دور ہو جانے کی امید کو تقویت پہنچی ہے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو یاس پسند دیکھنا نہیں چاہتا، یاس، ناامیدی اور بے اطمینانی تو اہلِ کفر کا شعار ہے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَتَفَاءَ لُ وَلاَ يَتَطَيَّرُ وَ كَانَ يُحِبُّ الْاِسْمَ الْحَسَنَ. (شرح السنۃ)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فالِ نیک لیتے تھے۔ شگونِ بد نہیں لیتے تھے۔ نیز آپؐ اچھے نام پسند فرماتے تھے۔

تشریح: نبی ﷺ لوگوں کے اچھے ناموں اور جگہوں کو نیک فال پر محمول فرماتے تھے۔ فالِ نیک سے دل کو خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اس سے اچھے توقعات کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ یہ پسندیدہ بات ہے گو مراد پوری نہ ہو سکے۔ بدفالی مذموم و ممنوع ہے کیوں کہ اس سے خواہ مخواہ رنج و تردد پیدا ہوتا ہے اور آدمی اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ ہوگا وہی جو خدا کی مشیت ہوگی۔

قیافہ

(۱) عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: دَخَلَ عَلَىَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ وَ هُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ: اَىْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَ مُجَزِّزَ الْمُدْلِجِىَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاٰى اُسَامَةَ وَ زَيْدًا وَ عَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُوْسَهُمَا وَ بَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ بہت خوش خوش میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ مجزز مدلجی (قیافہ شناس) آیا اور جب اس نے اسامہ اور زید کو دیکھا جو اس طرح چادر اوڑھے سو رہے تھے کہ ان کے سر چھپے ہوئے تھے اور ان کے پیر کھلے ہوئے تھے تو اس نے کہا کہ ان (دونوں کے) پیروں میں نسبی تعلق ہے۔''

تشریح: حضرت زید بن حارثہؓ گورے اور خوب صورت تھے جب کہ ان کے صاحب زادے اسامہؓ کا رنگ گورا نہ تھا۔ اس فرق کی وجہ سے منافقین حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں

عیب لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ زید کے بیٹے نہیں ہو سکتے۔ حضور ﷺ منافقین کی اس بات سے کبیدہ خاطر ہوتے تھے۔ اسی دوران یہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اس روایت میں) ہے۔ مجز زمدلجی عرب کا مشہور قیافہ شناس تھا۔ وہ لوگوں کی شکل وصورت دیکھ کر ان کے حالات اور اوصاف و خصوصیات معلوم کر لیا کرتا تھا۔ اس نے حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے پیروں کو دیکھ کر از روئے قیافہ یہ فیصلہ کیا کہ یہ دونوں آدمی جو چادر اوڑھے سو رہے ہیں، ان کے پیر گواہی دیتے ہیں کہ یہ باپ بیٹے ہیں۔ حضور ﷺ کو اس سے بے حد مسرت ہوئی کہ اب منافقین کی زبانیں بند ہو جائیں گی اور وہ اسامہؓ کے نسب پر طعن نہ کر سکیں گے۔ کیوں کہ عربوں میں قیافہ شناس کا قول معتبر سمجھا جاتا تھا اور ان کے فیصلہ کو اہل عرب سند کا درجہ دیتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیافہ شناسی کے فن کو بے اصل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اس میں مہارت شرط ہے۔ پامسٹری بھی حقیقت میں قیافہ شناسی ہی کی ایک شاخ ہے۔

جوتش اور علمِ نجوم

﴿۱﴾ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِّنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ، يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَ كَذَا. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ آسمان سے کوئی برکت نازل فرماتا ہے تو انسانوں کی ایک جماعت لازماً اس کے ذریعے سے کفر میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اللہ بارش برساتا ہے تو بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں ستارے کے اثر سے یہ بارش ہوئی۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو برکت کو خدا کی طرف منسوب کرنے اور اس کا فضل وکرم سمجھنے کے بجائے اسے دوسروں مثلاً ستاروں یا دیوی دیوتاؤں کی کرشمہ سازی قرار دیتے ہیں۔ اِس طرح خدا کا شکر گزار ہونے کے بجائے کفر اور ناسپاسی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ستاروں سے بھی انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے اور اٹھاتا بھی ہے۔

قرآن میں ہے: وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (النحل:١٦) ''اور ستاروں کے ذریعے سے بھی وہ راہ پاتے ہیں۔'' وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الانعام:۹۸) ''اور وہی ہے، جس نے تمھارے لیے تارے بنائے، تاکہ تم ان سے خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کرسکو۔'' لیکن تاروں اور ستاروں کو موثر بالذات سمجھنا اور خدا کی عنایت اور اس کی نوازش سے صرفِ نظر کرنا عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے۔

﴿۲﴾ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَوْ اَمْسَكَ اللّٰهُ الْقَطْرَ عَنْ عِبَادِهٖ خَمْسَ سِنِیْنَ ثُمَّ اَرْسَلَهٗ لَاَصْبَحَتْ طَائِفَةٌ مِّنَ النَّاسِ كَافِرِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَقِیْنَا بِنَوْءِ الْمِجْدَحِ. (نسائی)

ترجمہ: حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ پانچ برس تک بارش سے اپنے بندوں کو محروم رکھے پھر بارش برسائے تو لوگوں کی ایک جماعت اس صورت میں بھی کفر میں پڑ کر یہی کہے گی کہ نوء مجدح کے سبب سے ہم پر بارش ہوئی۔''

نوء مجدح ایک تارہ اور منازل قمر میں سے ایک منزل کا نام ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب نوء مجدح کو بارش کا سبب قرار دیتے تھے۔ بارش تو اصلاً خدا کے حکم اور اس کے فضل ہی سے ہوتی ہے۔ ستاروں کا طلوع وغروب، نچھتر اور نوء وغیرہ کو بارش کی علامت سمجھنے میں خواہ قباحت نہ ہو لیکن ستاروں یا کسی نوء کو موثر بالذات سمجھنا اور بارش وغیرہ کا حقیقی سبب قرار دینا توحید کے منافی ہے۔

کہانت

﴿۱﴾ عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ الْحَكَمِ السَّلَمِیِّؓ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِی الْجَاهِلِیَّةِ كُنَّا نَاْتِی الْكُهَّانَ. قَالَ: فَلَا تَاْتُوا الْكُهَّانَ. قَالَ قُلْتُ كُنَّا نَتَطَیَّرُ. قَالَ: ذٰلِكَ شَیْءٌ یَجِدُهٗ اَحَدُكُمْ فِیْ نَفْسِهٖ فَلَا یَصُدَّنَّكُمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، بعض کام ہم زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے، ہم کاہنوں کے پاس جاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا:

"اب کاہنوں کے پاس مت جاؤ۔" میں نے کہا کہ ہم برا شگون لیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "یہ وہ خیال ہے جو تم میں سے کسی کے دل میں گزرتا ہے لیکن اس کی وجہ سے تم اپنا کوئی کام نہ چھوڑو۔"

تشریح: کہانت کی کئی قسمیں ہیں: ایک یہ کہ جن اور شیاطین کے توسط سے اطراف کی خبریں معلوم کر کے بتائے۔ دوسرے جوتش اور علم نجوم کے ذریعے سے آیندہ کے واقعات کے بارے میں خبر دے حالاں کہ اکثر ان کی باتیں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں۔ اسی قسم میں ایک عرافت بھی ہے۔ عرّاف اسے کہتے ہیں جو اسباب و علامات سے آیندہ ہونے والے واقعات کے بارے میں پیشین گوئی کرے۔ یہ ساری چیزیں کہانت کے ذیل میں آتی ہیں۔ شریعت نے ان سب سے روکا ہے۔ اور خدا پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ چناں چہ ایک حدیث میں ہے: مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَسَأَلَهٗ عَنْ شَیْءٍ لَمْ یُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةُ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً. (مسلم) "جو شخص عرّاف کے پاس جائے اور اس سے کوئی بات پوچھے تو اس کی چالیس روز کی نماز قبول نہ ہوگی۔"

برے شگون کے بارے میں آپؐ فرماتے ہیں کہ کوئی ناپسندیدہ چیز سامنے آجانے سے دل میں فطری طور سے ایک تردد تو ضرور پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کسی ضروری کام کے ارادے سے نکلے کہ پیر میں ٹھوکر لگ گئی یا کسی نے ٹوک دیا کہ کہاں چلے؟ اس سے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید وہ کام جس کے لیے گھر سے نکلے تھے پورا نہ ہو سکے گا۔ مگر آدمی کو دل میں اس طرح کے خیال کے آنے کی وجہ سے نیک کام سے باز نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ حدیث میں ہے: فَاِذَا رَاٰی اَحَدُکُمْ مَا یَکْرَهُ فَلْیَقُلْ: اَللّٰهُمَّ لَا یَاْتِیْ بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا یَدْفَعُ السَّیِّاٰتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (ابوداؤد) "جب تم میں سے کوئی ایسی چیز دیکھے جسے وہ ناپسند کرتا ہے (یعنی جس سے شگونِ بد لیا جاتا ہے، جس سے دل میں وہم و خلجان پیدا ہوتا ہے) تو چاہیے کہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ اچھائیوں اور برائیوں کا لانے والا صرف تو ہے اور تو ہی برائیوں اور خرابیوں کو دور فرمانے والا ہے اور ایک حالت کا دوسری حالت میں بدلنا اور طاقت کا میسر آنا اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں۔"

نحوست

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا کُنَّا فِیْ دَارٍ کَثُرَ فِیْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا

فَتَحَوَّلْنَا اِلٰی دَارٍ قَلَّ فِیْهَا عَدَدُنَا وَ اَمْوَالُنَا فَقَالَ عَلَیْهِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ذَرُوْهَا ذَمِیْمَۃً. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، ہم ایک مکان میں رہتے تھے، جس میں ہمارے افراد کی تعداد بھی زیادہ تھی اور مال بھی ہمارے پاس بہت تھا۔ پھر ہم ایک دوسرے مکان میں منتقل ہوگئے تو اس میں ہماری تعداد میں بھی کمی ہوگئی اور ہمارے مال بھی تھوڑے سے رہ گئے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس مکان کو چھوڑ دو جو برا ہے۔''

تشریح: یعنی جب تمھیں وہ مکان راس نہیں آرہا ہے تو اسے چھوڑ ہی دو۔ یہ بات جو دل میں بیٹھ گئی ہے کہ سارے نقصانات کا سبب وہ ہے، اس خیال سے نجات بھی اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ تم اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور رہائش اختیار کرلو۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مختلف معلوم اور غیر معلوم اسباب کے تحت مختلف مقامات کی خاصیتیں جداگانہ ہوتی ہیں۔ جس جگہ کسی قوم پر عذاب نازل ہوا ہو اس جگہ سے جلد نکل جانے کا حکم خود نبی ﷺ نے دیا ہے۔ اس کے برعکس جس مقام پر خدا کے صالح بندوں کا قیام رہا ہو اور جہاں ان پر خدا کی خاص نوازشیں ہوئی ہوں، اس مقام سے اچھے اثرات اور برکات کی توقع بعد کے زمانے میں بھی کی جاسکتی ہے۔

(۲) وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: اِنْ یَّکُ مِنَ السُّؤْمِ شَیْءٌ فَفِی الْفَرَسِ وَالْمَرْأَۃِ وَالدَّارِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر نحوست کسی چیز میں ہو تو وہ گھوڑے، عورت اور گھر میں ہوگی۔''

تشریح: عورت اور گھر کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ گھوڑے کو بھی اہل عرب میں خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس لیے عورت اور گھر کے ساتھ گھوڑے کا بھی ذکر فرمایا گیا کہ ان تینوں کے سلسلے میں آدمی کو محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ عام چیزوں کے بارے میں خواہ آدمی کو زیادہ پروا نہ ہو لیکن ان تین چیزوں کے بارے میں اس کی بے پروائی نقصان اور پریشانی کا باعث ہوسکتی ہے۔ گھوڑا، عورت اور گھر اگر باعثِ پریشانی ثابت ہوئے تو زندگی عذاب بن جائے گی۔ اس لیے گھوڑا خریدتے وقت یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ اس میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ

سواری جس غرض کے لیے اسے خریدا ہے وہ اس کے لائق نہ ہو یہی بات عورت کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ شادی سے پہلے آدمی کو یہ حق ہے کہ وہ اطمینان کرلے کہ عورت کا مزاج کیسا ہے؟ اپنے دین کے لحاظ سے وہ کیسی ہے؟ اسی طرح اس کی صحت کے بارے میں بھی اطمینان حاصل کرلینا چاہیے۔ عورت اگر زبان دراز یا بانجھ ہے تو وہ مرد کے لیے پریشانی پیدا کرسکتی ہے۔ گھر کے بارے میں بھی یہ دیکھ لینا چاہیے کہ وہ تنگ نہ ہو اور ہم سایہ بھی برے نہ ہوں۔

سحر یا جادو

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِجْتَنِبُوا الْمُوْبِقَاتِ الشِّرْکُ بِاللّٰهِ وَالسِّحْرُ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہلاک کرنے والی چیزوں یعنی خدا کا شریک ٹھیرانے اور جادو سے بچو۔“

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حق اور صداقت کی تعلیم کے خلاف جتنی بھی چیزیں ہیں اسلام اُن کو مٹانا چاہتا ہے۔ وہ جہل کے بجائے علم، بے عقلی اور سفاہت کے بجائے فہم وبصیرت، دجل وفریب کے بجائے حقیقت پسندی، ظلم کے بجائے عدل اور تاریکی کے بجائے روشنی کو پسند کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کے پیرووں کا ذہن خالص علمی اور سائنٹفک ہو، وہ توہمات کے اندھیروں کے گرفتار نہ ہوں۔ ان کی زندگی میں خالص توحید اور خدا پرستی کا رنگ ہو۔

اس حدیث میں شرک وسحر کو مہلکات میں شمار کیا گیا ہے۔ شرک کا ارتکاب کرکے آدمی اپنی اصل فطرت اور اپنے ضمیر کی آواز کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اس طرح وہ تباہی اور ہلاکت کے ایسے عمیق غار میں جا گرتا ہے۔ جہاں اس کے لیے دائمی عذاب مقدر ہے، جس سے چھٹکارا پانا اس کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ شرک سے انسان کی فطرت مسخ ہوجاتی ہے اور اس کی اخلاقی وروحانی ترقی کے سارے ہی دروازے مسدود ہوجاتے ہیں۔ خدا پر افترا اور بدترین جھوٹ کے سوا شرک کی اور کوئی حقیقت نہیں ہے۔ شرک ظلم عظیم ہے، اسی لیے کبائر میں اس کا ذکر سرفہرست آتا ہے۔

شرک خدا کی ذات وصفات اور اس کے حقوق واختیارات میں دوسروں کو شریک کرنے کا نام ہے۔ جو صفات خاص خدا کے لیے مختص ہیں ان سے کسی دوسرے کو متصف سمجھنا،

خدا کے سوا کسی دوسرے کو حقیقی حاجت روا اور مشکل کشا قرار دینا، خدا کے علاوہ دوسروں کی پرستش کرنا اور زندگی میں ان کو وہ مقام دینا جو صرف خدا کا مقام ہوسکتا ہے، شرک ہے۔ اسی طرح خدا کی ہستی اور اس کی ذات میں کسی کو شامل اور شریک سمجھنا بھی شرک ہے۔ مثلاً کسی کو خدا کا بیٹا اور اولاد قرار دینا وغیرہ۔ خدا کی نہ تو ذات میں کوئی شریک ہوسکتا ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی اس کا ہمسر ہوسکتا ہے۔ حقیقی مطاع اور حاکم بھی وہی ہے۔ اس کے برخلاف دوسروں کی رہنمائی کو اپنے لیے نجات وفلاح کا ذریعہ سمجھنا بھی شرک کی ایک قبیح صورت ہے۔

شرک کے علاوہ دوسری چیز جسے اس حدیث میں انسان کے لیے ہلاک خیز اور تباہ کن قرار دیا گیا ہے وہ سحر یعنی جادو ہے۔ جادو کو رواج دینا یا کسی پر جادو کرنا قطعاً حرام ہے۔ جادو میں فریب کاری سے کام لیا جاتا ہے اور کبھی ایسے منتر پڑھے جاتے ہیں، جن میں خبیث ارواح سے مدد لی جاتی ہے۔ جادو میں کمال حاصل کرنے کے لیے کبھی ایسے اشغال بھی اختیار کیے جاتے ہیں کہ جو دین وایمان کے منافی ہوتے ہیں۔ پھر زمانۂ ماضی میں جادو کے ذریعے سے بالعموم لوگوں کو جانی نقصان پہنچانے کی کوشش کی جاتی تھی۔ زن وشو کے درمیان اس کے ذریعے سے جدائی ڈالنا تو عام بات تھی۔

یوں عربی زبان میں ہر محیر العقول چیز کو سحر کہتے ہیں، جس کی حیرت انگیزی کے اسباب نگاہوں سے پوشیدہ ہوں۔ یہ بھی ایک طرح کا سحر ہے کہ دواؤں اور اشیاء کے مخفی اثرات وخواص کے ذریعے سے عجیب وغریب کرشمے دکھاتے ہیں۔ لوگ چوں کہ اصل راز سے بے خبر ہوتے ہیں اس لیے وہ حیرت زدہ ہوکر رہ جاتے ہیں۔ کبھی ہاتھ کی صفائی سے کام لے کر لوگوں کو متحیر کیا جاتا ہے۔ سحر کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آدمی توجہ، دھیان اور حواسِ خمسہ کی قوتوں کو دماغ میں مجتمع کر کے اور کمال یکسوئی پیدا کر کے کچھ ایسی قوت حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے سے جو اس کی قوتِ متخیلہ میں ہوتا ہے، اسے متشکّل کر کے سامنے لاتا ہے۔ ایسا عمل یا عملیات جو کفر وشرک سے پاک ہو اسے مطلقاً حرام نہیں کہہ سکتے۔ البتہ اس کے غلط استعمال کو ناجائز اور حرام ہی کہا جائے گا۔

نظر لگنا

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْعَیْنُ حَقٌّ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''نظر سچ ہے۔''

تشریح: یعنی کسی کی نظر کسی کو لگ سکتی ہے۔ اور جس کو نظر لگی ہوئی ہو وہ اس کی وجہ سے بیمار ہوسکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے نفس اور اس کی نگاہ میں تاثیر کا پایا جانا ناممکن نہیں ہے، جس طرح بعض نظر سے حسد اور خبثِ طبع کی وجہ سے ضرر و نقصان پہنچتا ہے اسی طرح اس کے برعکس پاک باطن اور اہل اللہ کی نظر اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کی نگاہ کے اثر سے کتنے ہی لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب آجاتا ہے اور وہ غلط راستے کو ترک کر کے نیک اور صالح بن جاتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی توجہ دوسروں پر ڈالتے ہیں تو اس کا ان پر اثر مرتب ہوتا ہے۔ اگر آدمی کی قوتِ توجہ زیادہ بڑھی ہو تو وہ دور دراز مقامات پر رہنے والے شخص پر بھی اپنا اثر ڈال سکتا ہے۔ ٹیلی پیتھی میں یہی اصول کام کرتا ہے۔ توجہ کے ذریعے سے بعض امراض کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ قوتِ ارادی اور قوتِ نفسی کا کرشمہ ہپناٹزم اور میسمرازم یا قوتِ تسخیر بھی ہے۔ اس میں آدمی کی قوتِ ارادی جس قدر قوی ہوگی اتنا ہی زیادہ وہ اپنے عمل میں کامیاب ہوگا۔ اس قوت کو مشق اور ریاضت کے ذریعے سے بڑھایا جاتا ہے۔

جھاڑ پھونک

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِؓ یَقُوْلُ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِاٰلِ حَزْمٍ فِیْ رُقْیَۃِ الْحَیَّۃِ وَ قَالَ لِاَسْمَآءَ بِنْتِ عُمَیْسٍ مَالِیْ اَرٰی اَجْسَامَ بَنِیْ اَخِیْ ضَارِعَۃً تُصِیْبُھُمُ الْحَاجَۃُ. قَالَتْ: لاَ وَلٰکِنَّ الْعَیْنَ تُسْرِعُ اِلَیْھِمْ. قَالَ اَرْقِیْھِمْ. قَالَتْ: فَعَرَضْتُ عَلَیْہِ. قَالَ اَرْقِیْھِمْ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حزم کے لوگوں کو سانپ کے جھاڑ پھونک کی اجازت دی اور اسماء بنت عمیس سے فرمایا کہ: ''کیا وجہ ہے کہ میں اپنے بھائی کے بچوں کو دبلا دیکھ رہا ہوں۔ کیا وہ بھوکے رہتے ہیں؟'' اسماءؓ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ انھیں نظر لگ جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''کوئی جھاڑ پھونک کرو۔'' حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ میں نے آپؐ کے سامنے جھاڑ پھونک کا ایک منتر پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''جھاڑ پھونک کرو۔''

تشریح: بھائی کے بچوں سے مراد جعفر طیارؓ کی اولاد ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جھاڑ پھونک اور اس سلسلے میں جو کلمات پڑھے جاتے ہیں وہ اثر سے خالی نہیں ہوتے۔ تجربات بتاتے ہیں کہ جھاڑ پھونک اور جھاڑ پھونک کے کلمات اپنا

خاص اثر رکھتے ہیں۔ زہریلے سانپ کے ڈسنے سے کتنی ہی موتیں ہوتی رہتی ہیں۔ سانپ کے زہر کو زائل کرنے کی ایک دعا مجھے معلوم تھی۔ میں نے اسے اپنے ایک عزیز کو سکھا دیا۔ چند سال کے اندر اس نے اس کے ذریعے سے دو سو سے زیادہ مار گزیدہ لوگوں کی جان بچائی۔ بہت سے لوگ حیران ہو کر رہ گئے اور وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے کہ خاص کلمات میں خدا نے حیرت انگیز اثر رکھے ہیں۔ اس کی مادّی توجیہ خواہ نہ کی جاسکے لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ان کے حیرت انگیز اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔

(۲) وَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكِ الْاَشْجَعِيِّؓ قَالَ: كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ اعْرِضُوْا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَاْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيْهِ شِرْكٌ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول، اس کے بارے میں آپؐ کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: "اپنے افسوں (منتروں) کو میرے سامنے پیش کرو۔ جھاڑ پھونک کے افسوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگر اس میں شرک کی کوئی بات نہ ہو۔"

تشریح: جھاڑ پھونک اور اس میں پڑھے جانے والے کلمات میں اگر کوئی مشرکانہ بات ہے تو پھر وہ مومن کے لیے حرام ہے۔ صحت کے لیے اپنے ایمان کو کسی صورت میں بھی گنوایا نہیں جاسکتا۔

(۳) وَ عَنِ الشِّفَآءِ بِنْتِ عَبْدِ اللّٰهِؓ قَالَتْ: دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَ اَنَا عِنْدَ حَفْصَةَ فَقَالَ: اَلَا تُعَلِّمِيْنَ هٰذِهٖ رُقْيَةَ النَّمْلَةِ كَمَا عَلَّمْتِيْهَا الْكِتَابَةَ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت شفاء بنت عبداللہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ انھیں (یعنی حضرت حفصہؓ کو) نملہ کا افسوں نہیں سکھا دیتیں، جس طرح تم نے انھیں لکھنا سکھایا ہے۔"

تشریح: شفاء لقب ہے۔ اصل نام ان کا لیلیٰ تھا۔ آپ عبداللہ بن شمس کی دختر تھیں۔ نبی ﷺ دوپہر میں قیلولہ کے لیے ان کے یہاں تشریف لے جاتے تھے۔

نملہ ان پھنسیوں کو کہتے ہیں جو پسلیوں پر نکلتی ہیں جن سے آدمی کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ ان کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان پھنسیوں کی جگہ چیونٹیاں رینگتی ہوں۔ غالباً

اسی مناسبت سے ان پھنسیوں کو نملہ کہنے لگے۔

یہ حدیث بتاتی ہے کہ کسی مفید اور کارآمد فن کے سیکھنے سکھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی ضروری علوم سے بہرہ مند ہونے کا پورا حق رکھتی ہیں۔ کتابت کی ضرورت اور اہمیت سے کون ناواقف ہوسکتا ہے۔ آج کے دور میں تو فن تحریر ہی نہیں کمپیوٹر وغیرہ نے بھی اتنی اہمیت حاصل کرلی ہے کہ ان میں مہارت حاصل کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔

علاج ومعالجہ

(۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری پیدا نہیں کی، جس کے لیے شفا اس نے نازل نہ کی ہو۔“

تشریح: یعنی انسان اگر دنیا میں مختلف امراض میں مبتلا ہوتا ہے تو خدا نے ان امراض کی دوائیں بھی پیدا فرمائی ہیں۔ انسان کو ان دواؤں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

(۲) وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لِكُلِّ دَآءٍ دَوَآءٌ فَاِذَا اُصِیْبَ دَوَاءُ الدَّآءِ بَرَءَ بِاِذْنِ اللّٰهِ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہر مرض کی دوا ہے۔ لہٰذا جب دوا مرض کے مطابق ہوتی ہے تو خدا کے حکم سے بیمار اچھا ہوجاتا ہے۔“

تشریح: یعنی اصل میں شفا دینے والا خدا ہی ہے۔ دواؤں میں بیماری کو دور کرنے کی خاصیت اسی نے رکھی ہے۔ کسی مرض میں دوا اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے، جب خدا کا حکم ہوتا ہے۔ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ خدا کے احسان وکرم کے احساس سے دل کبھی خالی نہ رہے۔

❁❁

حسن معاشرت

کسی معاشرے میں صرف عدل وانصاف کا قیام ہی کافی نہیں ہوتا۔ معاشرے میں حسن و دل کشی اور خوش گوار فضا اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب اس کے افراد میں باہم الفت ومحبت اور یگانگت پائی جاتی ہو۔ وہ ایک دوسرے سے بے زار نہ ہوں بلکہ وہ باہم ایک دوسرے کے لیے اپنے دلوں میں بہترین جذبات رکھتے ہوں۔ خود غرضی کے بجائے ایثار ان کا شعار ہو۔ خود کھانے کے مقابلے میں دوسروں کو کھلانے میں ان کو زیادہ لذت محسوس ہوتی ہو۔ اصل راحت انھیں کچھ لینے میں نہیں بلکہ دوسروں کو دینے میں ملتی ہو۔ دنیا میں رہ کر انھیں دنیا سے زیادہ آخرت کا شعور ہو۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ان کا نقطۂ نظر ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوگا، جو اسی موجودہ دنیا میں سب کچھ پالینے کے آرزومند ہوں۔ اور یہاں کی کامیابی ان کے نزدیک اصل کامیابی اور یہاں کا خسارہ ان کی نگاہ میں اصل خسارہ ہو۔ اس طرح کے لوگ بالکل اپنے جسم کے آس پاس زندگی گزارتے ہیں۔ روح بھی کوئی چیز ہے اور اس کے بھی کچھ مطالبات اور تقاضے ہو سکتے ہیں، اس کے بارے میں غور وفکر کرنے کے لیے ان کے پاس بالکل ہی وقت نہیں ہوتا۔ چوں کہ ان کی زندگی کا دائرہ دنیا ہی تک محدود ہوتا ہے اس لیے ان سے کسی بڑی قربانی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ اور نہ ان سے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ زندگی کے اصل راز اور اس کے اصل مقصد کو سمجھنے میں دلچسپی لے سکتے ہیں۔

اس طرح کے لوگوں کی زندگی کا حاصل دنیا و مافیہا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی تہذیب کی اساس مادی فوائد ہوتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی روحانی ضرورت کا احساس نہیں رکھتے۔ جب خود غرضی اور عاجلہ پسندی ہی ان کی زندگی کا اصل محور ہوتا ہے تو پھر وہ انسانیت پر جو ظلم وستم بھی روا رکھیں اس پر تعجب نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں حیا اور غیرت اور سوز و دردمندی نام کی کوئی چیز نہ ہوگی۔ ان کا سارا وجود بے حسی کی چادر سے ڈھکا ہوگا۔ بڑے سے بڑے حادثات اور

عبرت ناک واقعات بھی انھیں بیدار کرنے میں ناکام ہی رہتے ہیں۔

معاشرے میں اسلام افراد کو کیسا دیکھنا چاہتا ہے اس کا اندازہ نبی ﷺ کی ان پاکیزہ تعلیمات سے کیا جاسکتا ہے، جو آپؐ نے اس سلسلے میں اپنے پیروؤں کو دی ہیں۔

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ رَاَی النَّبِیُّ ﷺ النِّسَآءَ وَالصِّبْیَانَ مُقْبِلِیْنَ قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ مِنْ عُرُسٍ فَقَامَ النَّبِیُّ ﷺ مُمْثِلاً فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ قَالَهَا ثَلاَثَ مِرَارٍ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو غالباً کسی شادی سے آتے ہوئے دیکھا تو نبی ﷺ سروقد کھڑے ہوگئے اور تین مرتبہ فرمایا: ''خدا شاہد ہے کہ تم مجھے سب سے زیادہ پیارے اور محبوب ہو۔''

تشریح: حضور ﷺ کے اس ارشادِ مبارک سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر کو اپنے پیروؤں اور ان کے اہل وعیال سے کس درجہ محبت کا تعلق ہوتا ہے۔ محبت و الفت کا یہی تعلق اسلامی اجتماعیت کی اصل روح ہے، جس کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جذبات کا اظہار کر کے ہماری رہنمائی فرمائی ہے کہ ہمیں باہم ایک دوسرے کے ساتھ کتنا گہرا اور محبت آمیز تعلق رکھنا چاہیے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس ربط و تعلق کے بغیر معاشرے کو خوشیوں اور مسرتوں سے معمور دیکھنے کا خواب کبھی بھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

(۲) وَعَنْ اُمِّ خَالِدٍ بِنْتِ خَالِدٍ قَالَتْ: قَدِمْتُ مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ وَ اَنَا جُوَیْرِیَةٌ فَكَسَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ خَمِیْصَةً لَهَا اَعْلاَمٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَمْسَحُ الْاَعْلاَمَ بِیَدِهٖ وَ یَقُوْلُ سَنَاهُ سَنَاهُ. (بخاری)

ترجمہ: ام خالد بنت خالدؓ فرماتی ہیں کہ میں چھوٹی بچی تھی، جب سرزمین حبشہ سے آئی۔ رسول اللہؐ نے مجھے ایک چادر اوڑھنے کے لیے عطا فرمائی، جس میں درخت وغیرہ کی تصویریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ان تصاویر پر ہاتھ پھیر کر فرما رہے تھے: ''کیسے اچھے ہیں یہ، کیسے اچھے ہیں یہ۔''

تشریح: یہ کسی شخص کی عظمت کی دلیل ہے کہ وہ چھوٹے بچوں تک کی نفسیات کا لحاظ رکھ سکے اور انھیں خوش کرنے کے لیے ان کے احساسات وجذبات کی نہ صرف یہ کہ ترجمانی کر سکے بلکہ ان کی خوشیوں میں شریک ہوکر وہ خود اپنی مسرتوں میں اضافہ کرے۔ جو لوگ اپنے آپ کو فکر کی اتنی

بلندی پر فائز سمجھنے لگتے ہیں کہ انھیں بچوں کی معصوم دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، حقیقت میں وہ انسانی زندگی سے دوراور بہت دور چلے جاتے ہیں اور اسے کبھی بھی خوش آیند قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(۳) وَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَ الْمُؤْمِنُ اَخُوا الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْهُ ضَیْعَتَهٗ وَ یَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن مومن کا آئینہ ہے۔ اور مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اسے نقصان اور ہلاکت سے بچاتا ہے اور غائبانہ اس کے حق میں نگاہ رکھتا ہے۔''

تشریح: آئینہ جس قدر صاف شفاف ہو بہتر ہے۔ اگر وہ میلا ہو تو اس سے آئینہ کا کام نہیں لیا جاسکتا، جس طرح آئینہ دیکھ کر لوگ اپنے کو سنوارتے ہیں اسی طرح مومن اپنے بھائیوں کی اصلاح اور درستی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آئینہ راز دار بھی ہوتا ہے۔ وہ کسی کے چہرے کا کوئی عیب صرف اسی پر ظاہر کرتا ہے۔ دوسروں پر کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کے عیب کو اپنے اندر محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ آدمی کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد آئینہ میں اس کا کوئی عکس واثر باقی نہیں رہتا۔

یہ حدیث مومن کا ایک خاص وصف یہ بیان کرتی ہے کہ مومن شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے مال اور عزت کی حفاظت کرتا ہے اور اسے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اگر بھائی کی عزت پر حملہ ہوتا ہے تو وہ اسے دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے اس کی فکر ہوتی ہے کہ بھائی کی آبرو ہرگز مجروح نہ ہو۔

(۴) وَ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَفْضَلَ مِنْ دَرَجَةِ الصِّیَامِ وَالصَّلٰوةِ وَالصَّدَقَةِ؟ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ: اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ وَ فَسَادُ ذَاتِ الْبَیْنِ الْحَالِقَةُ. (ابوداؤد، ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ روزے، نماز اور صدقہ سے بھی درجہ میں افضل کیا چیز ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسولؐ، آپؐ نے فرمایا: ''آپس میں صلح کرانا اور باہمی بگاڑ وہ چیز ہے جو مونڈ دینے والی ہے۔''

تشریح: یہ حدیث بتاتی ہے کہ لوگوں میں صلح کرانا اور ان کے جھگڑوں کو دور کرنا اسلام کی نگاہ

میں کس درجہ کی نیکی ہے۔ اسے نماز اور صدقات سے بھی افضل قرار دیا جا رہا ہے۔ آپس کے بہتر اور خوش گوار تعلقات اس بات کا ثبوت ہوتے ہیں کہ ہم وہ زندگی حاصل کر سکے ہیں، جو اسلام میں مطلوب ہے۔ لیکن اگر ہماری اصلاح نہ ہو سکی اور ہماری قوتیں ایک دوسرے کو زک پہنچانے میں صرف ہو رہی ہیں تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہماری نمازیں اور ہمارے صدقات اپنی اصل روح سے خالی ہی ہیں۔ نماز اور صدقہ دونوں ہی کی اصل روح لطافتِ احساس ہے۔ دونوں میں کارفرما محبت ہی ہوتی ہے۔ خدا کی محبت سے اپنے دل کو معمور رکھنا اور اس کے بندوں سے محبت اور ہمدردی کا تعلق قائم کرنا ہی اصل دین ہے۔ اس مادی دنیا میں ہمارے دین کا حقیقی اظہار ہمارے اپنے باہمی تعلقات کے ذریعے سے ہی ہوتا ہے۔ خدا ہم سے کتنا راضی اور خوش ہے اس کے جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس کے بندوں کو ہم نے کتنا آرام پہنچایا اور وہ ہم سے کتنا مطمئن ہیں، اسے آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے یہ پیمانہ ایسا ہے، جس کے ذریعے سے ہم بہ آسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارا دین کتنا درست ہے اس لیے اصلاح ذات البین کو جتنی بھی اہمیت دی جائے وہ کم ہے۔ اب اگر ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص فتنہ و فساد کے درپے ہے اور وہ لوگوں کے تعلقات خراب کرنے میں لگا ہوا ہے تو اس سے اس کی ساری ہی نیکیوں پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کے سارے ہی نیک اعمال بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

〈۵〉 وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا بَلَغَهُ عَنِ الرَّجُلِ الشَّيْءُ لَمْ يَقُلْ مَا بَالُ فُلَانٍ يَقُوْلُ وَ لٰكِنْ يَقُوْلُ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَ كَذَا. (ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کو جب کسی شخص کی کسی بری بات کی خبر پہنچتی تو آپؐ یہ نہ فرماتے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسا کہتا ہے بلکہ آپؐ فرماتے: ''لوگوں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ وہ ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔''

تشریح: یعنی کسی کا نام لے کر اس کی برائی کا تذکرہ نہیں کرتے تھے کہ اس سے اس کی رسوائی ہو گی۔ آپؐ عام انداز میں تنبیہ فرماتے کہ وہ شخص اپنی اصلاح کر لے اور رسوا نہ ہو۔ حتی الامکان آپؐ کی کوشش یہی ہوتی تھی کہ آدمی کی عزت اور اس کی آبرو کو مجروح ہونے سے بچایا جائے۔

〈۶〉 وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ بَعْدَ اَنْ تَوَلَّى الْاَبُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً بہتر نیکی اور نہایت سعادت مندی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اس کے مرنے کے بعد اچھا سلوک کرے اور تعلق بنائے رکھے۔''

تشریح: باپ خواہ دنیا سے کوچ کر گیا ہو یا گھر پر موجود نہ ہو بیٹے کا فرض ہے کہ وہ اپنے باپ کی نیابت کرے۔ اور اس کے ملنے جلنے والے دوستوں کو یہ محسوس نہ ہونے دے کہ اب انھیں پہچاننے والا کوئی نہیں ہے۔ یہ نہایت سعادت اور وفا شعاری کی بات ہے کہ باپ کے موجود نہ رہنے پر بھی بیٹے کو اس کے حقوق کا پاس ولحاظ ہو۔

﴿۷﴾ وَ عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لاَ تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّ اِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ اَنْ تَلْقَ اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِکَ فِيْ اِنَآءِ اَخِيْکَ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا: ''تم نیکی اور حسنِ سلوک سے تعلق رکھنے والی کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھو۔ اور نیکی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملو اور یہ کہ تم اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے برتن میں پانی ڈال دو۔''

تشریح: بھائی سے شگفتہ روئی کے ساتھ ملنے اور بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈالنے کا ذکر بطور مثال ذکر فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کا بظاہر چھوٹے سے چھوٹا کام بھی ایسا نہیں ہے کہ اسے چھوٹا کہا جائے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نیکی اور احسان دولت پر موقوف نہیں ہے۔ نادار شخص کو نیکی کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔ بھائی سے مل کر اظہارِ مسرت کرنے یا اس کے برتن میں پانی ڈال دینے میں کہاں کسی سرمایہ اور دولت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ حضور ﷺ کی تعلیمات پر اگر عمل کیا کیا جائے تو آپ خود بخود تصور کر سکتے ہیں کہ ہمارے آپس کے تعلقات میں کتنی دل کشی اور حسن پیدا ہو جائے گا۔

﴿۸﴾ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرؓ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: كَمْ اَعْفُوْا عَنِ الْخَادِمِ فَصَمَتَ عَنْهُ النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، كَمْ اَعْفُوْا عَنِ الْخَادِمِ؟ قَالَ: كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں اپنے خادم کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ نبی ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے۔ اس نے پھر کہا یا رسول اللہ، میں اپنے خادم کو کتنی دفعہ معاف کرو؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہر روز ستر دفعہ۔''

تشریح: آپؐ خاموش رہے کہ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے کہ کسی کو معاف کرنے کی کیا حد مقرر ہے۔ کیا ابھی وہ ذوق پیدا نہیں ہوا کہ یہ سوال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

ہر روز ستر بار معاف کرو یعنی نیکی اور حسن اخلاق کی کوئی حد نہیں ہوا کرتی۔ ترحم اور حسنِ اخلاق تو یہ ہے کہ آدمی عفو و درگزر سے کام لیتا رہے۔ خادم اگر بالفرض دن میں ستر دفعہ قصور کرتا ہے تو بھی اسے معاف ہی کیا جائے۔ البتہ اس کی اصلاح کا مناسب طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔

﴿۹﴾ وَ عَنْهُ قَالَ: صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمِنبَرَ فَنَادٰى بِصَوْتٍ رَفِيْعٍ يَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِهٖ وَ لَمْ يُفْضِ الْاِيْمَانُ اِلٰى قَلْبِهٖ لاَ تُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ وَلاَ تُعَيِّرُوْهُمْ وَلاَ تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِهِمْ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّتَّبِعْ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ وَ مَنْ يَّتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَفْضَحْهُ وَ لَوْ فِيْ جَوْفِ رَحْلِهٖ. (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے اور آپؐ نے بلند آواز سے پکار کر فرمایا: ''اے وہ لوگو! جو زبان سے تو اسلام لے آئے ہو لیکن ابھی ایمان جن کے دل میں پوری طرح اترا نہیں ہے، مسلمانوں کو ستاؤ مت اور نہ انھیں عار دلاؤ، نہ شرمندہ کرو اور نہ ان کے چھپے ہوئے عیوب کے پیچھے پڑو، کیوں کہ جو کوئی اپنے مسلمان بھائی کے چھپے عیبوں کے پیچھے پڑے گا تو اللہ خود اس کے عیوب کے پیچھے پڑ جائے گا اور جس کسی کے عیوب کے پیچھے اللہ پڑ جائے تو اسے رسوا کر کے رہے گا، اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہی رہے۔''

تشریح: یہ ایک اہم حدیث ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کو ستانا، انھیں بدنام اور ذلیل کرنے کی فکر میں رہنا، ان میں عیوب تلاش کرنا، ان کی کسی پچھلی برائی کا ذکر کر کے انھیں شرمندہ کرنا، اور اس کوشش میں رہنا کہ کسی طرح اہل ایمان کو لوگوں کی نظروں سے گرا دیا جائے، یہ کام انھیں لوگوں کا ہو سکتا ہے، جن کے دل ایمان سے خالی ہوں اور جن کا اسلام صرف زبان کے اقرار تک ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے۔ وہ نفاق کے مرض میں مبتلا ہیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کن لوگوں کو اذیت پہنچا رہے ہیں۔ وہ انھیں ستا رہے ہیں جو خدا سے

اپنا رشتہ قائم کر چکے ہیں، جن کے نزدیک خدا کی عظمت کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی چیز بھی کوئی قیمت نہیں رکھتی۔ ایسے اہلِ ایمان کو اذیت پہنچا کر وہ خدا کے غصے اور غضب کو نہ بھڑکائیں۔ اگر ایسے لوگ اپنی ذلیل حرکات سے باز نہیں آتے تو آخرت سے پہلے خدا انھیں دنیا میں بھی ذلت وخواری کا مزہ چکھا کر رہے گا۔ وہ ذلت سے بچ نہیں سکتے خواہ وہ اس سے بچنے کے لیے خانہ نشین ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

﴿۱۰﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ الْحَدِيْثَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَهِيَ اَمَانَةٌ. (ترمذی، ابوداؤد)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ”جب کوئی شخص اپنی کوئی بات کہہ کر ادھر ادھر دیکھے تو وہ امانت ہے۔“

تشریح: اِدھر اُدھر دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ کہیں اس کی بات کسی اور نے تو نہ سن لی۔ وہ اپنی بات کو راز رکھنا چاہتا ہے۔ حالاں کہ اس نے کہا نہیں کہ میری کہی ہوئی بات عام لوگوں کے علم میں نہ لائی جائے۔ مگر اس کی بات امانت ہی ہے۔ اسے اپنی ہی حد تک رکھنا چاہیے۔ اس امانت کی حفاظت ضروری ہے۔ البتہ اگر بات ایسی ہو جس سے کسی کی جان مال یا اس کی آبرو کو خطرہ ہو تو متعلق شخص کو اس سے مطلع کر دینا ضروری ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَةِ اِلاَّ ثَلٰثَةَ مَجَالِسَ سَفْکُ دَمٍ حَرَامٍ اَوْ فَرْجٍ حَرَامٍ اَوْ اِقْتِطَاعُ مَالٍ بِغَيْرِ حَقٍّ (ابوداؤد، عن جابرؓ) نشستیں امانت داری کے ساتھ ہوں لیکن تین مجلسیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ایک وہ جو کسی کے خونِ ناحق کی سازش سے تعلق رکھتی ہو۔ دوسری وہ جو کسی کی عفت وعصمت لوٹنے سے تعلق رکھتی ہو جسے خدا نے حرام ٹھہرایا ہے اور تیسری وہ جس کا تعلق بغیر حق کے کسی کے مال کو چھین لینے کی سازش سے ہو۔ ظلم ومعصیت کے کسی منصوبے کو ناکام بنانا ضروری ہے۔ ظلم ومعصیت کو گوارا کرنا کسی معاشرہ کی تباہی اور بربادی کا پیش خیمہ ہے۔

﴿۱۱﴾ وَ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّؓ قَالَ اَمَرَنِيْ خَلِيْلِيْ بِسَبْعٍ، اَمَرَنِيْ بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ وَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِيْ وَلاَ اَنْظُرَ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِيْ، وَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَ اِنْ اَدْبَرَتْ، وَ اَمَرَنِيْ اَنْ لَّا اَسْاَلَ اَحَدًا شَيْئًا وَ اَمَرَنِيْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَ اِنْ كَانَ مُرًّا، وَ اَمَرَنِيْ اَنْ لَّا اَخَافَ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ

لَائِمٍ، وَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ فَاِنَّهُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ. (احمد)

ترجمہ: حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے خلیل (محبوب ترین دوست) نے سات باتوں کا حکم دیا۔ آپؐ نے مجھے حکم دیا محتاجوں اور مسکینوں سے محبت رکھنے کا، اور آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں نگاہ ان لوگوں پر رکھوں جو مجھ سے نیچے کے درجے میں ہیں اور ان لوگوں کو نہ دیکھوں جو مجھ سے اوپر کے درجے میں ہیں اور مجھے حکم دیا کہ میں اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کروں اور قرابت کے رشتہ کو جوڑوں اگرچہ وہ میرے ساتھ ایسا نہ کریں۔ اور مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی چیز نہ مانگوں اور مجھے حکم دیا کہ میں حق بات کہوں خواہ وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو۔ اور مجھے حکم دیا کہ میں اللہ کے معاملے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈروں۔ اور مجھے حکم دیا کہ میں اکثر پڑھتا رہوں: لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰهِ (ایک حالت کا دوسری حالت میں بدلنا اور طاقت کا میسر آنا خدا کی مدد کے بغیر ممکن نہیں) کیوں کہ یہ سب باتیں اس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔

تشریح: حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں انھیں دیکھوں جو دنیوی مال و دولت اور ساز وسامان کے لحاظ سے مجھ سے پیچھے ہیں تاکہ میرے اندر صبر وشکر کا جذبہ پیدا ہو۔ جن کو سامانِ زندگی اور مال ودولت مجھ سے زیادہ حاصل ہے ان کو نہ دیکھوں کیوں کہ ممکن ہے اس سے دل میں شکایت پیدا ہو کہ مال ودولت میں اس سے مجھے پیچھے رکھا گیا اور خدا کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر رہ جاؤں، جو مجھے حاصل ہیں۔

''یہ باتیں اس خزانے سے ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔'' یعنی یہ چھ باتیں نہایت بیش بہا ہیں۔ ان کو معمولی تصور کرنا نادانی ہوگی۔ ان کی حیثیت خدا کے خاص خزانے کی بیش بہا اشیاء کی ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ ان تک ہر ایک کی دسترس ممکن نہیں ہے۔ جو چھ باتیں اس حدیث میں بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سے ہر ایک بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ آدمی کی نظر امیروں کی دولت وثروت پر نہیں بلکہ ان پر ہونی چاہیے جو مال ودولت کے لحاظ سے ہم سے کمتر درجے میں ہیں۔ اس سے صبر وشکر کے جذبات کو نشو ونما حاصل ہوگی۔ اہلِ قرابت کے حقوق ہر حال میں ادا کرنے چاہئیں خواہ انھیں اپنی ذمے داری کا احساس ہو یا نہ ہو۔ خدا کے سوا کسی اور سے نہ مانگنے کے اثرات بڑے ہی نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ہمیں کسی سے کوئی شکایت

نہیں ہوسکتی اور لوگ بھی ہمیں اپنے لیے ایک مصیبت تصور نہیں کر سکتے۔ لوگ جب ہم کو اپنے سے بےنیاز دیکھیں گے تو لازماً ان کے دلوں میں ہماری وقعت پیدا ہوگی اور وہ ہم سے محبت کا تعلق رکھنے پر مجبور ہوں گے۔ خدا بھی غیب سے ہماری مدد فرمائے گا۔ حق بات کو چھپانا صحیح نہیں ہے۔ حق و انصاف کی بات بعض لوگوں کے مفاد کے خلاف ہو سکتی ہے اس لیے وہ انھیں کڑوی لگے گی لیکن حق کا اظہار بہر صورت ضروری ہے، جس سوسائٹی اور معاشرے میں حق بات کہنے والے نہیں ہوتے اور مصلحت پرستی لوگوں کی پالیسی ہوتی ہے اسے صحت مند معاشرہ نہیں کہا جاسکتا۔ ایسا معاشرہ بالآخر خود اہلِ معاشرہ کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔

اللہ کے معاملے میں کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ خواہ لوگوں کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔ اللہ کے حکم کے مقابلے میں کسی چیز کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ اس میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی ہرگز پرواہ نہیں کی جاسکتی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ کا کلمہ بکثرت پڑھنے کی تاکید بے وجہ نہیں ہے۔ یہ کلمہ اگر شعور کے ساتھ بکثرت زبان کے ساتھ ادا کیا جائے تو دل سے غیر اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے اور خدا کی تائید بندے کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ خدا کی نصرت اور مدد جس کسی کو حاصل ہو جائے اس کی خوبیِ قسمت کا کیا کہنا!

﴿۱۲﴾ وَ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِذَا اَطَالَ اَحَدُکُمُ الْغَیْبَۃَ فَلَا یَطْرُقْ اَھْلَہٗ لَیْلًا. (بخاری)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو گھر چھوڑے ایک مدت گزر گئی ہو تو وہ اچانک اپنے گھر میں نہ آئے۔''

تشریح: اس حکم میں بڑی مصلحت ہے۔ ایک عرصے کے بعد اپنے گھر واپس ہوں تو بیوی کو اِس کا موقع دیں کہ وہ غسل کر کے اپنے لباس بدل سکے۔ اور زیب و زینت کے ساتھ آپ کا استقبال کر سکے۔ یہ چیز باہمی محبت میں اضافہ کا باعث ہوگی۔

﴿۱۳﴾ وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: فَضْلُ عَائِشَۃَ عَلَی النِّسَآءِ کَفَضْلِ الثَّرِیْدِ عَلٰی سَائِرِ الطَّعَامِ. (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔''

تشریح: ثرید کھانے کی ایک قسم ہے، عرب اس کو بہت پسند کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو ثرید سے تشبیہ دے کر ان سے اس تعلق و محبت کا اظہار فرمایا ہے جو آپؐ کو حضرت عائشہؓ سے تھا۔ آپؐ کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ عائشہؓ عورتوں میں ایک آئیڈیل خاتون ہیں۔ اپنے شوہر کے دل میں بھی ایک خاص جگہ پیدا کرلی ہے اور خدا کی اطاعت و فرماں برداری اور تقویٰ میں بھی وہ اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بیوی میں اگر خوبیاں پائی جائیں تو اس کی تعریف میں بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اس سے باہمی محبت و الفت میں اضافہ ہوتا ہے اور خانگی زندگی لطف و مسرت سے بھر جاتی ہے۔ بیوی کے حق میں شوہر کا خشک مزاج ہونا اسلامی تعلیم کے بالکل منافی ہے۔ اس سے شوہر اور بیوی کے درمیان کشیدگی اور شکررنجی کا پیدا ہونا لازمی ہے، جس سے ان کی زندگی بے لطف ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۱۴) وَ عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ: قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَ اِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ: اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ وَ اِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَ رَبِّ اِبْرَاهِيْمَ. قَالَتْ: قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور جب مجھ سے خفا ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں۔'' میں نے عرض کیا کہ آپؐ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو کہ 'یہ بات نہیں ہے' محمدؐ کے رب کی قسم۔ اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ 'یہ بات نہیں ہے' ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم۔'' (حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ) میں نے کہا کہ ہے تو بات یہی لیکن بہ خدا یا رسول اللہ، میں صرف آپؐ کا نام چھوڑتی ہوں (دل سے آپؐ کی محبت اس وقت بھی جدا نہیں ہوتی)۔

تشریح: شوہر اور بیوی کے تعلقات نہایت شیریں اور پر کیف ہونے چاہئیں۔ بیوی کی طرف سے ناز و عشوہ کا مظاہرہ کوئی عیب ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ ایک درجہ میں یہ مطلوب ہے تاکہ زندگی میں یک رنگی نہ پیدا ہو سکے۔ کسی کے باکمال ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ انسانی جذبات

سے بالکل عاری ہو۔ کسی موقع ومحل پر ناراضی اور خفگی کی مہذب ادا زندگی کو رنگین بنا جاتی ہے۔ یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ رسولِ خداﷺ صرف رسول ہی نہ تھے بلکہ وہ حضرت عائشہؓ کے محبوب شوہر بھی تھے۔ حضرت عائشہؓ کسی بات پر ناراض ہوتیں تو ربِ محمدؐ کے بجائے رب ابراہیم علیہ السلام کی قسم کھاتیں۔ اور آپؐ سے خوش ہوتیں تو رب محمدؐ کی قسم کھاتیں۔ اظہارِ ناراضی کا یہ لطیف انداز ذوقِ لطیف کا غماز ہے۔ اس میں جو شائستگی پائی جاتی ہے اور اس سے جس تہذیب کی جھلک نمایاں ہوتی ہے اس کی جتنی بھی تعریف وتحسین کی جائے کم ہے۔ حضورﷺ کی ذکاوت فہم دیکھئے کہ وہ سمجھ جاتے تھے کہ عائشہؓ خفا ہیں یا آپؐ سے خوش ہیں۔ حالاں کہ خفگی یا خوشی کے معروف آثار دور تک دکھائی نہیں دیتے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اے اللہ کے رسول، آپؐ کی بات تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ ناراضی صرف نام تک ہوتی ہے۔ میں آپؐ کا نام نہیں لیتی لیکن آپؐ کو دل سے جدا کرنا کسی حال میں میرے لیے ممکن نہیں ہے۔

یہ میاں بیوی کی راز ونیاز کی باتیں ہیں۔ گھر کی فضا کتنی فطری پاکیزگی لیے ہوئے ہے۔ باتوں میں کوئی تصنع وتکلف نہیں پایا جاتا۔ ہر ایک اپنا دل کھول کر دوسرے کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ یہ نہ ہو تو زندگی، اپنی تمام تر رعنائیوں سے محروم ہی رہے گی۔

(۱۵) وَ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا قَالَتْ فَكُنَّ یَتَطَاوَلْنَ اَیَّتُهُنَّ اَطْوَلُ یَدًا. قَالَتْ: فَكَانَتْ اَطْوَلَنَا یَدًا زَیْنَبُ لِاَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِیَدِهَا وَ تَصَدَّقُ. (مسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ نے (اپنی بیویوں سے) فرمایا: ”تم میں سب سے پہلے وہ مجھ سے ملے گی، جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔“ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ کی بیویاں اپنے ہاتھ ناپتی تھیں کہ کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ ہم سب میں زینب کے ہاتھ زیادہ لمبے تھے کہ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور صدقہ دیتیں۔“

تشریح: حضورﷺ اور ازواجِ مطہرات کے درمیان جو گفتگوئیں ہوتی تھیں ان میں ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں۔ خدا وآخرت اور موت وحیات ہر چیز گفتگو کا موضوع ہو سکتی تھی اور ہوتی تھی۔ نہ ذہنوں میں کسی قسم کا تناؤ تھا اور نہ کسی کے لیے دل میں کوئی ناخوشگوار جذبہ پایا جاتا تھا۔ اس

حدیث میں ایک ایسی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے جو نبی ﷺ اور آپؐ کے ازواج کے درمیان ہوئی تھی۔ آپؐ اپنی بیویوں سے فرماتے ہیں کہ تم میں جس کے ہاتھ لمبے ہیں وہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپؐ کی وفات سب سے پہلے ہوگی۔ چناں چہ یہی ہوا۔ دوسری بات جو آپؐ نے فرمائی اس میں پردہ داری کی شان کو آپؐ نے باقی رکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں جس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں وہ سب سے پہلے مجھ سے ملے گی۔ یعنی میرے بعد میری بیویوں میں سب سے پہلے اسی کا انتقال ہوگا۔ حضور ﷺ کی پیشین گوئی پر ازواجِ مطہرات کو پورا یقین تھا۔ وہ اپنے ہاتھ کو ناپ کر دیکھتیں کہ کس کے ہاتھ زیادہ لمبے ہیں۔ ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے انتقال فرمایا۔ ۲۰ھ میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ تب یہ راز کھلا کہ ہاتھ لمبے ہونے سے حضور ﷺ کی مراد فیاضی اور سخاوت تھی۔ فیاضی اور جود و سخاوت میں حضرت زینبؓ سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ وہ اپنے ہاتھ سے محنت کرتیں اور صدقہ دیا کرتی تھیں۔ اس طرح آپؐ کی دوسری پیشین گوئی بھی سچ ثابت ہوئی۔ اسے پیغمبرانہ معجزہ ہی کہا جائے گا۔

ایک خاص بات جو اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ مرنے کے بعد آدمی کی ملاقات اپنے ان اعزہ سے ہوتی ہے جو اس سے پہلے دنیا سے کوچ کر گئے ہوتے ہیں۔ انتقال کے بعد حضرت زینبؓ کی آپؐ سے ملاقات کا ہونا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی طرح وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ کی آپؐ سے ملاقات کا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

꧁꧂

مثالی معاشرہ

مثالی معاشرہ وہی ہوسکتا ہے، جس میں حکمرانی حق و انصاف کی ہو۔ جس میں عدل و انصاف کو نظرانداز نہ کیا جاسکتا ہو۔ جس کے افراد ایک دوسرے کے لیے ایثار سے کام لے سکتے ہوں۔ باہم ایک دوسرے سے گہری محبت رکھتے ہوں۔ مثالی معاشرہ اسی کو کہا جاسکتا ہے، جس میں حق وصداقت کا واضح تصور پایا جاتا ہو۔ جس کے لوگ حق آشنا ہوں۔ یعنی وہ حق کو حق سمجھتے ہوں، اور اسے اختیار کرنے کا وافر جذبہ ان کے اندر موجود ہو۔ اور وہ اپنی عملی زندگی میں حق کے پابند بھی ہوں۔ ایسے سماج میں اس کے بہترین نتائج دیکھے جاسکتے ہیں۔

انسانی زندگی میں اچھے اعمال وہی ہوسکتے ہیں جو حقیقی اقدارِ حیات، حسن وصداقت اور حقیقی انبساط کے مظہر ہوں۔ جوڈ کے نزدیک بھی بہترین معاشرہ وہی ہے، جس کے افراد اقدارِ حیات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیتے ہوں اور جن کے اعمال میں اصلاً انھیں اقدار کا لحاظ پایا جاتا ہو[1] اقدارِ حیات کا تعین اسی وقت ممکن ہے جب کہ انسان کا رشتہ خدا کی ہستی سے قائم ہو جو مستقل اقدار کا اصل سرچشمہ ہے۔ لیکن اگر سماج میں لوگ مختلف جذبات وتصورات کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے جذبات وتصورات میں کامل ہم آہنگی نہیں پائی جاتی تو اس کا نتیجہ خلفسار و انتشار کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا۔ اگر لوگوں کے جذبات میں ہم آہنگی پیدا ہو جائے تو وہ ایک دوسرے کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں اور فطری طور پر لوگوں کے درمیان دوستی اور محبت کی فضا پیدا ہوسکتی ہے۔

مثالی معاشرہ کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی تشکیل وحدتِ مقصد کے تحت ہو اور

---

(۱) دیکھیں: Guide to the philosophy of Morals and Politics. p.467-469

تمام نوعِ انسانی کا ارتقاء اس کے پیشِ نظر ہو۔ کانٹ کے الفاظ میں معاشرے کے افراد کے ذہن اتنے بلند ہو جائیں کہ ہر فرد دوسرے فرد کے مفاد کی قدر و قیمت اپنے مفاد کی قدر و قیمت کے برابر سمجھنے لگے۔ چمن کے پھول باہم ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوتے۔ انسان کو بھی ایک دوسرے کا بدخواہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ انھیں ایک دوسرے کی ترقی میں معاون اور مددگار بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان کے پیشِ نظر حقیقی اقدار حیات اور مقصد حیات ہو، جس کا علم وحی الٰہی کے ذریعے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس کی مکمل تعلیم و تشریح ہمیں قرآن و سنت میں واضح انداز میں ملتی ہے۔

〈۱〉 عَنْ عَمرِو بْنِ عَبَسَةَؓ قَالَ: أَتَيتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ. مَنْ مَّعَکَ عَلٰى هٰذَا الْاَمْرِ؟ قَالَ، حُرٌّ وَ عَبْدٌ. قُلْتُ. مَا الْاِسْلَامُ؟ قَالَ: طِيْبُ الْکَلَامِ وَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ. قُلْتُ: مَا الْاِيْمَانُ؟ قَالَ: اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ. قَالَ: قُلْتُ: اَىُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ. قَالَ: قُلْتُ: اَىُّ الْاِيْمَانِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: خُلُقٌ حَسَنٌ. (احمد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، آپؐ کے ساتھ (آغازِ اسلام میں) اس امر (دین) میں کون تھا؟ آپؐ نے فرمایا: ''ایک آزاد اور ایک غلام۔'' میں نے عرض کیا کہ اسلام (کی پہچان) کیا ہے؟ فرمایا: ''پاکیزہ کلام اور (محتاجوں کو) کھانا کھلانا۔'' میں نے پوچھا کہ ایمان (کی نشانی) کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''صبر اور سخاوت۔'' راوی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ سب سے بہتر اسلام کس کا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔'' کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ ایمان میں سب سے افضل اور بہتر چیز کون سی ہے۔ فرمایا: ''اچھا اخلاق۔''

تشریح: ایک آزاد اور ایک غلام، یہ اشارہ ہے حضرت ابو صدیقؓ اور حضرت بلالؓ کی طرف۔ حضرت ابوبکرؓ آزاد تھے اور حضرت بلالؓ غلام تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد انسان خود پرستی اور خود غرضی کے تنگ دائرے میں مقید نہیں رہتا۔ وہ اس دائرے کی تنگی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسے صرف اپنی ہی فکر دامن گیر نہیں رہتی۔ بلکہ اسے دوسرے لوگوں خاص طور سے محتاجوں اور ضرورت مندوں کی

فکر بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اسے دلچسپی صرف اپنا ہی پیٹ بھرنے سے نہیں ہوتی بلکہ محتاجوں اور مسکینوں کو کھلانے سے بھی اسے پوری دلچسپی ہوتی ہے۔ اس کی زبان پر پاکیزہ کلمات ہی آتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خلافِ حق ہو یا جو دوسروں کے لیے باعث اذیت ہو۔

آپؐ نے فرمایا: ایمان کی نشانی صبر وسخاوت ہے۔ ایمان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو خدا اور آخرت پر پورا یقین ہے۔ ایسے شخص کی نظر ان لوگوں کے مقابلے میں جو نہ خدا کو مانتے ہیں اور نہ آخرت کو تسلیم کرتے ہیں بہت وسیع ہوتی ہے۔ اس کی نظر آج کے مقابلہ میں آنے والے کل یعنی آخرت پر کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص جلد بازی اور عاجلہ پسندی سے نجات پالیتا ہے۔ بڑے سے بڑے اندیشے، نقصانات اور مصائب اسے سچائی سے نہیں ہٹا سکتے۔ وہ جانتا ہے کہ ہمارے لیے اصل فیصلہ کن دن آج نہیں کل ہے۔ اس لیے آج کے لیے بے چین ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ کل کے نقصان کو آج کے فائدے کے لیے برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برخلاف کل کی کامیابی کے لیے آج کی ناکامی کو بہ خوشی گوارا کیا جائے گا۔ اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ ایمان کی بدولت مومن کے اندر صبر کی کتنی قوت مجتمع ہو جاتی ہے۔

صبر کے ساتھ دوسرا وصف ایمان کا سماحت یعنی فیاضی اور سخاوت ہے۔ مومن تنگ دل اور بخیل کیوں کر ہوسکتا ہے، جب کہ وہ دیکھ رہا ہے ختم نہ ہونے والے خزانے کا مالک وہی ہوگا، جو آج لٹاتا ہے۔ کل پانے والا وہی شخص ہوگا جو آج لٹا دیتا ہے۔ آخرت کی وسعتیں اسی کے حصے میں آئیں گی، جس کو آج قلب کی فراخی اور وسعت حاصل ہے۔ جس کا دل بخل اور حرص سے یکسر پاک ہے۔

ایمان میں افضل چیز اخلاق ہے۔ مسلم درحقیقت وہی ہے، جس سے کوئی کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کرے۔ مسلم تو لوگوں کی جان و مال اور ان کی آبرو کا محافظ ہوتا ہے، وہ دوسروں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ مومن سراپا حسنِ اخلاق ہوتا ہے، اس سے کسی بداخلاقی کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے۔

(۲) وَ عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰہِ اِکْرَامَ ذِی الشَّیْبَۃِ الْمُسْلِمِ، وَ حَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَیْرِ الْغَالِیْ فِیْہِ وَالْجَافِیْ عَنْہُ وَ اِکْرَامَ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ. (ابوداؤد، البیہقی فی شعب الایمان)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک یہ منجملہ تعظیم خداوندی کے ہے: بوڑھے مسلمان شخص کی تکریم کرنا اور حامل قرآن کا اکرام کرنا جب کہ وہ قرآن میں غلو کرنے والا اور اس سے ہٹ جانے والا نہ ہو اور عادل حکمراں کا اکرام کرنا۔''

تشریح: تعظیم خداوندی ہی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آدمی کسی بوڑھے مسلم کی شان میں گستاخی نہ کرے اور نہ اس سے بے ادبی سے پیش آئے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس کی توقیر و تعظیم کرے۔

حاملِ قرآن یعنی یعنی قرآن سے شغف رکھنے والا، قرآن کا حافظ، مفسر اور قرآن پڑھنے پڑھانے والا بھی اس کا مستحق ہے کہ اس کی تعظیم و توقیر کی جائے۔ لیکن یہ حکم اس کے ساتھ مشروط ہے کہ حامل قرآن قرآن میں غلو سے پرہیز کرتا ہو۔ نہ تو وہ قرآن کی تلاوت ترک کرے اور نہ اپنی عملی زندگی میں قرآن کی تعلیمات کو اختیار کرنے سے اسے گریز ہو۔ اگر وہ الفاظ قرآنی کی تجوید اور حسنِ قرأت میں حد سے تجاوز کرے اور فاسد عقائد و نظریات کے ذریعے سے قرآن کے معنی و مفہوم متعین کرے تو پھر وہ کسی تعظیم و تکریم کا مستحق قرار نہیں پاتا۔

اسی طرح وہ عادل حکمراں بھی ہماری تعظیم کا مستحق ہے جو اپنی حکومت میں عدل و انصاف قائم کرے اور کسی قسم کے ظلم و ستم کا روادار نہ ہو۔

اس حدیث سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تعظیم خداوندی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے۔ تعظیم خداوندی کے سبب سے اگر ہم عادل حکمراں کی تکریم کرتے ہیں اور حکمراں بھی تعظیم خداوندی ہی کے جذبہ سے عدل و انصاف کو قائم کرتا ہے، تعظیم خداوندی ہی کے پیشِ نظر اگر حامل قرآن کی توقیر کی جاتی ہو اور حامل قرآن بھی تعظیم خداوندی ہی کے احساس سے قرآن کے حقوق سے غافل نہ ہو۔ یعنی معاشرے میں اگر ہر جگہ اور ہر موقعے پر تعظیمِ خداوندی اور اجلالِ رب کا لحاظ رکھا جائے تو ایسا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن جائے گا، جو اپنی مثال آپ ہوگا۔

(۳) وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِؓ اَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَیُّ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ. تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ

سے دریافت کیا کہ کون سا اسلام سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''کھانا کھلانا اور ہر شناسا و ناشناسا کو سلام کرنا۔''

تشریح: یعنی یہ اسلام کی بہترین تعلیمات میں ہے کہ سوسائٹی کے ہر فرد کی قدر و قیمت کا ہمیں پورا احساس ہو۔ اور حتی الامکان سبھی کے حقوق کا پاس و لحاظ رکھا جائے۔ کوئی بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلائیں۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی میں حصہ لیں۔ اخلاق کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ ہم دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی ضرورت سمجھیں اور دوسروں کی بھلائی اور ترقی کو اپنی بھلائی اور ترقی تصور کریں۔ جس طرح شناسا شخص کا احترام ہمارے دل میں پایا جاتا ہے، اسی طرح ناشناسا کی بھی توقیر کا ہم خیال رکھیں اور بلا کسی فرق و امتیاز کے دونوں کو سلام کر کے ہم اس بات کا اظہار کریں کہ ہم ہر ایک کے لیے بہترین جذبات اور نیک تمنائیں رکھتے ہیں۔

(۴) وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ: نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ یَّبِیْعَ حَاضِرٌ لِبَادٍ وَلاَ تَنَاجَشُوْا وَلاَ یَبِیْعُ الرَّجُلُ عَلٰی بَیْعِ اَخِیْهِ وَلاَ یَخْطُبُ عَلٰی خِطْبَةِ اَخِیْهِ وَلاَ تَسْأَلُ الْمَرْأَةُ طَلاَقَ اُخْتِهَا لِتَکْفَأَ مَا فِیْ اِنَائِهَا. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ شہری دیہاتی کے لیے سودا کرے اور فرمایا کہ ''آپس میں رنجش نہ کرو اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرے اور نہ اپنے بھائی کے پیامِ نکاح پر پیام بھیجے اور نہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی خواہش کرے کہ جو کچھ اس کا حصہ ہے خود حاصل کرے۔''

تشریح: ''شہری دیہاتی کے لیے سودا نہ کرے'' مطلب یہ ہے کہ مقامی لوگوں کی ضرورت کا پہلے خیال رکھیں۔ ایسا نہ ہو کہ مقامی لوگ تو محروم رہ جائیں اور انھیں نظر انداز کر کے آپ دور کے لوگوں سے سودا کر کے نفع کمانے میں مصروف ہوں۔ یہ بات کبھی فراموش نہ ہو کہ بہترین نفع لوگوں کی حاجت روائی ہے۔ جو ہم سے جتنا قریب ہوگا اسی نسبت سے وہ ہماری توجہ کا بھی زیادہ مستحق ہوگا۔ لیکن اگر قریب رہنے والوں کی ضرورتیں پوری ہو چکی ہوں تو باہر کے لوگوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

مال لینے کا ارادہ نہ ہو تو خواہ مخواہ کے لیے قیمت نہ بڑھاؤ۔ اس طرح تم اپنے بھائی کو نقصان ہی پہنچاؤ گے اور اگر اسے نقصان پہنچانے ہی کی غرض سے ایسا کرتے ہو تو اس سے بری

بات تمھارے لیے اور کیا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح اگر کسی نے کسی کے یہاں شادی کا پیغام بھیجا ہے تو تم ہرگز وہاں پیغام نہ بھیجو۔ کیوں کہ یہ اخوت اور جذبۂ بہی خواہی کے خلاف ایک خودغرضانہ حرکت ہوگی۔ اور اس گھناؤنی حرکت کے معیوب ہونے میں کسی کو کیا شبہ ہوسکتا ہے۔ البتہ اگر کسی کا بھیجا ہوا پیغام قبول نہ ہوتو پھر اس کے بعد دوسرا کوئی شادی کا پیغام وہاں بھیج سکتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اگر کسی کا کسی سے کوئی سودا ہورہا ہے تو اس میں دخل دے کر خود اس سے سودا کرنے کی کوشش بھی ایک نہایت گری ہوئی حرکت ہے۔ یہ جذبۂ اخوت وہم دردی کے سراسر منافی ہے۔ اس سے ہمیشہ آپس کے تعلقات میں بگاڑ ہی پیدا ہوگا۔

''کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی خواہش نہ کرے۔'' یہ حرکت بھی سراسر اسلام کے خلاف اور سماجی اور گھریلو زندگی کو تباہ کرنے والی ہے کہ کوئی عورت یہ خواہش رکھے اور اس کے لیے کوشاں ہو کہ فلاں عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دے تاکہ اس عورت کی جگہ خود وہ اس سے شادی رچائے اور اسے مطلق اس کا خیال نہ ہو کہ اس سے اس عورت کو کتنا نقصان اور ضرر پہنچے گا۔ حالاں کہ وہ عورت جسے وہ خودغرضی کی بناپر اس کے شوہر سے الگ کردینے کی خواہاں ہے دینی رشتے سے اس کی اپنی بہن ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کسی طرح بھی اس کے لیے درست نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنے فائدے کے لیے اپنی بہن کو نقصان پہنچائے اور اس کے دل کو ستم زدہ اور غم زدہ بنا کر رکھ دے۔

﴿۵﴾ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ عَائِشَةَ قَالَا: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِىْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ. (بخاری، مسلم)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل ہمیشہ مجھے ہم سایہ کے حق کا لحاظ رکھنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ خیال قائم کرلیا کہ عنقریب پڑوسیوں کو ایک دوسرے کا وارث قرار دے دیں گے۔''

تشریح: معلوم ہوا کہ پڑوسی کے ساتھ ہمارا سلوک بہتر سے بہتر ہونا چاہیے۔ پڑوس میں ہونے کی وجہ سے پڑوسی سے اکثر واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ ایک کو دوسرے کی خبر ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے پڑوسی کے حقوق بھی غیر پڑوسی کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں۔

❧❦